امامت

قرآن کی نظر میں



تالیف

سید محمد حسین زیدی برستی

ادارہ انتشارات حقائق الاسلام

لاہوری گیٹ چنیوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہدیۂ منجانب الشیخ مولانا حامد علی سندرانہ
جھلوال
ضلع سرگودھا

بسم الله الرحمن الرحيم

امامت

قرآن کی نظر میں

امامت کے موضوع پر تحقیق انیق اور تفتیش دقیق

تالیف

سید محمد حسین زیدی برستی

ناشر

ادارہ انتشارات حقائق الاسلام

لاہوری گیٹ چنیوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب امامت قرآن کی نظر میں

نام مولف سید محمد حسین زیدی برستی

تعداد ایک ہزار

مطبع معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور

کمپوزنگ ڈاکٹر سید انتظار مہدی زیدی

ایڈمنسٹریٹر: فاسٹ کمپیوٹر انفارمیشن ٹیکنالوجی ہوم چنیوٹ

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی

مین ڈاکخانہ روڈ محلّہ لاہوری گیٹ چنیوٹ ضلع جھنگ

تاریخ کمپوزنگ یکم نومبر 2002ء

پیش لفظ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیائے ظاہر سے رخصت ہو جانے کے بعد اولاد آدم علیہ السلام کو بالعموم اور اُمت مسلمہ کو بالخصوص کسی ھادی، کسی امام، کسی رہنما اور کسی پیشوا کی کوئی ضرورت ہے یا نہیں۔ اس موضوع پر اعتراض کرنے والے بھی بہت ہیں اور اس موضوع کے اثبات میں کتابیں بھی بے شمار لکھی گئی ہیں اور سب نے ہی عقیدۂ امامت کو ثابت کرنے لئے ، قرآن وحدیث اور عقلی دلائل سے اپنا اپنا اسلوب بیان اختیار کیا ہے اور عقیدۂ امامت کو ثابت کرنے میں بے شمار دلائل و براہین پیش کر کے معترضین کو لاجواب کیا ہے اگر علامہ حلی نے کتاب ''الفین'' یعنی عقیدہ امامت پر دو ہزار دلیلیں ، لکھی تو علامہ حامد حسین لکھنوی نے عقیدہ امامت کے اثبات میں 32 ضخیم جلدیں تحریر فرمائیں، جوایران میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ غرض شیعہ علمائے متقدمین ومتاخرین نے عقیدہ امامت کے اثبات میں آج تک جو کچھ لکھا ہے ان کے ہوتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں کی موجودگی میں عقیدہ امامت پر اب اور کسی کتاب کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن نہ ماننے والوں کی طرف سے، جہاں وہی پرانے سوالات، اور وہی پرانے اعتراضات، زمانے کے گذرنے کے ساتھ، نئے نئے انداز میں بیان ہوتے رہتے ہیں، وہاں کچھ نئی طرز کے سوالات اور نئی قسم کے اعتراض بھی اُٹھائے جاتے ہیں، جو ایک طرح سے پرانے اعتراضات ہی کی بدلی ہوئی شکل ہوتے ہیں۔ لہذا عقیدہ امامت کے اثبات کیلئے ان لوگوں کے واسطے، جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں پیغمبرؐ کے بعد امامت کے جاری رہنے کا بیان نہیں ہے۔ یا جو یہ کہتے ہیں کہ عقیدۂ امامت ختم نبوت کے منافی ہے یا جو یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی ھادی و امام اور کسی رہنما اور پیشوا کی ضرورت نہیں ہے، اس قسم کے اعتراضات کا انکے اعتراض کے مطابق جواب دینے کے لئے ایسی

کتاب کی اب بھی ضرورت ہے۔جس میں پرانی قسم کے بدلے ہوئے اعتراض اور نئی قسم کے سوالات کا جواب ہو۔میں نے اس کتاب میں قرآن سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن میں پیغمبرؐ کے بعد امامت کے جاری رہنے کا بیان بھی ہے اور ختم نبوت کے بعد امامت کا جاری رہنا ختم نبوت کے ہرگز ہرگز منافی نہیں ہے بلکہ ختم نبوت کے بعد امامت کا جاری رہنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ امامت کے جاری ہونے سے ہی ختم نبوت کی تائید ہوتی ہے اور قرآن ہی سے یہ ثابت کیا ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد یقینی طور پر پیغمبر کے کسی ایسے جانشین وخلیفہ اور کسی ایسے ھادی خلق اور امام برحق ،اور پیغمبر کی نیابت میں پیغمبرؐ کی طرف سے رہنمائی کرنے والے کسی ایسے پیشوا کی حتمی طور پر ضرورت ہے۔جس کا قول رسول کا قول ہو،اور جسکا فعل رسول کے فعل کا عملی نمونہ ہو،لہذا اسکی اطاعت کرنا ایسا ہو جیسا کہ پیغمبر ہی کی اطاعت کی ہے،اسکی پیروی کرنا ایسا ہو،جیسا کہ خود پیغمبر ہی کی پیروی کی ہے اور امت کے فرقوں میں بٹ جانے کی وجہ سے،اس بات کی ضرورت محتاج بیان نہیں ہے،کیونکہ کوئی شخص ملت اسلامیہ کے بکثرت فرقوں میں بٹے ہوئے ہونے کی صورت میں حق بات اور صحیح راہ کیسے معلوم کرے سوائے اس صورت کے کہ پیغمبرؐ کے بعد پیغمبر اکرمؐ کا کوئی اسوہ باقی ہو،اور کوئی عملی نمونہ موجود رہے اور یہ وہی ہوسکتا ہے جسکا دعویٰ یہ ہو کہ اس نے ساری زندگی میں پیغمبر اکرمؐ کی ایک لحہ کے لئے بھی نافرمانی نہیں کی۔پس اس کتاب میں آسان ،سادہ،سہل اور عام فہم انداز میں آئمہ طاہرین علیھم السلام کا منصوص من اللہ ہونا،معصوم عن الخطا ہونا۔عالم علم لدنی ہونا،پیغمبر کے بعد ھادی خلق اور امام برحق ہونا اور انبیاء ورسل کی طرح انکا مصطفیٰ ہونا،اور انبیاء ورسل کی طرح ہی انکا مجتبیٰ ہونا۔اور انبیاء ورسل کی طرح پیغمبر کے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں پر روز قیامت خدا کی حجت اور خدا کی طرف سے گواہ ہونا ثابت کیا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب ﴿احقر﴾ سید محمد حسین زیدی برستی

فہرست

نمبرشمار	عنوان	صفحہ نمبر

ھادیان دین کے مناصب میں سے ایک منصب امامت ہے

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم .الحمد للہ رب والصلواۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمدؐ وآلہ الطیبین الطاھرین المعصومین اما بعد فقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی کتابہ المبین وھو اصدق القائلین وقولہ الحق بسم اللہ الرحمن الرحیم .ووھبنا لہ اسحق ویعقوب نافلۃ وکلا جعلنا صالحین وجعلنا ھم آئمۃ یھدونا بامرنا ،واوحینا الیھم فعل الخیرات و اقام الصلواۃ واتیناءَ الزکواۃ وکانو لنا عابدین. (الانبیاء 72-73)

ترجمہ۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰق سا بیٹا اور یعقوب سا پوتا انعام میں عطا کیا۔ اور ان سب کو صالح اور نیک بنایا اور ہم نے سب کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ اور ہم نے ان کے پاس نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکواۃ دینے کی وحی بھیجی تھی۔ اور یہ سب کے سب ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کو امام بنانے کا ذکر کیا ہے۔ اور وظیفہ اور کام انکا یہ بتلایا ہے، کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے،اس سے ثابت ہوا کہ امامت بھی ہادیان دین کے مناصب میں سے ایک منصب ہے،اور امام خدا کی طرف سے اس کے حکم کے مطابق ہدایت کا کام انجام دینے پر معمور ہوتا ہے، اور وہ وحی جس کا اس آیت میں ذکر کیا ہے، کسی کو پیغام دینے کی وحی نہیں ہے، یعنی پیغام رسانی ، یا رسالت کی وحی نہیں ہے، بلکہ تربیتی وحی ہے جسکا تعلق خود انکی اپنی ذات سے ہے کہ وہ امور خیر انجام دیا کریں نماز پڑھا کریں اور زکواۃ ادا کرتے رہا کریں اور اسکے بعد خبر کے طور پر کہتا ہے کہ وہ ہماری اور صرف ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

خداوند تعالی نے حضرت آدمؑ کے بعد اور حضرت نوحؑ سے پہلے جتنے ہادی بھیجے وہ سب کے سب نبوت کے منصب پر فائز تھے اور ان میں سے کوئی بھی منصب رسالت پر فائز نہیں تھا حضرت نوحؑ پہلے نبی ہیں جنکو منصب رسالت پر فائز کیا گیا، لہذا وہ نبی بھی تھے، اور منصب رسالت پر بھی فائز تھے۔ حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ پہلے نبی و رسول ہیں، جنہیں منصب نبوت و رسالت کے ساتھ منصب امامت بھی عطا کیا گیا، لہذا حضرت ابراہیمؑ کے بعد جتنے نبی و رسول آئے ان میں سے کچھ انبیاء و رسل، منصب نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ منصب امامت پر بھی فائز رہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیت میں حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کو امام بنائے جانے کو بیان کیا گیا ہے جبکہ وہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی طرح منصب نبوت پر بھی فائز تھے اور منصب رسالت پر بھی فائز تھے اور اس طرح پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی بھی تھے اور رسول بھی تھے اور امام بھی تھے، اسطرح ہادیوں کا وہ سلسلہ جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا، وہ نبی و رسول اور امام کی حیثیت سے لوگوں کو ہدایت کرتا رہا۔

اور خداوند تعالی نے قرآن کریم میں سورہ النساء کی آیت نمبر 163 سے آیت نمبر 165 تک تمام مشہور و معروف انبیاء و رسل کا نام بنام ذکر کر کے انکی بعثت کی غرض و غایت اسطرح سے بیان کی ہے۔

رسلاً مبشرین ومنذرین لئلایکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل، یعنی یہ سارے ہادیان دین، اور انبیاء و رسل جو بشارت دینے والے بھی تھے، اور خدا کے احکام کی نافرمانی سے ڈرانے والے بھی تھے ان کو ہم نے اس لئے بھیجا تھا تا کہ لوگون کی خدا کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے یعنی ان کے آنے کے بعد روز قیامت وہ خدا کے سامنے کوئی عذر و اعتراض نہ کر سکیں اور خدا کے خلاف کوئی الزام عائد نہ کر سکیں لہذا خداوند تعالیٰ نے

انسانوں کی ہدایت کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے باہر آنے کے ساتھ ہی شروع کر دیا جس کا بیان آگے آتا ہے۔

حضرت آدمؑ کا جنت سے خروج اور خدائی ہدایت کا آغاز

جس وقت خداوند تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جنت سے باہر چلے جانے کا حکم دیا تو ارشاد فرمایا۔ ''قلنا اهبطوا منها جميعاً فاما ياتينكم مني هدىً فمن تبع هداى فلاخوف عليهم ولا هم يحزنون. والذين كفروا وكذبو باياتينا اولئک اصحب النار هم فيها خالدون (البقره ۳۸۔۳۹) ترجمہ۔ ہم نے حکم دیا کہ تم سب کے سب اکٹھے ایک ساتھ یہاں سے چلے جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے (تو اس کی پیروی کرنا) جو لوگ میری ہدایت پر چلیں گے ان پر (قیامت کے دن) نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ رنجیدہ ہونگے اور جو لوگ کفر اختیار کرینگے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے، وہی تو جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں پڑے رہینگے۔

چند الفاظ کی تشریح

ترجمہ۔ آیت میں جنت سے چلے جانے کے لئے اهبطوا کا لفظ آیا ہے اور ھبوط کے معنی نزول کے ہیں اور نزول کی ضد صعود ہے اس لئے بہت سے ترجمہ کرنے والوں نے یہ سمجھا جیسا کہ حضرت آدمؑ کو کسی اونچی جگہ سے نیچے پھینکا گیا ہو، حالانکہ اس کے معنی کسی اعلیٰ وارفع جگہ سے ادنی جگہ کی طرف چلے جانے کے لئے بھی قران میں آئے ہیں، اور اس کی مثال بنی اسرائیل کا واقعہ ہے کہ وہ وادی تیھہ میں خدا کی کیسی کیسی نعمتوں سے مستفیض ہو رہے تھے سروں کے اوپر دھوپ سے بچانے کے لئے ہر وقت ابر سایہ کئے رہتا تھا، ''وظللنا عليهم الغمام'' البقره . 57. اور کھانے کے لئے من وسلوی اترتا تھا۔

"وانزلنا علیکم المن والسلوی". البقرہ. پینے کے لئے صاف شفاف پانی کے 12 چشمے ابل رہے تھے "فانفجرت منہ اثنتاعشرۃ عینا" البقرہ 60.

لیکن بنی اسرائیل نے اس پر قناعت نہ کی اور انہوں نے موسیٰ سے یہ کہا کہ ہم صرف ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ لہذا آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجیے، کہ جو چیزیں زمین سے اگتی ہیں جیسے ساگ پات، ترکاری، ککڑی یا گیہوں یا لہسن اور مسور اور پیاز (من وسلوی کی جگہ) پیدا کرے اسپر موسیٰ نے کہا کیا تم ایسی چیز کو جو ہر طرح سے بہتر ہے ادنیٰ چیز سے بدلنا چاہتے ہو، تو پھر تم کسی شہر میں چلے جاؤ۔ وہاں تمہارے لئے جو تم نے مانگا ہے سب کچھ مل جائے گا، قال اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر، اھبطوا مصرا فان لکم ماسالتم. البقرہ. 61

یہاں پر موسیٰ نے اس چیز کو جو بنی اسرائیل نے طلب کی تھی ادنیٰ کہا اور جو مل رہی تھی اس کو خیر یعنی بہتر کہا ہے۔ اور اعلیٰ مقام سے ادنیٰ مقام کی طلب کو بہتر چیز کے بدلے میں ادنیٰ چیز کی طلب کہا ہے لہذا موسیٰ نے ان سے کہا: "اھبطوا مصرا" یعنی تم کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں تمہیں یہ سب چیزیں مل جائیں گی۔ لیکن تم اس اعلی مقام پر نہ رہو گے جو تمہیں اب حاصل ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ "اھبطو" کا معنی آسمان سے زمین پر آنا نہیں ہے۔ بلکہ ایک اچھے مقام سے کمتر مقام کی طرف چلے جانے کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بنابریں جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ وہ جنت جس میں آدمؑ کو ٹھرایا گیا تھا، وہ زمین پر ہی ایک باغ تھا۔ بالکل درست ہے۔ اور اس طرح ھبوط آدمؑ کا مطلب یہ ہوگا کہ انہیں اس جنت ارضی کے اعلی وارفع مقام سے نکل کر بے آب وگیاہ زمین پر آنا پڑا۔ ورنہ آدمؑ زمین پر ہی خلق کئے گے تھے۔ اور زمین پر ہی رہنے کیلئے ہی خلق ہوئے تھے۔ ابتدا میں انہیں ایک باغ میں

جوزمین پر ہی تھا رہنے اور سکونت کرنے کا کہا گیا تھا۔ اور "یا آدم اسکن انت و زوجک الجنة" البقرہ . 35 یعنی اے آدم تم اور تمھاری زوجہ یہیں اس جنت میں ٹھہرو۔ کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آدم اس جنت کے اندر ہی خلق ہوئے تھے۔ پس آدم جتنی دیر اس جنت میں رہے تب بھی زمین پر ہی تھے اور جب جنت سے باہر آئے تب بھی زمین پر ہی تھے اور آئمہ اہل بیت کی روایات سے بھی یہی بات ثابت ہے لہذا اس جنت کے آسمان پر ہونے ،اور آدمؑ وحوا کو آسمان کی جنت سے زمین پر اتارنے والی بات صحیح نہیں ہے اور خلاف عقل وفہم بھی ہے

جمیعاً۔ کے معنی ہیں سب کے سب۔ ''اھبطوا'' خود جمع کا صیغہ ہے اس پر جمیعاً کے ذریعہ مزید تاکید۔ یہ سب کے سب کون تھے؟ تو بہت سے مفسرین نے اسکی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے ان میں جمیعاً کے معنی آدم وحوا اور ابلیس مراد لئے گئے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آدم وحوا اور ابلیس اس جنت سے اکٹھے ایک ساتھ باہر آئے ہیں اور ابلیس اس وقت تک جنت کے اندر ہی موجود رہا ہے

بعض مفسرین نے جمیعاً کے معنی آدمؑ وحوا اور ان دونوں کی ذریت بھی مراد لی ہے جو ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔

ھدیً۔ تفسیر التبیان میں فاما یاتینکم منی ھدی کے لفظ ھدی کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے: "والھدی" المذکور فی الآیة یحتمل امریں احدھما البیان والدلالة. والآخرہ. الانبیاء والرسل،وعلی القول الاخر یکون قولہ :"قلنا اھبطوا" الآدم وحوا وذریتھما کما قال: فقال لھا والارض ائیتاطوعا وکرھا قالتا اتینا طائعین ،ای اتینا بمافینا من الخلق

طائعین. تفسیر التبیان جلد 1 ص 174

یعنی ھدی کا لفظ جو آیت میں مذکور ہے اس میں دو احتمال ہیں اول ۔ دلائل و براہین ۔ دوسرے انبیاء و رسل.

اور دوسرے قول کے مطابق خدا کے قول: ''قلنا اھبطو'' کا مطلب آدم وحوا اور ان دونوں کی ذریت ہی ہوگا۔ جیسا کہ خدا کے اس قول کا مطلب کہ اس نے آسمانوں اور زمین سے کہا کے تم خوشی خوشی آو یا کراہت کے ساتھ ۔ تو ان دونوں نے کہا کہ ہم خوشی خوشی اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔ یعنی ہم اس تمام مخلوق کے ساتھ جو ہمارے اندر ہے خوشی خوشی اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔

یہ تفسیر اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ اگر ھدی کے معنی دوسرے احتمال والے ہوں یعنی ''انبیاء و رسل''، تو اھبطو کا معنی آدم وحوا اور انکی وہ ذریت ہونگے جو ان کے صلبوں میں تھے۔

اس تفسیر میں یہ تصور کر لیا گیا ہے کہ جیسا کہ انبیاء و رسل صرف آدم کی اولاد کیلئے بھیجے گئے تھے لیکن قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل صرف آدم کی اولاد کیلئے ہی نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ وہ جنوں کے لئے بھی ہادی تھے اور قرآن یہ کہتا ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا اور قرآن کی آیت ''وما خلقت الجن والانس الالیعبدون'' .الزاریات 56 یہ کہتی ہے کہ جن اور انسان یکساں طور پر مکلّف ہیں اور سورہ جن میں ان کا یہ قول موجود ہے کہ وانا لما سمعنا الھدی آمنا بہ. الجن .14۔

بیشک ہم نے جب بھی کسی ہادی کے آنے کی خبر سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے ان کا یہ قول بھی قرآن میں موجود ہے کہ؛ وانا منا المسلمون وسنا القاسطون . الجن 14

اور ہم میں سے مسلمان بھی ہیں اور ہم میں سے نافرمان بھی ہیں اور روز قیامت خدا جنوں اور انسانوں دونوں سے پوچھے گا کہ یمعشر الجن والانس الم یاتکم منکم

الخ الانعام. 131 یعنی اے گروہ جن وانس کیا تمھارے پاس تمھیں میں سے ہمارے بھیجے ہوئے رسول نہیں آئے تھے

اگر ''ھدی'' کے معنی انبیاء ورسل بھی ہوں تب بھی چونکہ انبیاء ورسل انسانوں کے ساتھ ساتھ جنوں کی ہدایت کے لئے بھی آئے تھے اور ابلیس جنوں میں سے تھا لہذا ھدی کے معنی انبیاء ورسل ہونیکی صورت میں بھی ''اھبطوا'' کا معنی آدم وحوا اور ابلیس ہوسکتے ہیں

والذین کفروا و کذابوا ابایتنا . یعنی جولوگ کفر کرینگے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے تو انکا ٹھکانا جہنم ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔

سورہ البقرہ کی آیت نمبر 39.38 کے مذکورہ اجزاء کی تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ آدمؑ کو جس جنت میں رکھا گیا تھا وہ زمین پر ہی ایک باغ تھا۔ وہ بہشت خلد نہ تھی نہ وہ دار العمل تھی نہ دار التکلیف تھی نہ دار الجزا تھی۔ بلکہ خداوند تعالی نے انہیں اسی باغ میں جہاں انہیں خلق کیا تھا کچھ عرصہ کیلئے راحت وآرام کرنے کے لئے ٹھرایا۔ لہذا آدم علیہ السلام کا اُس باغ سے باہر آنا دار العمل اور دار التکلیف میں تشریف لانا تھا کیونکہ اگر وہ باغ بہشت خلد اور دار الجزا ہوتی، تو آدمؑ کو اس سے ہرگز باہر نہ نکالا جاتا۔ کیونکہ وہ بہشت تو عمل کی جزا میں ملے گی اور جو چیز جزا میں ملے اس سے باہر نہیں نکالا جاسکتا پس وہ جنت آدمؑ کے کسی عمل کی جزا میں نہیں ملی تھی، نہ وہ دار الخلد تھی نہ وہ دار العمل تھی اور نہ ہی وہ دار الجزا تھی۔

لہذا جب وہ اس جنت سے باہر تشریف لائے تو اس وقت وہ دار التکلیف اور دار العمل میں تشریف لائے۔

اولاد آدم کے لئے ہدایت کا انتظام

مذکورہ آیات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آدمؑ اور اولاد آدمؑ کیلئے آدمؑ کے جنت سے باہر آنے کے ساتھ ہی ہدایت کا انتظام کر دیا تھا یہ ہدایت آیات کے ذریعہ ،معجزات کے ذریعہ، دلائل کے ذریعہ ،براہین کے ذریعہ ،انبیاء کے ذریعہ ،رسولوں کے ذریعہ، آسمانی کتابوں کے ذریعہ، اور ہدایت کے دوسرے تمام ذریع اور وسائل کے ذریعہ ،اولاد آدمؑ تک پہنچتی رہی، اولاد آدمؑ کو اس خدائی ہدایت کی اس لئے بھی اشد ضرورت تھی، کیونکہ خدا نے انسان کو عقل وشعور کی نعمت کے ساتھ خواہشات کا مالک بھی بنایا ہے اور ساتھ ہی اسے ارادہ واختیار کا مالک بھی بنا دیا ہے۔ اسپر اضافہ یہ کہ شیطان کو مہلت دیدی کہ وہ اسے گمراہ کرنے کے لئے جس طرح چاہے بہکائے اور جس طرح سے چاہے فریب دے۔ لہذا خداوند تعالیٰ کا یہ انتہائی لطف کرم ہے کہ اس نے آدمؑ اور اولاد آدمؑ کے زمین پر آباد ہونے کے ساتھ ہی ہدایت کا انتظام فرمایا، تا کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ،اپنے ارادہ واختیار کو، اپنی عقل اور خدائی ہدایت کے ماتحت رکھے اور اپنی عقل اور ہدایت کو خواہشات کا تابع نہ بنادے۔ نتیجہ اس سارے بیان کا یہ نکلا کہ چونکہ نہ تو انسان کی خواہشات ختم ہوئی ہیں اور نہ ہی ابلیس کی اولاد آدمؑ کو گمراہ کرنے کے لئے بہکانے کی مہلت ختم ہوئی ہے لہذا اولاد آدم اس وقت تک خدائی ہدایت کی محتاج ہے جب تک کہ وہ خواہشات کے ساتھ، ارادہ واختیار کا مالک ہے اور شیطان کو اسے گمراہ کرنے کے لئے بہکانے کی مہلت ملی ہوئی ہے لہذا آدم علیہ السلام کے جنت سے باہر آنے کے بعد، اولاد آدمؑ کے لئے یہ زمین دار العمل اور دار التکلیف قرار پائی ہے اور گناہ وثواب اور جزا وسزا کا آغاز اس جنت ارضی سے باہر آنے کے بعد شروع ہوتا ہے

آدم علیہ السلام کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں

خداوند تعالٰی ازل سے عالم ہے اور علم اسکی عین ذات ہے اسے اپنے علم قدیم سے یہ معلوم تھا کہ اس نے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنی ہے جو اس کی ساری مخلوقات میں سب سے اشرف سب سے افضل سب سے اکمل اور سب سے اعلیٰ ہو اور جس کو خلق کرنے کے بعد اپنی اس شاہکار مخلوق پر فخر کرے، اور بڑے فخر کے ساتھ کہے۔فتبارک اللہ احسن الخالقین. المومنون. ۱۴۔یعنی برکتوں والا ہے وہ اللہ جو بہترین خلق کرنے والا ہے۔

بناء بریں خداوند تعالٰی نے اپنی اس مخلوق کو خلق کرنے سے پہلے اس کے رہنے سہنے کیلئے اس کے راحت و آرام کیلئے اور اسکی مادی و معنوی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کیا جیسا کہ سورہ البقرہ میں ارشاد ہوا:

هو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً البقرہ. ۲۹

وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے تمہارے نفع کیلئے اور تمہیں فائدہ پہچانے کے لئے، زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

اور نہ صرف زمین کو اس کے فائدے کے لئے پیدا کیا بلکہ ساری کائنات اسی کی خاطر پیدا کی اور کائنات کی یہ محفل اُسی کے لئے سجائی گئی ہے جیسا کہ سورہ ھود میں ارشاد ہوا کہ :

وهو الذی خلق السموٰات والارض فی ستۃ ایام و کان عرشه علی الماء لیبلو کم ایکم احسن عملاً. هود. 7

اور وہی خدا تو ہے جس نے سارے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور (زمین اور آسمان کی خلقت سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا (اس نے یہ سارے آسمان اور زمین اس لئے بنائے) تا کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون کون اچھا کام کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ زمین و آسمان اور یہ ساری کائنات انسان کی خاطر بنائی گئی ہے تا کہ

اولاد آدم کے لئے ہدایت کا انتظام

مذکورہ آیات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آدمؑ اور اولاد آدمؑ کیلئے آدمؑ کے جنت سے باہر آنے کے ساتھ ہی ہدایت کا انتظام کردیا تھا یہ ہدایت آیات کے ذریعہ ،معجزات کے ذریعہ ،دلائل کے ذریعہ ،براہین کے ذریعہ ،انبیاء کے ذریعہ ،رسولوں کے ذریعہ ،آسمانی کتابوں کے ذریعہ ،اور ہدایت کے دوسرے تمام ذریع اور وسائل کے ذریعہ ،اولاد آدمؑ تک پہنچتی رہی ،اولاد آدمؑ کو اس خدائی ہدایت کی اس لئے بھی اشد ضرورت تھی ،کیونکہ خدا نے انسان کو عقل وشعور کی نعمت کے ساتھ خواہشات کا مالک بھی بنایا ہے اور ساتھ ہی اسے ارادہ واختیار کا مالک بھی بنادیا ہے۔اسپر اضافہ یہ کہ شیطان کو مہلت دیدی کہ وہ اسے گمراہ کرنے کے لئے جس طرح چاہے بہکائے اور جس طرح سے چاہے فریب دے۔لہذا خداوند تعالیٰ کا یہ انتہائی لطف کرم ہے کہ اس نے آدمؑ اور اولاد آدمؑ کے زمین پر آباد ہونے کے ساتھ ہی ہدایت کا انتظام فرمایا ،تاکہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ،اپنے ارادہ واختیار کو ،اپنی عقل اور خدائی ہدایت کے ماتحت رکھے اور اپنی عقل اور ہدایت کو خواہشات کا تابع نہ بنادے۔نتیجہ اس سارے بیان کا یہ نکلا کہ چونکہ نہ تو انسان کی خواہشات ختم ہوئی ہیں اور نہ ہی ابلیس کی اولاد آدمؑ کو گمراہ کرنے کے لئے بہکانے کی مہلت ختم ہوئی ہے لہذا اولاد آدم اس وقت تک خدائی ہدایت کی محتاج ہے جب تک کہ وہ خواہشات کے ساتھ ،ارادہ واختیار کا مالک ہے اور شیطان کو اسے گمراہ کرنے کے لئے بہکانے کی مہلت ملی ہوئی ہے لہذا آدم علیہ السلام کے جنت سے باہر آنے کے بعد ،اولاد آدمؑ کے لئے یہ زمین دارالعمل اور دارالتکلیف قرار پائی ہے اور گناہ وثواب اور جزاوسزا کا آغاز اس جنت ارضی سے باہر آنے کے بعد شروع ہوتا ہے

آدم علیہ السلام کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں

خداوند تعالیٰ ازل سے عالم ہے اور علم اسکی عین ذات ہے اسے اپنے علم قدیم سے یہ معلوم تھا کہ اس نے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنی ہے جو اس کی ساری مخلوقات میں سب سے اشرف سب سے افضل سب سے اکمل اور سب سے اعلیٰ ہو اور جس کو خلق کرنے کے بعد اپنی اس شاہکار مخلوق پر فخر کرے، اور بڑے فخر کے ساتھ کہے۔فتبارک اللہ احسن الخالقین. المومنون. ۱۴۔یعنی برکتوں والا ہے وہ اللہ جو بہترین خلق کرنے والا ہے۔

بناء بریں خداوند تعالیٰ نے اپنی اس مخلوق کو خلق کرنے سے پہلے اس کے رہنے سہنے کیلئے اس کے راحت و آرام کیلئے اور اسکی مادی و معنوی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کیا جیسا کہ سورہ البقرہ میں ارشاد ہوا:

هو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً البقره. ۲۹

وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے تمہارے نفع کیلئے اور تمہیں فائدہ پہچانے کے لئے، زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

اور نہ صرف زمین کو اس کے فائدے کے لئے پیدا کیا بلکہ ساری کائنات اسی کی خاطر پیدا کی اور کائنات کی یہ محفل اُسی کے لئے سجائی گئی ہے جیسا کہ سورہ ھود میں ارشاد ہوا کہ :

وهو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستة ایام و کان عرشه علی الماء لیبلوکم ایکم احسن عملاً. هود. 7

اور وہی خدا تو ہے جس نے سارے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور (زمین اور آسمان کی خلقت سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا (اس نے یہ سارے آسمان اور زمین اس لئے بنائے) تا کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون کون اچھا کام کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ زمین و آسمان اور یہ ساری کائنات انسان کی خاطر بنائی گئی ہے تا کہ

انسان انکی خلقت میں غور کر کے ان کے خلق کرنے والیکو پہچانے ،اور پھر اس خالق حقیقی کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے نیک عمل بجالائے۔

غرض جب خدا نے اپنی اشرف ترین وافضل ترین واکمل ترین واعلیٰ ترین مخلوق کے رہنے سہنے۔ اسکی راحت وآرام اور اس کی ہر طرح کی مادی ومعنوی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کرلیا تو اس وقت خدا نے فرشتوں کو زمین پر آباد کرنے کی اطلاع ان الفاظ میں دی۔

واذقال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفةقالو اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک .قال انی اعلم مالاتعلمون .وعلّم آدم الاسماء کلها،ثم عرهم علی الملائکة فقال انبئونی باسماء هٰؤلاء ان کنتم صادقین ،قالو ا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا ،انک انت العلیم الحکیم.قال یا آدم انبئهم باسمائهم فلما انبیاء هم باسمائهم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموٰت والارض واعلم ماتبدون وما کنتم تکتمون. البقره . 30-33

اور (اے پیغمبر) جس وقت تمہارے رب نے فرشتوں سے یہ فرمایا کہ میں زمین پر (تمہارا) جانشین مقرر کرنے والا ہوں تو انہوں نے عرض کیا کہ کیا تو ایسوں کو (ہمارا) جانشین بنادیگا جوزمین پر فساداور خونریزی کریں۔اور ہم تو تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں ،خدا نے فرمایا کہ بیشک میں جانتا ہو (جنہیں میں نے تمہارا جانشین بنانا ہے) تم نہیں جانتے (کہ وہ کون ہونگے) اور آدم کو سب کے نام کل کے کل تعلیم کردیئے پھر (جن کے نام آدم کو تعلیم کیئے تھے) انکو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتلادو،فرشتوں نے (عاجزانہ تو طور پر) عرض کی تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے ہم کو تو سوائے اتنے علم کے جتنا تو نے ہمیں تعلیم کیا تھا اور کچھ علم نہیں ہے۔ بیشک تو ہی ہر

یات کا علم رکھنے والا اور عین حکمت و مصلحت کے مطابق کام کرنے والا ہے خدا نے فرمایا اے آدم اب تم ان کے نام فرشتوں کو بتلا دو۔ پس جب آدم نے ان کے نام فرشتوں کو بتلائے تو خدا نے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہوں۔ اور جو کچھ تم ظاہر کر رہے ہو اس سے بھی واقف ہوں اور جو کچھ تم چھپا رہے ہو اس سے بھی آگاہ ہوں۔

یہ پہلا موقع ہے جب فرشتوں کی محفل میں آدمؑ کا ذکر ہوا اور یہیں سے بہت سے مفسرین اور دانشوروں نے آدمؑ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کیں۔ اور ان طرح طرح کی باتوں سے آدم علیہ السلام کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، پس یہ آیات انتہائی طور پر خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہیں۔ لہذا وہ باتیں جو خاص طور پر قابل ہیں انہیں ہم علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت اس سے آگے بیان کر رہے ہیں۔

خدا نے فرشتوں کے سامنے یہ اعلان کب کیا؟

بعض مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ خدا نے یہ اعلان فرشتوں کے سامنے آدمؑ کی خلقت کے بعد کیا لیکن یہ آیات اور ان کے بعد کی آیات یہ کہتی ہیں کہ یہ اعلان آدمؑ کی جسمانی خلقت کے بعد کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کی جسمانی خلقت کے بعد اور انکے جسد خاکی میں روح کے پھونکے جانے کے بعد تو فرشتے خدا کے حکم سے فوراً ہی سجدہ میں گر پڑے تھے، اگر پہلے سے آدمؑ علیہ السلام کو ان کا جانشین بنائے جانے کا اعلان کر کے ان کو قائل نہ کر لیا ہوتا، تو جہاں آدمؑ کی اعلان جانشینی کے وقت یہ کہا تھا کہ کیا تو ایسے کو ہمارا جانشین بنا دیگا جو فساد وخونریزی کرے۔ وہاں اب بھی وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ تو مٹی سے بنا ہے اور ہمیں تو نے نور سے خلق فرمایا ہے، جب آگ سے خلق ہونے والے نے خود کو مٹی سے خلق ہونے والے سے افضل سمجھا تو نور سے خلق ہونے والے کیوں یہ عذر نہ کرتے۔ پس اگر وہ اعلان جانشینی

کے وقت عذر کر سکتے تھے تو اب زیادہ مناسب تھا کہ یہ عذر کرتے پس اعلان جانشینی آدمؑ کے بعد خلقت آدمؑ کا اعلان یہ ثابت کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی جانشینی کا فرشتوں کے سامنے اعلان پہلے ہوا اور جب وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ خدا ان کا جانشین کسے بنا رہا ہے، اور انہوں نے اس کا نام اور اس کی صفات جان کر یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ لاعلمی اور بے خبری کی بنا پر تھا، اور آدم علیہ السلام ایسے نہیں ہیں۔ لہذا اعلان خلقت کے بعد سجدہ پر روح کے پھونکے جانے کے فوراً بعد ہی وہ سجدے میں گر پڑے، کیونکہ انہیں اب معلوم تھا کہ یہ وہی روح آرہی ہے جس کا تعارف پہلے سے کرادیا گیا ہے۔

خدا نے یہ اعلان کونسے فرشتوں کے سامنے کیا؟

بعض مفسرین نے یہ کہا کہ خدا نے یہ اعلان تمام فرشتوں کے سامنے کیا۔ اور تمام فرشتوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی ایک دعا میں جو صحیفہ سجادیہ میں لکھی ہوئی ہے۔ دس فرشتوں کو تو نام کے ساتھ یاد کیا ہے۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ جبرائیل ۲۔ میکائیل ۳۔ اسرافیل ۴۔ عزرائیل (ملک الموت) ۵۔ روح القدس
۶۔ منکر ۷۔ نکیر ۸۔ رومان ۹۔ رضوان ۱۰۔ مالک

ان کے علاوہ ملائکہ کی حسب ذیل چودہ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ جن میں سے ہر قسم کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ فرشتوں کی وہ اقسام یہ ہیں۔

۱۔ حاملان عرش ۲۔ ملائکہ حجب ۳۔ ملائکہ سمٰوٰت ۴۔ ملائکہ روحانیین ۵۔ ملائکہ مقربین
۶۔ ملائکہ رسل ۷۔ ملائکہ مدبرات ۸۔ ملائکہ حفظ ۹۔ ملائکہ کاتبین ۱۰۔ ملائکہ موت
۱۱۔ ملائکہ طائفین ۱۲۔ ملائکہ حشر ۱۳۔ ملائکہ جہنم ۱۴۔ ملائکہ بہشت۔

ملائکہ کی یہ اقسام تو وہ ہیں جن کا بیان قران میں آیا ہے اور جن کا ذکر صحیفہ سجادیہ کی مذکورہ

دعا میں کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور کتنی اقسام ہیں ان کا احاطہ اللہ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا جیسا کہ امام علیہ السلام نے بھی اپنی دعا میں فرمایا ہے اور خود خدا کا ارشاد یہ ہے کہ:

وما یعلم جنود ربک الاهو.

تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اب ان مفسرین کے نزدیک خدا نے یہ اعلان اپنے تمام ملائکہ کے سامنے کیا۔ جیسا کہ تفسیر التبیان میں لکھا ہے کہ۔

قال قوم: هم جمیع المالائکة

یعنی ایک قوم کا کہنا یہ ہے کہ اس آیت میں جن ملائکہ کا ذکر ہے اس سے مراد تمام کے تمام ملائکہ ہیں۔

لیکن دوسرے مفسرین کیا کہتے ہیں اس کے بارے میں بھی تفسیر التبیان میں ہی اس طرح لکھا ہے

وقال الآخرون وهو المروی عن ابن عباس والضحاک انه خطاب لمن اسکنه من الملائکة الارض بعد الجان و قبل خلق آدم. وهم الذین اجلوا الجان عن الارض.

یعنی دوسرے مفسرین یہ کہتے ہیں اور وہ ابن عباس اور ضحاک سے بھی مروی ہے کہ یہ خطاب ان فرشتوں سے ہے جنہیں خدا نے زمین پر آباد کیا تھا اور یہ جنوں کے بعد اور آدم کی خلقت سے پہلے آباد ہوئے تھے اور یہی فرشتے تھے وہ جنہوں نے جنوں کو زمین سے نکال باہر کیا تھا۔

پس اس بارے میں کہ یہ خطاب کونسے ملائکہ سے تھا دو قول ہوئے۔ ایک قول یہ ہے کہ خطاب تمام ملائکہ سے ہے اور دوسرا قول یہ کہ یہ خطاب صرف ان ملائکہ سے ہے جو زمین سے جنوں کو نکال کر خود زمین پر آباد ہو گئے تھے۔ اور اسکا صحیح فیصلہ آگے چل کر باقی

آیات پر غور کرنے سے ہو سکے گا کہ یہ خطاب کونسے فرشتوں سے تھا۔

خدا نے فرشتوں کے سامنے یہ خطاب کیوں کیا؟

فرشتوں کے سامنے اس خطاب کی غرض وغایت کیا تھی اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت وہ ہے جبکہ یہ خطاب بلا استثنٰی تمام فرشتوں کے سامنے کیا ہوتو یہ اس لئے ہو سکتا ہے تا کہ ان کی مرضی معلوم کرے یا ان سے رائے لے یا ان سے مشورہ کرے۔تو یہ بات کسی کے لئے بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خدا کسی کی رائے لیکر یا کسی سے مشورہ کر کے کوئی کام نہیں کرتا۔نہ اسکا کوئی مشیر ہے نہ وزیر لہذا یہ خیال قطعی غلط ہے اور اس صورت میں فرشتوں نے بظاہر اس بات سے اتفاق بھی نہیں کیا۔

دوسری غرض ان فرشتوں سے خطاب کی صورت میں ہو سکتی ہے جو زمین پر آباد تھے اور انہوں نے جنوں کو زمین سے نکال باہر کیا تھا اور خود زمین پر آباد ہو گئے تھے۔جب خدا نے انکی جگہ زمین پر آدم علیہ السلام اور انکی ذریت کو آباد کرنے کا ارادہ کیا، کہ اب میں تمہاری بجائے تمہاری جگہ دوسری مخلوق کو لا رہا ہوں، جو تمہارے بعد تمہاری جگہ جانشین بن کر آباد ہو گی اور یہ بات بالکل قرین عقل ہے کہ ان فرشتوں کو ہی اطلاع دی جائے، کہ اب تمہارا کام ختم ہو چکا ہے، لہذا اب تمہاری بجائے اس زمین پر دوسری مخلوق آباد ہو گی، جو اسکی اصلی وارث ہے اور وہ تمہاری جانشین ہو گی، اور تم نے اپنی بجائے اس کے آنے کو اس کے آباد ہونے کو اور اس کی جانشینی کو تسلیم کرنا ہے اور زمین پر اس کو آباد کرتے کے لئے زمین کو اس کے لئے خالی کر دینا ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ سے کیا مراد ہے؟

لفظ خلیفہ خلف سے مشتق ہے۔جس کے معنی ہیں پیچھے آنے والا یعنی جو شخص کسی کے مرنے یا

تبدیل ہونے کے بعد اسکی جگہ لے اور وہی کام کرے، جو جانے والا کرتا تھا تو اس آنے والے یا جانے والے کی جگہ لینے والے کو اسکا جانشین کہا جائیگا۔ جسے عربی زبان میں خلیفہ کہا جاتا ہے۔

اس لفظ خلیفہ کے بارے میں اکثر دانشوروں اور مفسرین نے اپنی اپنی عقل کی خوب جولانیاں دکھائی ہیں کسی نے کہا کہ خدا نے آدمؑ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور آدمؑ خدا کے خلیفہ یا جانشین یا نائب تھے، کسی نے کہا کہ خدا نے آدمؑ کی ساری اولاد کو اپنا خلیفہ یا جانشین یا نائب بنایا ہے، لہذا ہر انسان خدا کا خلیفہ یا جانشین یا نائب ہے اور اس طرح اسی لفظ کو اقتدار پر قبضہ کا وسیلہ بنایا۔ غالیوں اور مفوضہ نے بھی اس لفظ کو اپنے دلائل میں سے ایک دلیل بنایا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ خدا کے نائب ہیں لہذا خدا کے جتنے کام ہیں وہ خدا کا خلیفہ اور نائب ہونے کی حیثیت سے محمد وآل محمد کرتے ہیں۔ یعنی خلق یہ کرتے ہیں رزق یہ دیتے ہیں موت یہ دیتے ہیں حیات یہ دیتے ہیں اولاد یہ دیتے ہیں غرض سارا نظام کائنات یہ چلاتے ہیں لیکن یہ بات سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خدا نہ مرتا ہے نہ تبدیل ہوتا ہے اور نہ ہی بے کار رہتا ہے، لہذا کوئی بھی شخص اس لفظ کے لغوی معنی کے لحاظ سے خدا کا خلیفہ نہیں بن سکتا ہے۔

ہاں یہ بات ہر لحاظ سے قرین عقل ہے کہ چونکہ خدا نے یہ زمین انسانوں کو آباد کرنے کے لئے بنائی تھی جیسا کہ البقرہ کی آیت نمبر 29 اور اسی طرح کی دوسری آیات کا مفہوم ہے اور ابن عباس کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ خدا نے جن فرشتوں کو جنوں سے زمین خالی کرانے کے لئے زمین پر بھیجا تھا وہ زمین پر ہی آباد ہو گئے تھے اور جن زمین سے باہر نکال دیئے گئے تھے۔ سوائے ابلیس کے جو ایمان لانے کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ پس جنوں کے باہر نکلوا دینے کے بعد فرشتوں کا کام اب ختم ہو گیا تھا لہذا انہیں

اطلاع دی گئی کہ اب تمہاری بجائے زمین پر آدم علیہ السلام اور انکی اولاد آباد ہوگی، اور زمین کی وارث بنے گی اور اب وہ تمہاری جانشین ہوگی اور اس بات میں کوئی استبعاد نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات خلاف عقل ہے اور قران کریم کی بہت سی دوسری آیات اس بات کی تائید کرتی ہیں اور بہت سی روایات بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہیں، مزید تفصیل کے لئے خلافت کے بارے میں ہماری کتاب ''خلافت قران کی نظر میں'' کا مطالعہ کریں۔

فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ ہونے والا خلیفہ فساد وخونریزی کریگا؟

تعجب ہے ان دانشوروں پر اور ان فاضل مفسرین پر جن کا کہنا یہ ہے کہ خدا نے فرشتوں کو یہ بتلایا دیا تھا کہ آدم کی اولاد زمین پر فساد اور خونریزی کریگی۔ یہ دانشور اور مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور وہ خلافت کو ایک عظیم منصب قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ:

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

لہذا ان کے نزدیک فرشتوں نے بھی اسے ایک عظیم منصب سمجھتے ہوئے یہ کہا کہ جب وہ فساد وخونریزی کرینگے تو تو انکو خلیفہ کیوں بناتا ہے؟ اگر تسبیح وتقدیس کی ضرورت ہے تو عبادت کے لئے ہم کیا کم ہیں؟ مگر ان دانشوروں کے نزدیک خدا بھی ڈٹ گیا کہ آدمؑ کی اولاد چاہے فساد کرے چاہے خونریزی کرے اور چاہے ظلم کے جیسے پہاڑ ڈھائے اور چاہے وہ مجھے بھی نہ مانیں۔ اور وہ میرے ہی مقابل آجائیں اپنا خلیفہ تو میں نے ان کو ہی بنانا ہے۔

اور سب سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض دانشوروں کا کہنا یہ ہے کہ خلافت جیسے منصب عظیم کا نام سنکر سارے ہی ملائکہ کے منہ میں پانی بھر آیا اور ان کے دلوں میں اس منصب عظیم کے حصول کی خواہش پیدا ہوگئی، اور وہ فرشتے جن کے بارے میں یہ مسلمہ ہے

کہ فرشتوں میں خواہش کا عنصر ہے ہی نہیں ۔ان کے دلوں میں خلافت کے اس منصب عظیم کو حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوگئی ۔اور انہوں نے خدا سے یہ کہا کہ تو ان کو اپنا خلیفہ کیوں بناتا ہے؟ جو فساد و خونریزی کرینگے ۔اگر تو نے اپنا کسی کو خلیفہ بنانا ہی ہے تو ہمیں بنا دے ۔ ہم تو تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں ۔

گویا ان سارے مفسرین کے اس نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اعلان خلافت سن کر سارے فرشتے تڑپ اٹھے ۔ان میں خواہشات کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا اور خلافت جو ان مفسرین و مفکرین کے نزدیک ایک بہت ہی عظیم منصب ہے کے لینے کے لئے سارے ہی فرشتے ایسے بے چین ہوئے کہ انہیں نظام کائنات چلانے کی بھی پروانہ رہی اور نظام کائنات چلانے کے لئے انہیں جس جس منصب پر فائز کیا ہوا تھا اسے چھوڑنے اور اپنا اپنا استیعفٰے دینے کے لئے تیار ہو گئے اور کم از کم وہ فرشتے جو مقرب خدا اور عظیم کاموں کے انجام دینے پر مامور ہیں سب سے اول انہوں نے خود کو اسکا مستحق سمجھا ہوگا ۔

لہذا جبرئیل اپنا منصب چھوڑ کر میکائیل اپنا منصب چھوڑ کر اسرافیل اپنا منصب چھوڑ کر عزرائیل اپنا منصب چھوڑ کر رضوان اپنا منصب چھوڑ کر مالک اپنا منصب چھوڑ کر خلافت کا منصب حاصل کرنے کیلئے بڑھ بڑھ کر بولنے لگے ہونگے ان کے علاوہ حاملان عرش نے کہا ہوگا اے خدا تو جان اور تیرا عرش جانے ہمیں تو زمین کی خلافت دیدے ،اسی طرح ملائکہ حجب ملائکہ موت ملائکہ روحانیین ملائکہ مقربین ملائکہ رسل ملائکہ مدبرات ملائکہ حفظ ، ملائکہ کاتبین ۔ملائکہ طائفین ملائکہ حشر ملائکہ جہنم ملائکہ بہشت نے کہا ہوگا کہ خداوند ان کاموں سے ہمارا استیعفٰے لے اور ان کاموں پر کسی اور کو لگا دے ہمیں تو زمین کی خلافت کا یہ عظیم منصب عطا فرما دے ۔

درباری علماء حکمرانوں کو خوش کرنے کے لئے بڑے بڑے پاپڑ بیلتے ہیں مگر مسلمان

علماء و مفسرین و مفکرین نے ان بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے جو خود کو خلیفہ کہلاتے تھے جتنا جھوٹ بولا ہے اور جس طرح قرآن کو غلط طور پر اپنے مطلب کیلئے استعمال کیا ہے، کسی بھی حکمران کو خوش کرنے کے لئے، کسی کی بھی طرف سے ایسی مثال نہیں ملتی۔

لیکن دوسرا نظریہ یہ ہے کہ وہ فرشتے جو جنوں کو زمین سے نکالنے پر مامور ہوئے تھے انہیں خود خدا نے یہ بتلایا تھا کہ جن زمین پر فساد و خونریزی کرر ہے ہیں لہذا اسی بناء پر انہون نے آگے چل کر صاف کہا کہ: "لا علم لنا الا ما علمتنا"۔ ہمیں تو کوئی علم ہی نہیں ہے سوائے اس کے جس کا علم خود تو نے ہمیں دیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے ان فرشتوں کو جنہیں اس نے جنوں کو زمین سے نکالنے پر مامور کیا تھا۔ جنوں کے فساد اور خونریزی سے خود آگاہ کیا تھا۔ اور جب وہ انکو زمین سے باہر نکالنے کے لئے زمین پر آئے تو انہوں نے بچشم بھی خود ملاحظہ کر لیا۔ اور چونکہ انہیں اور کسی مخلوق کا کوئی علم نہیں تھا اور درحقیقت وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ خدا نے انکی جگہ کسی کو آباد کرنا ہے، انکا خلیفہ اور جانشین کس کو بنانا ہے، لہذا انہوں نے یہ سمجھا کہ کہیں جنہیں ہم نے زمین سے باہر نکال دیا ہے اب ان ہی فساد کرنے والے جنوں کو ہماری جگہ پھر سے زمین پر آباد کیا جارہا ہے یا جو جن ایمان لا چکے ہیں ،ان ہی میں سے کسی کو انکا جانشین بنایا جارہا ہے۔

اگر آیت کے الفاظ میں اچھی طرح غور کیا جائے، اور اس سے اگلی آیت جس میں آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہے توجہ کی جائے تو ظاہر یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف فرشتوں نے یہ سمجھا تھا کہ کہیں ان کی جگہ انہی جنوں کو تو زمین پر آباد نہیں کیا جارہا ہے جنہیں انہوں نے زمین سے باہر نکالا تھا، بلکہ ابلیس نے بھی یہ خیال کیا تھا کہ اسے ہی اب زمین پر خلیفہ بنایا جائیگا کیونکہ وہ خدا پر ایمان لایا ہے، فرشتوں کی صحبت میں رہتا ہے اس کے سوا اور کوئی مخلوق ایسی ہے نہیں، جسے فرشتوں کا جانشین بنایا جاسکے، لہذا اسے پوری امید بندھ گئی تھی، کہ فرشتوں کی جگہ اسی کو

زمین کی سلطنت ملے گی، وہ زمین کا وارث بنے گا، اس بات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے، کہ ابلیس کا نام عزازیل ہے جب اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو خدا نے پہلی مرتبہ ابلیس کہہ کر خطاب کیا۔ اور لغت میں اس کے معنی ناامیدی کی وجہ سے غمگین ہونے کے ہیں جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات القران میں لکھا ہے کہ: اُلاِبلاَسُ: (افعال) کے معنی سخت مایوسی کے باعث غمگین ہونے کے ہیں۔ اَبلَسَ۔ وہ مایوس ہونے کی وجہ سے مغموم ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسی سے اَبلیس ''مشتق'' ہے۔ قران میں ہے۔

ویوم تقوم الساعة یبلس المجرمون۔(30-12)

اور جس دن قیامت برپا ہوگی گنہگار مایوس و مغموم ہو جائینگے۔

اخذھم بغتة فاذا ھم مبلسون (6-44)

تو ہم نے انکو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔

وان کانوا من قبل ان ینزل علیھم من قبلہ لمبلسین۔(30-49)

اور بیشتر تو وہ مینہ کے اترنے سے پہلے ناامید ہو رہے تھے۔

لغت اور مذکورہ قرآنی آیات سے معلوم ہوا کہ ابلیس کے معنی مایوس اور ناامید ہونیکی وجہ سے مغموم و غمگین ہونا کے ہیں۔ ابلیس اعلان خلافت۔ کے وقت اور اس سے پہلے صرف عزازیل تھا، اعلان خلافت سن کر اسے یہ امید بندھ گئی تھی کہ اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں، جسے زمین کی خلافت عطا کی جا سکے، لیکن جب آدم علیہ السلام نے ان ہستیوں کے نام بتلائے تو وہ مایوس اور ناامید ہو گیا اور جب آدم علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس کے سجدہ کا حکم ملا تو وہ مایوسی اور ناامیدی کی حالت میں غم سے بھر گیا اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ: قال یا بلیس مالک الا تکون مع السجدین قال لم

اکن لا سجد لبشر خلقته من صلصال من حماٍمسنون۔(الحجر-32-33)

خدا نے فرمایا اے ابلیس آخر تجھے کیا ہوگیا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا۔اس نے کہا کہ میں ایسا گیا گزرا نہیں ہوں کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی کھنکھن بولنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے سورہ البقرہ کی آیت نمبر 35 میں تو اسے ابلیس کہا فسجدوا الا ابلیس لیکن آیت نمبر 36 میں یہ کہا کہ "فازلھما الشیطن عنھا فاخرجھما مما کانا فیہ" ۔یعنی عزازیل مایوس ہونے سے پہلے صرف عزازیل تھا جب وہ مایوسی اور ناامید ہونے کی وجہ سے غم زدہ ہوگیا تو خدا نے اسے ابلیس کہا اور جب اس نے بہکانے کا عمل کرلیا تو اسے خدا نے شیطان کہا۔پس اعلان خلافت کے بعد عزازیل کو جواُمید بندھی تھی وہ آدم کے نام بتانے کے بعد ٹوٹ گئی،اور وہ بالکل مایوس و ناامید ہوکر غم سے بھر گیا ،خدا نے اسی کیفیت کا نام ابلیس رکھا،اور جب اس نے بہکانے کا کام کرلیا تو اسے خدا نے شیطان کہا۔

پس ابلیس نے بھی یہی سمجھا تھا،کہ اب اسی کو خلیفہ بنایا جائیگا،اور فرشتوں نے بھی اس وجہ سے کہ زمین پر اور کوئی مخلوق تھی ہی نہیں یہی سمجھا تھا،کہ اب اُنہیں کو زمین پر خلیفہ بنایا جائیگا جو زمین پر فساد و خونریزی کررہے تھے لہذا انہوں نے یہ بات ازروئے تعجب کے کہی تھی کہ کیا تو پھرانہیں کو ہماری جگہ آباد کریگا،جو زمین پر فساد و خونریزی کررہے ہیں۔اور تعجب انہیں اس وجہ سے بھی تھا کہ وہ فرشتے زمین پر ہادی بن کر آئے تھے اور سرکشوں کو زمین سے نکالنے پر مامور تھے،اور فرشتہ ہو یا کوئی اور ہادی غیر معصوم نہیں ہوتا۔لہذا وہ حیرت زدہ ہوگئے کہ کوئی غیر معصوم انکی جگہ ہادی بن کر کیسے آسکتا ہے۔اور "نحن نسبح بحمدک ونقدس لک" کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گویا انہوں نے یہ کہا کہ جنون

کوتو ہمارے ذریعہ اس لئے زمین سے نکلوایا تھا، کہ وہ فساد وخونریزی کررہے تھے، اب ہماری جگہ کسی اور کو ہمارا جانشین بنا کر زمین میں کیوں آباد کیا جارہا ہے ہم تو تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں لہذا ہمارا کیا قصور ہے؟ خدا نے کہا کہ بیشک تمہارا کوئی قصور نہیں ہے لیکن جنہیں میں زمین میں آباد کررہا ہوں ان کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے۔ یہ ساری کائنات میں نے انہیں کے لئے بنائی ہے اور یہ زمین کا فرش انہیں کی خاطر بچھایا گیا ہے لہذا اب میں ان کو زمین پر آباد کررہا ہوں اور چونکہ فرشتے معصوم تھے اور خدا کا پیغام پہچانے کی وجہ سے ہدایت پر بھی مامور تھے لہذا آدم علیہ السلام جو نبی ہو کر زمین پر آرہے تھے وہ ہادی ہونے کی حیثیت سے بھی فرشتوں کے صحیح جانشین بن کر آرہے تھے۔

آدم علیہ السلام کو کونسے نام سکھلائے گئے

خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کے جواب میں یہ کہا۔ ''انی اعلم ما لاتعلمون ''یعنی میں (جن کو تمہارا جانشین بنارہا ہوں میں ان کے بارے میں اچھی طرح سے جانتا ہوں) لیکن تمہیں ان کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے اور فرشتوں کو یہ جواب دینے کے بعد آدمؑ کو تمام نام سکھلادیئے۔ قرینہ تو یہ کہتا ہے کہ یہ نام انہیں کے تھے جنہیں فرشتوں کا جانشین بنایا جارہا تھا لیکن بہت سے مفسرین نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ خدا نے زمین کے آسمان کے۔ پہاڑوں کے غاروں کے۔ درّوں کے دریاؤں کے یعنی موجودات عالم کے نام بتلائے یعنی ان تمام چیزوں کے نام جو وجود میں آچکی تھیں، اور ان تمام چیزوں نام جو وجود میں آنے والی تھیں۔ اور ان مفسرین کے نزدیک نہ صرف آدمؑ کو ان کے نام بتلائے بلکہ انکی ماہیت سے بھی آدمؑ کو آگاہ کردیا۔ بہر حال مفسرین کا یہ گروہ یہ کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے یہ کہنے کے بعد کہ کیا تو ایسوں کو خلیفہ یا جانشین بنائے گا جو فساد وخونریزی کریں، نام سکھلائے، لیکن مسلمان کہلانے والوں میں سے ایک فرقہ یعنی شیعہ

احقاقیہ کویت یہ کہتے ہیں کہ آدمؑ علیہ السلام کے خمیر میں علم کو گوندھا گیا تھا اور آدم علیہ السلام کا علم اس طرح سے تھا جس طرح نمک میں نمکینی ہوتی ہے اور روغن میں چکنائی ہوتی ہے حالانکہ آدمؑ کو اس درخت تک کی ماہیت کا علم نہیں تھا جس کے کھانے کا اثر یہ ہونا تھا کہ جنت کا لباس ان کے بدن سے اتر جائے، جسکی وجہ سے وہ شیطان کا یقین کر بیٹھے کہ اس درخت کے کھانے کا اثر یہ ہوگا کہ وہ ہمیشہ ہمشہ اس جنت مین رہیں گے اور لازوال سلطنت کے مالک بن جائینگے اور اس کا تفصیلی بیان آگے آیگا۔

بہر حال آدمؑ کو ان ناموں کی تعلیم کے بعد ان کی ذوات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا جیسا کہ ارشاد ہوا کہ "ثم عرضھم علی الملائکۃ "یعنی پھر ان ذوات کو جن کے نام آدم کو سکھائے تھے ملائکہ کے سامنے پیش کیا، اور ان مفسرین کے نزدیک جنہوں نے یہ کہا ہے کہ تمام موجودات عالم کے نام سکھلائے، ان موجودات عالم کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور اُن سے کہا کہ: "انبئونی باسماء ھٰؤلاء ان کنتم صادقین"

یعنی اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتلاؤ۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ عرضھم میں ھم کی ضمیر اور ھٰؤلاء ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ مگر جن لوگوں کے نزدیک تمام موجودات عالم کی ہر چیز کے نام بتلائے وہ یہ کہتے ہیں کہ جمع کی صورت میں بھی یہ ضمائر استعمال ہوسکتی ہیں، بہر حال خدا نے ان کے نام آدمؑ کو سکھلانے کے بعد فرشتوں کے سامنے ان ذوات کو یا ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے ان سے یہ پوچھا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتلاؤ؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس بات میں سچے ہو؟ کیا کہا تھا فرشتوں نے؟ انہوں نے دو باتیں کہی تھیں، پہلی بات تو یہ کہی تھی کہ کیا تو انہیں کو (ہمارا) خلیفہ یا جانشین بنا دے گا جو فساد اور خونریزی کر رہے ہیں، دوسری بات انہوں نے یہ کہی تھی کہ: اور ہم تو تیری ہی تسبیح و تقدیس کر رہے ہیں۔

تو پہلی بات میں فرشتے صرف اسی صورت میں سچے ہو سکتے تھے جو خدا کسی اور مخلوق کو جن کا فرشتوں کو علم نہیں تھا انکا جانشین نہ بنا سکتا اور انہیں کو جو فساد و خونریزی کر رہے تھے انکا جانشین بنانے پر مجبور ہوتا، اور دوسری بات میں فرشتے اس صورت میں سچے ہو سکتے تھے، اگر وہ واقعاً خدا کی تسبیح و تقدیس کر رہے ہوں، تو اس بات میں تو فرشتے یقیناً سچے تھے کہ وہ خدا کی تسبیح و تقدیس کر رہے ہیں۔ اور خدا نے بھی ان کی اس بات کو. رد نہیں کیا بلکہ صرف پہلی بات کا جواب دیا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، یعنی تم یہ نہیں جانتے کہ میں (تمہارا) خلیفہ یا جانشین کس کو بنا رہا ہوں۔

لیکن وہ مفسرین جو خلافت کو ایک منصب عظیم قرار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے آدم علیہ السلام کو ہی نہیں بلکہ آدمؑ کی اولاد کو بھی اس منصب پر فائز کیا ہے اور انکو اپنا خلیفہ یعنی نائب بنایا ہے۔ ان کے نزدیک "نحن نسبح بحمدک و نقدس لک" کا مطلب یہ ہے کہ ان فساد کرنے والوں کی بجائے ہم خلافت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں لہذا اگر تو نے یہ منصب عظیم کسی کو عطا کرنا ہی ہے اور کسی کو اپنا نائب بنانا ہی ہے تو ہمیں بنا کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کر رہے ہیں۔ تو اس صورت میں فرشتے تب سچے ہو سکتے ہیں اگر واقعاً وہ اپنے اپنے مناصب چھوڑ کر یہ کہہ رہے ہوں کہ ہم اس خلافت اور نیابت الٰہیہ کے زیادہ حقدار ہیں لہذا تو ہمیں اپنا خلیفہ اور نائب بنا اور "انبئونی باسماء ھٰؤلاء" کا مطلب ان لوگوں کے نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کو اور کسی مخلوق کا علم نہیں تھا اور وہ صرف یہی جانتے تھے کہ جنوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق نہیں ہے جو زمین پر فساد و خونریزی کر رہے تھے تو خدا نے ان ذوات کو جنہیں اس نے فرشتوں کے بعد بطور ہادی کے ان کا جانشین بنانا تھا فرشتوں کے سامنے پیش کر کے یہ کہا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہوں کہ جنوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق ہے ہی نہیں جنہیں میں خلیفہ بنا سکوں تو ان ہستیوں کے نام بتلاؤ اور دیکھو کہ یہ کون ہیں؟ کیا ان میں

تمھیں کوئی فساد و خونریزی کرنے والا دکھائی دیتا ہے؟ لیکن جن مفسرین کے نزدیک ''نحن نسبح بحمدک ونقدس لک '' کہ کر فرشتوں نے اپنا استحقاق جتلایا تھا، ان پر حجت تمام کرنے کیلئے خدا نے ان کا علمی مقابلہ کرا دیا یعنی ان ناموں کا فرشتوں سے پوچھنا ایک مقابلہ تھا۔

لیکن عجیب امتحان تھا یہ جس میں آدمؑ کو تو تمام نام پڑھا دیئے اور اُن کی ماہیت اور صفات وخصوصیات بھی بتا دیں اور فرشتوں کو کچھ بھی نہ بتایا، اور ان سے یہ پوچھ لیا کہ ان کے نام بتاؤ لہذا فرشتے کچھ نہ بتا سکے انہیں نہ ان کے نام کا پتہ تھا نہ وہ انکی ماہیت اور صفات وخصوصیات سے واقف تھے لہذا وہ کیا بتلاتے وہ تو یہی جواب دے سکتے تھے کہ لا علم لنا الا ما علمتنا ۔ ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں اور کچھ علم نہیں ہے پھر آدم کو حکم ہوا کہ تم ان کے نام فرشتوں کو بتا دو تو چونکہ خدا آدمؑ کو ان کے نام بھی تعلیم کر چکا تھا، انکی ماہیت اور خصوصیات وصفات سے بھی انہیں آگاہ کر چکا تھا، لہذا آدم نے فرشتوں کو ان کے نام بتلا دیئے پس ان مفسرین کے نزدیک آدمؑ علمی مقابلہ میں جیت گئے اور فرشتے ہار گئے اور وہ مان گئے کہ خلافت کے اس منصب عظیم کے اہل اور خدا کے نائب بننے کے مستحق آدمؑ ہی ہیں ۔ یہ وہ مفسرین ہیں جن کے نزدیک خدا نے آدمؑ کو آسمان، زمین، پہاڑوں اور دروں دریاؤں اور سمندروں غرض تمام موجودات عالم کے نام سکھائے تھے اور نہ صرف نام سکھائے تھے بلکہ انکی ماہیت انکے صفات وخصوصیات بھی بتلائے تھے حالانکہ پہاڑوں ۔ دروں ۔ دریاؤں، اور سمندروں غرضیکہ تمام موجودات عالم کے نام اس وقت سکھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا یہ کہنا تو بہت ہی تعجب انگیز ہے کہ فرشتے آسمان میں رہ رہے تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ یہ آسمان ہے زمین ان کے سامنے بچھی ہوئی تھی، پہاڑ اپنے مقام پر جمے ہوئے تھے ۔ لہذا ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کرنا بھی کچھ معنی

نہیں رکھتا اور یہ سمجھنا کہ وہ یہ نہ جانتے تھے کہ ہم جہاں رہ رہے ہیں یہ آسمان ہے یا یہ زمین ہے، حالانکہ اس وقت تو مسئلہ صرف انکا تھا جن کو خلیفہ بنایا جانا تھا لہذا عقل یہ کہتی ہے کہ نام بھی انہیں کے بتلائے گئے ہونگے جن کو خلیفہ بنایا جانا تھا چاہے اپنا بنانا تھا چاہے فرشتوں کا جانشین بنانا تھا اور ماہیت وصفات وخصوصیات بھی انہیں کی بتائی جاتی تھیں جن کو خلیفہ بنایا جارہا ہے ان میں فساد وخونریزی کرنے والا کوئی نہیں ہے پس آدم علیہ السلام کو انکے بعد آخری ہادی تک کے ناموں کا بتلانا اور پھر ان ہادیان دین کی ارواح کو ان فرشتوں کے سامنے پیش کر کے یہ پوچھنا کہ اگر تم سچے ہو، تو ان کے نام بتلاؤ، ہی صحیح ہو سکتا ہے، یعنی یہ بتلاؤ کہ تمہیں ان میں سے کونسا فساد کرنے والا معلوم ہوتا ہے۔

غرض ان مفسرین ومفکرین کے نزدیک آدم کو خلافت کا یہ منصب جلیلہ صرف اس لئے ملا کیونکہ وہ علم میں فرشتوں پر فوقیت لے گئے۔ حالانکہ خلافت کوئی منصب نہیں ہے جسے ہم نے اپنی کتاب ''خلافت قران کی نظر میں'' میں ثابت کیا ہے البتہ آدم علیہ السلام نبوت پر فائز ہو کر زمین پر آئے تھے اور ہادی بنا کر زمین پر بھیجے گئے تھے اور عصمت کی ردا اُڑھا کر خدا نے انہیں زمین پر بھیجا تھا اور اسی وجہ سے جب آدمؑ نے ان کے نام وصفات فرشتوں کو بتلائے تو انہوں نے یہ کہا کہ:۔

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

فرشتوں کے اس جواب میں پہلے ''سبحانک'' کا لفظ اور اس جواب کے آخر میں ''انک انت العلیم الحکیم'' خاص معنی دیتا ہے یعنی فرشتے ان ذوات مقدسہ کو دیکھ کر پکار اُٹھے کہ تیری ذات پاک ہے، فرشتوں نے یہ کیوں کہا؟ فرشتوں نے یہ اس لئے کہا کیونکہ وہ یہ سمجھے تھے کہ ان کی جگہ جن کو ہادی بنا کر بھیجا جائے گا وہ فساد وخونریزی کرنے والوں میں سے ہوگا اب ان ذوات مقدسہ کو دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے بعد جن کو زمین پر ہادی

بنا کر بھیجا جائیگا ان میں سے کوئی بھی فساد کرنے والا اور خونریزی کرنے والا نہیں ہے۔ لہذا انہوں نے کہا تیری ذات پاک ہے تو ہماری جگہ کسی فساد کرنے والے اور خونریزی کرنے والے کو ہادی بنا کر نہیں بھیج سکتا۔ فرشتوں کا ان ذوات مقدسہ کے نام اور صفات سن کر ''سبحانک'' کہنے کا اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا ان کے نام معلوم کر کے وہ سمجھ گئے کہ واقعاً ہمیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ خدا ہماری جگہ کس کو ہادی بنا کر بھیجے گا۔ اب ہمیں معلوم ہوگیا ہے کہ یہ سب ہستیاں معصوم ہیں اور زمین پر ہادی بنائے جانے کے لائق ہیں، بیشک تجھے ان کے بارے میں پورا پورا علم ہے اور تیرا کوئی کام مصلحت اور حکمت کے خلاف نہیں ہوتا۔ انک انت العلیم الحکیم۔

ایک اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جن مفسرین اور مفکرین کے نزدیک خلافت خدا کی نیابت اور منصب عظیم ہے اور خدا نے نہ صرف آدم علیہ السلام کو بلکہ یہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنانے کا اعلان کیا تھا۔ ان کے نزدیک خدا نے فرشتوں کو یہ بتلا دیا تھا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد زمین پر فساد اور خونریزی کریگی اور اس وجہ سے فرشتوں نے یہ کہا کہ تو انکو خلیفہ بنائے گا جو زمین پر فساد اور خونریزی کرینگے، تو ان کے نزدیک انی اعلم ما لا تعلمون کا مطلب یہ ہے کہ بیشک وہ فساد کرتے رہیں بیشک وہ خونریزی کرتے رہیں میں تو انہیں کو اپنا خلیفہ اور نائب بناؤں گا۔ ان کے خلیفہ بنانے میں جو مصلحت ہے وہ میں ہی جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ لیکن ان مفسرین کے نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ یہ اعلان خلافت ان فرشتوں کے سامنے کیا تھا جو جنوں کو زمین سے باہر نکال کر زمین پر رہ رہے تھے۔ بات بالکل سادہ ہے فرشتوں کو پہلے خدا نے جنوں کی ہدایت کیلئے بھیجا جو جن ایمان لے آئے وہ فرشتوں کے ساتھ رہنے لگے جو ایمان نہ لائے انہیں فرشتوں نے زمین سے باہر نکال دیا اور انکو زمین سے نکالنے کے بعد خود زمین پر سکونت اختیار کر لی جب

خدا نے زمین پر آدم علیہ السلام کو ہادی بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو اُنہیں زمین پر رہنے والے فرشتوں کو اس بات سے آگاہ کیا کہ اب تمہارا کام ختم ہو چکا ہے اب میں تمہاری جگہ دوسروں کو تمہارا جانشین بنا رہا ہوں فرشتے یہ سمجھے کہ انہیں جنوں کو جنہیں ہم نے زمین سے نکالا ہے پھر زمین پر آباد کیا جا رہا ہے لہذا انہوں نے ازراہ تعجب پوچھا کہ کیا تو پھر انہیں کو ہماری جگہ آباد کر دیگا جو فساد اور خونریزی کر رہے تھے تو خدا نے انہیں بتلا دیا کہ ان کو نہیں بلکہ یہ ہستیاں ہیں وہ جن کو تمہاری جگہ خلیفہ بنایا جائیگا ان کے پہلے آدم علیہ السلام ہیں اور باقی وہ ہیں جن کے نام آدم نے تمہیں بتلا دیئے ہیں اور ان فرشتوں کو ہر طرح سے مطمئن کرنے کے بعد انہیں زمین پر رہنے والے فرشتوں کے سامنے آدمؑ کی جسمانی خلقت کا اعلان کیا جس کا بیان اگلے عنوان کے تحت آتا ہے۔

آدم علیہ السلام کی خلقت کا اعلان، فرشتوں کو سجدہ کا حکم اور ابلیس کا انکار

قرآن کریم میں آدم علیہ السلام کی خلقت جسمانی کا بیان اور فرشتوں کو سجدے کا حکم اور ابلیس کا انکار کئی طرح سے بیان ہوا ہے اور ہر طریقہ بیان میں ایک نیا پہلو اور ایک نئی بات روشن ہوتی ہے۔ سورہ الحجر میں یہ بیان اس طرح آیا ہے

واذقال ربک للملائکة انی خالق بشراَمن صلصال من حماٍ مسنون. فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین. فسجد الملائکة کلهم اجمعون الا ابلیس ابیٰ ان یکون مع الساجدین قال یا ابلیس مالک الا تکون مع الساجدین قال لم اکن لا سجد لبشر خلقته من صلصال من حماِمسنون قال فاخرج منها فانک رجیم و ان علیک لعنتی الیٰ یوم الدین. قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون قال فانک من المنظرین الیٰ یوم الوقت المعلوم. قال رب بما اغویتنی لا زینن لهم فی الارض ولا غوینهم

اجمعین الا عبادک منھم المخلصین .قال ھذا صراط علی مستقیم.(الحجر. ۲۸تا ۴۱)۔

اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر کو خمیر دی ہوئی مٹی سے جو سوکھ کر کھن کھن بولنے لگے، پیدا کرنے والا ہوں۔ جس وقت میں اس کو ہر طرح سے درست کرلوں اور اس میں اپنی (طرف سے اپنی پیدا کی ہوئی) روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ غرض فرشتے تو سب کے سب سربسجود ہوگئے۔ مگر ابلیس کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کردیا (اسپر خدانے) فرمایا اے ابلیس آخر تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا؟ وہ (ڈھٹائی سے) کہنے لگا میں ایسا گیا گذرا نہیں ہوں کہ ایک ایسے آدمی کو سجدہ کروں جسے تونے سڑی ہوئی کھن کھن بولنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ خدانے فرمایا کہ چل نکل یہاں سے۔ بیشک تو مردود ہے اور یقیناً تجھ پر روز قیامت تک لعنت پڑتی رہے گی۔ ابلیس نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دیدے۔ خدانے فرمایا کہ تجھے ایک وقت معلوم تک کی مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس نے (مہلت ملتے ہی) کہا اے میرے پروردگار تونے مجھے جس کے سبب سے راندہ درگاہ کیا ہے میں بھی زمین میں ان کے سامنے غلط باتوں کو سجا سجا کر پیش کروں گا اور بری باتوں کو انکی نظروں میں زینت دیدونگا اور باطل کو ان کے سامنے عمدہ کرکے دکھاؤنگا اور اس طرح ضرور ان کو سب ہی کو ضرور ضرور بہکاتا رہوں گا۔ مگر ان میں سے تیرے نرے کھرے بندے میرے بہکائے میں نہ آئینگے۔ خدانے فرمایا یہی راہ سیدھی ہے جو مجھ تک پہنچتی ہے۔

اسی بات کو خداوند تعالیٰ نے سورہ الاعراف میں اس طرح سے بیان کیا ہے۔

ولقد خلقنا کم ثم صورتکم ثم قلنا للملائکۃ اسجدو الآدم فسجدو

الا ابلیس لم یکن من الساجدین .قال مامنعک الا تسجداذامرتک قال انا خیر منه خلقنی من نار و خلقته من طین قال فاهبط منها فما یکون لک ان تتکبر فیها فاخرج انک من الصاغرین قال انظرنی الیٰ یوم یبعثون قال انک من المنظرین قال فیما اغویتنی لا قعدن لهم صراطک المستقیم. (الاعراف۔۱۱تا۱۶)

اس میں شک نہیں کہ ہم نے تم کو (اور تمہارے باپ آدم کو) پیدا کیا۔ پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم سب کے سب آدم کو سجدہ کرو تو سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ مگر ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ خدا نے ابلیس سے کہا۔ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو پھر تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا۔ اس نے کہا میں اس سے افضل ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسکو مٹی سے۔ خدا نے فرمایا تو یہاں سے چلا جا کیونکہ تیری مجال نہیں ہے کہ تو یہاں رہ کر غرور کرے تو یہاں سے باہر نکل جا۔ بیشک تو ذلیل لوگوں میں سے ہے۔ اس نے کہا کہ تو مجھے اس دن تک کی مہلت دیدے جس دن ساری خدائی کے لوگ (دوبارہ زندہ کرکے) اُٹھا کھڑے کئے جائینگے۔ خدا نے فرمایا تجھے مہلت دی (اسپر) اس نے کہا۔ جس کے سبب سے تو نے مجھے راندہ درگاہ کیا ہے میں بھی ان کو روکنے کیلئے تیری صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤنگا۔

اسی بات کو خداوند تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں اس طرح سے بیان فرمایا ہے:

واذقلنا للملائکة اسجدوا لأدم فسجدوا الا ابلیس قال ءَ اسجدلمن خلقت طیناً .قال ارایتک هذاالذی کرمت علیّ لئن اخرتن الیٰ یوم القیٰمة لا حتنکن ذریته الاقلیلا قال اذهب فمن تبعکَ منهم فان جهنم جزاءُ کم جزاء موفوراً۔ (بنی اسرائیل۔۶۱ تا ۶۳)

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے سجدہ نہ کیا) وہ (غرور سے) کہنے لگا کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے (اور شوخی سے) کہنے لگا دیکھو تو سہی کیا یہی وہ شخص ہے جسکو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھ کو قیامت تک کی مہلت دیدے تو میں قدرے قلیل کے سوا اس کی نسل کی جڑیں کاٹتا رہونگا۔ خدا نے فرمایا چل (دور ہو) ان میں سے جو شخص تیری پیروی کریگا، تو تیرے سمیت ان سب کی سزا جہنم ہے، اور وہ پوری پوری سزا ہے۔

اسی بات کو خداوند تعالیٰ نے سورہ ''ص'' میں اسطرح بیان کیا ہے:

اذقال ربک للملائکة انی خالق بشراً من طین فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین فسجد الملائکة کلهم اجمعون الا ابلیس .استکبر و کان من الکافرین .قال یا ابلیس مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین .قال انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقة من طین .قال فاخرج منها فانک رجیم .و ان علیک لعنتی الیٰ یوم الدین قال رب فانظرنی الیٰ یوم یبعثون .قال فانک من المنظرین .الیٰ یوم الوقت المعلوم .قال فبعزتک لاغوینهم اجمعین .الا عبادک منهم المخلصین .قال فالحق .والحق اقول لاملئن جهنم منک و ممن تبعک منهم اجمعین۔ (ص۔ ۷۱تا۸۳)

جب تیرے رب نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں جب میں اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی پیدا کی ہوئی روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ پس سب کے سب فرشتے تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس (نے سجدہ نہ کیا) اُس نے تکبر کیا (اور خود کو بڑا جانا) اور کافروں میں سے ہوگیا

خدانے فرمایا کہ اے ابلیس جس کو میں نے اپنی قدرت کاملہ سے خلق کیا ہے اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس بات نے روکا کیا تو نے تکبر کیا (اور خود ہی خود کو بڑا سمجھنے لگا ہے) یا تو سرکشی اور بغاوت کرنے والوں میں سے ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔ خدانے فرمایا چل نکل یہاں سے (دور ہو) تو یقینی طور پر مردود ہے، اور تجھ پر روز قیامت تک میری لعنت اور پھٹکار پڑتی رہے گی، ابلیس نے کہا پروردگار تو پھر تو مجھے اس دن تک کی مہلت دیدے، جس دن سب لوگ (زندہ کر کے دوبارہ) اٹھا کر کھڑے کئے جائیں گے۔ خدانے فرمایا اچھا تجھے ایک وقت معلوم کے دن تک کی مہلت ہے۔ اس نے کہا تیرے ہی عزت وجلال کی قسم ہے، میں ان میں سے تیرے خالص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کر دونگا، خدانے فرمایا کہ میں تجھ سے اور ان سب لوگوں سے جو تیری پیروی کرینگے جھنم کو بھر دونگا۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیات کے مطالعہ سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ خدانے آدم علیہ السلام کی خلقت کا بیان اور فرشتوں کو سجدے کا حکم اور ابلیس کا سجدے سے انکار کتنے طریقوں سے بیان کیا ہے اور ہر طریقہ بیان سے ایک نیا پہلو اور ایک نئی بات واضح اور روشن ہو کر سامنے آتی ہے۔ یہ آیات انتہائی طور پر قابل غور ہیں اور ان غور طلب باتوں کو ہم یہاں علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت اس سے آگے بیا کرتے ہیں۔

عالین کون ہیں؟ اور عالین کا مطلب کیا ہے

خدا وند تعالیٰ نے سورہ ''ص'' میں ابلیس کے آدم کو سجدہ نہ کرنے پر جو یہ کہا تھا کہ ''استکبرت ام کنت من العالین'' تو بہت سے ترجمہ کرنے والوں نے اور بعض مفسرین اور سیرت نگاروں نے ''عالین'' کا مطلب بلند مرتبہ ہستیوں میں سے کیا ہے۔ یعنی کیا تو ان بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے جنھیں سجدہ آدم سے مستثنےٰ رکھا گیا ہے اور جب

عالین کا مطلب بلند مرتبہ ہستیاں لیا تو اُن بلند مرتبہ ہستیوں کے بارے میں یہ کہا کہ وہ بلند مرتبہ ہستیاں محمد و آل محمد علیھم السلام ہیں یعنی محمد و آل محمد ''عالین'' ہیں (نعوذ باللہ) چنانچہ شیخ احمد احسائی نے شرح زیارۃ جامعہ صفحہ 381 سطر 28 تا 31 و 382 سطر 1 تا 3 میں اسی لفظ عالین کے معنی بلند مرتبہ ہستیاں لے کر محمد و آل محمد کی نوع انسانی سے جداگانہ نوع ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

اور مولانا محمد بشیر انصاری نے بھی چونکہ پاکستان میں شیخ احمد احسائی کی کتاب شرح زیارت اور رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت کی کتاب احقاق الحق سے مذہب شیخیہ کی تبلیغ کی ہے جیسا کہ انہوں نے کاظم علی رسا کے نام اپنے مکتوب 14 مارچ 1975 میں خود یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کے پاس مذکورہ کتابیں موجود ہیں اور وہ اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور مورخہ 22 مئی 1975 کے مکتوب میں کاظم علی رسا کو یہ لکھا کہ:

''آپ نے حقائق جلد دوم کا مطالعہ فرمایا ہوگا اس میں اب ان بزرگوں کے عقائد کی تائید اور دلائل عقلیہ سے تسدید کی گئی ہے''

لہذا انہوں نے بھی عالین سے مراد بلند مرتبہ ہستیاں لی ہیں اور اس طرح محمد و آل محمد کو عالین کہ کر انہیں مذہب شیخیہ کے عقائد کی تائید میں، جداگانہ نوع ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، چنانچہ وہ حقائق او سائط جلد 2 صفحہ نمبر 135 پر اس طرح سے تحریر فرماتے ہیں

قال یاابلیس مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین، پ 23 سورہ ص آیت 75۔ اس کا ترجمہ مولانا محمد بشیر انصاری نے اس طرح کیا ہے:

''خداوند عالم نے فرمایا اے ابلیس کس بات نے تجھے اس ہستی کو سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے دو ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو نے تکبر کیا۔ یا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے''

اس کے بعد تفسیر البرھان سے ابو سعید خدری کی روایت نقل کرنے کے بعد اس آیت

سے اس طرح استدلال کرتے ہیں۔

''اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ یہ ذوات مقدسہ ہی عالین ہیں۔ جو ملائکہ سے بیشتر خلق ہوئے، ان ہی کی وجہ سے ملائکہ سجود ملائکہ بنائے گئے، ان کی حقیقت جداگانہ ہے لہذا انکی نوع جداگانہ ہے، کیونکہ بشریت کے وجود سے سابق الوجود ہیں، پھر صفحہ 153 پر یہی آیت اور اسکا ترجمہ لکھنے کے بعد صفحہ 154 پر لکھتے ہیں:

''لفظ 'عالین' (یعنی بلند مرتبہ ہستیاں) سے ثابت ہے کہ وقت تخلیق آدم علیہ السلام یہ ہستیاں موجود تھیں، جو ملائکہ کے علاوہ تھیں، اور بشریت کے وجود اوّلی سے پہلے تھیں، حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے کہ عالین سے مراد محمد وآل محمد علیھم السلام ہیں، لہذا ان حضرات کو صرف بشر کہنا یا سمجھنا ابلیسی قیاس ہے، کیونکہ اہل زمین کی ہدایت کے لئے یہی عالین بشکل بشر تشریف لائے ہیں۔ لہذا ان کے دو جز ہیں ایک نورانیت جس کی وجہ سے عالین ہیں اور ایک بشریت جو اہل زمین کی ہدایت کے لئے عطا کی گئی ہے۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے'' حقائق الوسائط جلد 2 صفحہ 154

اب ہم اس سے آگے عالین کے بارے میں مکمل تحقیق پیش کرینگے اور یہ بیان کرینگے کہ عالین سے کیا مراد ہے؟ اور اپنی اس تحقیق کو علیحدہ علیحدہ عنوان کے ذیل میں بیان کرینگے۔

سجدہ آدم میں دو امر مقصود تھے

عالین کا معنی بیان کرنے اور یہ بتلانے سے پہلے کہ عالین کون ہیں، مناسب ہے کہ یہ تشریح کردی جائے، کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرانے میں دو امر مقصود تھے:

اول: اپنے مقرر کردہ ہادی اور زمین پر خدا کی حجت کی بزرگی کا اعتراف اور اس کے احترام میں سر تسلیم خم کرنا۔

دوسرے: اپنے مقرر کردہ ہادی کی اطاعت کرنے کے حکم کی تعمیل۔ یعنی آدم کو سجدے کرانے میں دو باتیں مطلوب تھیں۔ ایک آدم کی عظمت و بزرگی کا اعتراف اور دوسرے حکم خدا کی تعمیل و اطاعت اور اس بات کا ثبوت خود قران کریم کی مذکورہ آیات میں موجود ہے جس کا بیان اگلے عنوان میں ہوگا۔

آدم کو سجدہ کرانے میں انکی عظمت و بزرگی کا اعتراف مطلوب تھا

آدم علیہ السلام کو سجدہ کرانے میں دراصل اہل زمین سے حضرت آدم کی عظمت اور بزرگی کا اعتراف کرانا مقصود تھا یعنی آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرا کر انکی بزرگی کا اہل زمین سے اعتراف کرایا جارہا تھا اور اہل زمین کو آدمؑ کی اطاعت و اتباع پر مامور کیا جارہا تھ لہذا زمین پر رہنے والے فرشتوں نے تو آدم علیہ السلام کو سجدہ کر کے آدم علیہ السلام کی بزرگی کا اعتراف کرلیا لیکن ابلیس نے انکار کردیا۔ جیسا کہ اس کے قول کو خدا نے حکایتاً نقل کیا ہے کہ:

قال ءَ اسجدلمن خلقت طیناً ہ قال اریتک ھذا الذی کرمت علی۔ الاسراء۔ 7

اس نے کہا کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہا بھلا دیکھ تو سہی یہی ہے وہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت و بزرگی دی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ابلیس نے حضرت آدمؑ کی بزرگی اور فضیلت کا اعتراف کرنے سے ہی انکار کیا تھا۔

خدا نے ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم دیا تھا اور اس نے حکم خدا کی بھی نافرمانی کی

بعض اہل علم مفکرین کا کہنا یہ ہے کہ سجدہ آدم کے حکم میں خطاب ملائکہ سے ہے لہذا ابلیس کو

کوئی حکم نہیں تھا، پس اس نے آدم کو سجدہ کر کے کوئی نافرمانی نہیں کی۔ لیکن چونکہ آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے پر خدا نے اسکو عتاب کیا ہے۔ لہذا بعض دانشوروں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جیسے یا ایھا الذین آمنوا کے خطاب میں منافقین بھی شامل ہیں اسی طرح فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ابلیس بھی فرشتوں کے حکم میں شامل تھا لیکن سورہ اعراف کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ابلیس کو بھی سجدہ آدم کا حکم دیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا۔

قال مامنعک الا تسجد اذ امرتک ۔الاعراف

خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں نے تجھ کو حکم دیا تھا تو تجھے آدم کو سجدہ کرنے سے کس بات نے روک دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے یہ حکم ابلیس کو بھی دیا تھا لیکن حکم سجدہ میں خطاب ملائکہ سے ہے اور اس آیت میں واضح طور پر یہ کہا ہے کہ "اذ امرتک" جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اور یہ بات تبھی سمجھ میں آسکتی ہے جب کہ یہ معلوم ہو کہ خدا اپنے بندوں کو کس طریقہ سے حکم دیتا ہے۔ اور وہ طریقہ یہ ہے کہ خدا انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو تو براہ راست بذریعہ وحی حکم دیتا ہے، اور ان پر ایمان لانے والوں اور انکی پیروی کرنے والوں کو ان کی تابعیت میں حکم کرتا ہے جیسا کہ فرمایا:

امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون۔

یعنی پیغمبر ایمان لایا ہے ان احکام اور باتوں پر جو بذریعہ وحی ہم نے اس پر نازل کئے ہیں اور مومنین بھی (ان احکام کو سن کر پیغمبر کے تابع ہونے کی حیثیت سے) ایمان لائے ہیں اور مومنین یہ کہتے ہیں کہ "قالوا سمعنا واطعنا" یعنی ہم نے اس حکم کو جو پیغمبر پر نازل ہوا سنا اور اطاعت کی۔

پس خدا جس کام کا حکم اپنے بھیجے ہوئے ہادیوں کو دیتا ہے وہ حتماً انکی پیروی کرنے

والوں کے لئے بھی ہوتا ہے۔اب چونکہ وہ فرشتے جنوں کو ہدایت دینے اور سرکشوں کو زمین سے باہر نکالنے پر مامور ہوئے تھے اور ابلیس ان فرشتوں پر ایمان لے آیا تھا اور انکے پیرو کی حیثیت سے انکی صحبت میں رہ رہا تھا لہذا فرشتوں کے لئے خدا کا حکم تابع ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے بھی تھا۔پس خدا کا یہ حکم ابلیس کے لئے بھی تھا اور اس نے حکم خدا کی نافرمانی کی۔

لہذا اب تک کے بیان سے ثابت ہوا کہ ابلیس حکم سجدہ کی تعمیل سے انکار پر دو باتوں کا مرتکب ہوا۔

اول: ابلیس نے آدمؑ کی عظمت اور بزرگی کا اعتراف نہ کرنے کا ارتکاب کیا جو خدا کو مطلوب تھا۔

دوسرے: یہ حکم خدا تھا لہذا ابلیس نے خدا کے حکم کو ماننے سے انکار کیا۔

خدا نے ابلیس کے دونوں جرائم کا ذکر کیا

خداوند تعالیٰ نے اپنے کلام میں ابلیس کے مذکورہ دونوں جرائم کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین ۔(البقرہ۔34)یعنی ابلیس نے میرا حکم ماننے سے انکار بھی کیا اور خود کو آدم سے افضل و بہتر کہ کر آدم سے بڑا بننے کی جرات کی اور آدم کی عظمت و بزرگی کا احترام نہ کیا،اور کافروں میں سے ہو گیا اسی طرح اس آیت میں جس میں خدا نے ابلیس سے یہ پوچھا ہے کہ کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو عالین میں سے ہے اس سے پہلے بطور خبر کے کہتا ہے:

فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس استکبر وکان من الکافرین ۔(ص۔74-73)

یعنی سب کے سب فرشتوں نے تو سجدہ کیا مگر ابلیس (نے سجدہ نہ کیا) اس نے تکبر کیا اور خود

کو آدم سے افضل و بزرگ اور بڑا سمجھا۔ اور میرا حکم نہ مان کر وہ کافر ہو گیا اس کے بعد خدا ابلیس سے پوچھ رہا ہے۔

قال یا ابلیس مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین۔ (ص۔75)

خداوند تعالیٰ نے دریافت کیا کہ اے ابلیس میں نے آدمؑ کو اس ہی مقصد کے لئے اپنی قدرت کاملہ سے خلق کیا تھا کہ آدم کی زمین پر اطاعت کی جائے، اور وہ زمین پر میری طرف سے ہادی بن کر زمین پر رہنے والوں کو میری طرف سے ہدایت کرے، اور تجھ کو بطور خاص اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا کیونکہ آدمؑ کی اولاد سے ہونے والے ہادی ہی، جنوں کے لئے بھی ہادی ہونگے، اب تو یہ بتا کہ تو نے آدمؑ کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ اور میرے بھیجے ہوئے اور زمین پر مقرر کردہ ہادی اور زمین پر میری حجت کی تعظیم کرنے سے کیوں انکار کر دیا؟ جب کہ میرا حکم بھی تھا اور میری حجت ہونے کی حیثیت سے آدم بزرگ اور باعظمت بھی تھے تو، تو نے ان کو سجدہ تعظیمی کیوں نہ کیا؟

کیا تو میرے بھیجے ہوئے ہادی سے خود کو افضل و بہتر اور بڑا سمجھتا ہے، یا تو میرے حکم کا مخالف ہو گیا ہے؟ اور تو نے میرے حکم سے سرکشی اختیار کر لی ہے اور کیا میرے حکم کو بھی ماننے سے انکار کر دیا ہے؟

ابلیس نے کہا کہ میں اس بارے میں تیرا حکم ماننے کو تیار نہیں ہوں کیا میں اسکو سجدہ کر لوں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے کیا یہی ہے وہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دیدی ہے میں تیرے حکم کے باوجود، اس کو جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے سجدہ نہیں کرونگا۔ کیونکہ میں اس سے افضل ہوں۔ پس ابلیس کے انکار سجدہ میں دونوں باتیں سرزد ہو گئیں۔

اول۔ خالق کائنات کے حکم سے سرتابی۔ خدا کے حکم سے سرکشی اور بغاوت بھی اور

دوسرے۔آدم کی بزرگی اور عظمت سے انکار بھی۔

لہذا خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ اس نے خود کو آدم سے بہتر وافضل سمجھ کر تکبر بھی کیا۔اور میرا حکم نہ مان کر میرے حکم سے سرکشی کر کے اور مجھ سے بغاوت کر کے کافر بن گیا اور عالین میں سے ہو گیا یعنی سرکشوں میں سے ہو گیا۔

پس ''عالین'' کے معنی حقیقتاً باغی کے ہیں۔سرکشی کے ہیں،اور خدا کے حکم سے سرتابی کرنے والے کے ہیں اور یہ خود ابلیس تھا جس نے آدمؑ کی عظمت و بزرگی کا انکار کر کے تکبر کیا تھا اور خدا کا حکم نہ مان کر باغیوں اور سرکشوں یعنی عالین میں سے ہو گیا تھا۔

ہمیں خوب اچھی طرح اندازہ ہے کہ زمانہ ماضی میں جس طرح مبلغین شیخیہ ہمارے منبروں پر محمد وآل محمد علیھم السلام کو عالین کہتے رہے ہیں،اور اسکو انکی فضیلت قرار دے کر سامعین سے داد لیتے رہے ہیں،اور ایک گروہ کثیر کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیا ہے،کہ خدا نے محمد وآل محمد کو عالین کہا ہے،لہذا انکی نوع جداگانہ ہے،وہ ہماری اس تحقیق کو سن کر تڑپ اٹھیں گے،مخالفت کا طوفان برپا کرینگے،اور ہماری اس تحقیق کو بہت سے لوگ تسلیم نہیں کرینگے،کیونکہ ہم نے جہاں تک مطالعہ کیا ہے،ہم نے اکثر کو ایک ہی طرف چلتے ہوئے دیکھا ہے۔اور ممکن ہے کہ کسی کا بھی اس طرف خیال نہ گیا ہو۔لہذا ہمیں امید ہے کہ ہماری اس تحقیق کی بعض حضرات کی طرف سے ضرور مخالف ہو گی اور اسکو بہت سے حضرات نہیں مانیں گے۔لیکن جس طرح گلیلو نے کہا تھا کہ کسی کے نہ ماننے سے اب زمین کی حرکت نہیں تھم سکتی کیونکہ میں نے اس کو بچشم خود دیکھ لیا ہے،اسی طرح کسی کے نہ ماننے سے اور کسی کے تسلیم نہ کرنے سے اور کسی کی مخالفت کرنے سے یہ حقیقت نہیں بدل سکتی،کہ استکبر اور استکبرت کا معنی تکبر ہے بڑا بنتا ہے خود کو خدا کے بھیجے ہوئے ہادی سے افضل و برتر سمجھنا ہے اور''ام کنت من العالیں''میں واقع لفظ عالیں کا معنی۔نافرمان،باغی اور سرکش ہے

ہیں اگرچہ فصاحت وبلاغت کلام خود اس بات کی مقتضی ہے کہ یہ بات یونہی ہے لیکن ہم قارئین کرام کے مزید اطمینان وتسلی اور متوقع اعتراضات کے پیش نظر قران کریم سے استکبر اور عالین کے معنی ومفہوم ومراد کو علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت اس سے آگے تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے۔

استکبر کا مفہوم

استکبر کے معنی قواعد کے لحاظ سے بڑائی چاہنے کے ہیں لہذا اصولاً جس چیز کے مقابل میں یہ لفظ ہو اس سے بڑائی چاہنا مفہوم ہوتا ہے۔لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ اور اس کے مختلف مشتقات بالعموم یا آیات الٰہی کے مقابلہ میں بڑائی چاہنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔یا انبیاء ورسل اور ہادیان دین اور نمائندگان الٰہی کے مقابلہ میں۔کہ وہ بھی آیات الٰہی ہی ہوتے ہیں۔بڑا بننے والوں کے لئے خداوند تعالیٰ نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ہم اس بات کے ثبوت میں قرآن کریم سے چند آیات اور ایک تائیدی حدیث ھدیہ قارئین کرتے ہیں۔ارشاد رب العزت ہے:

واما الذین کفروا .افلن تکن آیاتی تتلی علیکم فاستکبرتم و کنتم قوماً مجرمین۔(الجاثیہ۔31)

اب رہے وہ لوگ کہ جو کافر ہو گئے تھے (ان سے یہ کہا جائیگا کہ) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے نہیں پڑھی جایا کرتی تھیں پھر تم ان سے بڑے بنا کرتے تھے اور تم تھے ہی مجرم لوگ

اس آیت میں اگرچہ آیات الٰہی کے پڑھے جانے کا ذکر ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ آیات الٰہی پڑھنے والا خدائی فرستادہ ہادی ہی ہوتا تھا۔جو ان کے سامنے پیغام خدا پہنچاتا تھا۔اور آیات الٰہی پڑھ کر سناتا تھا۔لہذا فی الحقیقت آیات الٰہی سے بڑائی چاہنے سے مراد آیات الٰہی لانے والے اور آیات الٰہی پڑھ کر سنانے والے سے بڑائی چاہنا ہی ہوسکتا ہے۔کیونکہ

وہ اسکی کوئی بات نہیں مانتے تھے اور وہ اس سے اکڑے ہی رہتے تھے۔ اور خود کو اس سے بڑا اور افضل و بہتر سمجھتے تھے۔ حتی کہ اشرف الانبیاء اور افضل المرسلین کی شان میں انکی گستاخیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ قرآن کریم ان کی ان حرکتوں کا گواہ ہے۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے کہ:

واذا رائوک ان یتخذونک الا ھزوا اھذالذی بعث الله رسولاً. الفرقان۔۴

ترجمہ۔ اور اے رسول جب یہ لوگ تم کو دیکھتے ہیں تو تمہارا ٹھٹھا اڑانے لگ جاتے ہیں اور (ازراہ تمسخر) یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی ہے وہ جسکو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟

اس آیت میں کفار و مشرکین کا طرز بیان بالکل ابلیس کے اس طرز بیان سے ملتا جلتا ہے جو اس نے آدم علیہ السلام کے سجدہ کرنے سے انکار کے بعد اختیار کیا تھا کہ

قال اریتک ھذا الذی کرمت علی ۔ بنی اسرائیل۔62

یعنی وہ بولا کہ بھلا دیکھو تو سہی کیا یہی ہے وہ شخص جسکو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص ہادیان دین کے افراد میں سے کسی فرد کے مقابلہ میں اپنے کو افضل و برتر سمجھے اور خود کو اس سے بڑا جانے اس کا یہ فعل استکبار کہلاتا ہے۔ اور امیر المومنین علی ابن علی ابی طالب علیہ السلام کی بیان کردہ ایک حدیث ہمارے بیان کردہ اس مفہوم کی تائید کرتی ہے۔

مصباح المتہجد میں امیر المومنین علیہ السلام کا خطبہ غدیر منقول ہے اس میں امیر المومنین علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت فرمانے کے بعد حاضرین سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ استکبار کے کیا معنی ہیں۔

پھر اسکے معنی یہ ارشاد فرمائے کہ جسکی اطاعت کا حکم دیا گیا اسکی اطاعت نہ کرنا۔ اور جسکی پیروی کی تاکید کی گئی ہے اس سے اعلیٰ و بالا بن بیٹھنا استکبار ہے۔

بہر حال یہ عقدہ بھی مشکل کشا کے کلام سے ہی حل ہوا کہ استکبار کا صحیح مطلب کیا ہے؟ اور اسی لئے خداوند تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اطاعت و پیروی سے انکار کرنے والے کے لئے یہ لفظ ''استکبر'' استعمال کیا۔ یعنی وہ میرے مقرر کردہ ہادی سے جسکی اطاعت و پیروی سب پر فرض تھی اعلیٰ و بالا بن بیٹھا۔ اور یہی اسکا ابلیس سے استفسار تھا کہ ''استکبرت'' کیا تو میرے مقرر کردہ ہادی سے جسکی اطاعت و تعظیم و پیروی تجھ پر لازم ہے اعلیٰ و بالا بن گیا ہے۔

استکبر کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کے لئے اتنا بیان ہی کافی ہے اب ہم آیت میں مذکورہ دوسرے لفظ عالین کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

عالین کا صحیح مفہوم اور مطلب کیا ہے؟

ہم نے سابقہ صفحات میں عرض کیا تھا کہ آیت میں سیاق و سباق کلام کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں پر عالین کا مفہوم ۔ سرکش ۔ باغی ۔ کافر اور منکر اطاعت حکم خدا ہو۔ لیکن چونکہ دشمنان آل محمد نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ پہلے عالین کا معنی لوگوں میں غلط طور پر پھیلایا، کہ عالین کا معنی بلند مرتبہ ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجہ ہوتا ہے اور اس کے بعد بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ ایسی روایات گھڑی گئیں جن میں محمد و آل محمد کو عالین کہا جانے لگا۔ اور پاکستان کے مبلغین شیخیہ کی جماعت کے سربراہ مولانا محمد بشیر انصاری اسکو محمد و آل محمد کی جداگانہ نوع ثابت کرنے کے لئے برسر ممبر بیان کرتے رہے اور حاضرین سے داد و تحسین حاصل کرتے رہے اور شیخ احمد احسائی کی پیروی کرتے ہوئے اپنی کتاب حقائق الوسائط جلد 2 کے صفحہ 135 پر واضح الفاظ میں محمد و آل محمد علیھم السلام کو عالین لکھا۔

اور حاضرین و سامعین و قارئین اسی طرح سے انکی تقریروں اور تحریروں سے محفوظ ہوتے رہے جس طرح کسی نادان کو یہ بتلا دیا جائے کہ ''کذاب'' کے معنی بڑا شریف اور نیک آدمی ہیں اور جب اس کو یہ باور کرا دیا جائے کہ کذاب کے معنی بڑا شریف اور نیک آدمی ہیں تو پھر

بے کھٹکے اس نادان کے سامنے اس کے باپ کو کذاب کہے جاؤ، کہ کیا کہنے ہیں، ان کے والد صاحب کے وہ بڑے ہی ''کذاب'' تھے اور چونکہ اسے یہ بتلایا گیا ہے کہ کذاب کے معنی بڑا نیک اور شریف آدمی ہیں لہذا وہ اپنے باپ کو کذاب کہتے ہوئے سن کو خوشی سے جھومے گا، واہ واہ کریگا سبحان اللہ کہے گا، کہ کیا کہنے ہیں میرے والد صاحب کی تعریف ہو رہی ہے کہ اسکے والد بڑے ہی کذاب تھے۔ اسی طرح مولانا محمد بشیر انصاری شیعہ قوم کے سامنے یہ بیان کرتے رہے کہ عالین کا معنی اعلیٰ و بالا اور بلند مرتبہ ہے اور محمد وآل محمد عالین تھے لہذا انکی نوع جدگانہ تھی۔ اور جو لوگ مولانا محمد بشیر صاحب انصاری کے بہکائے میں آکر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ عالین کا معنی اعلیٰ مرتبہ اور بلند مرتبہ ہے لہذا وہ محمد وآل محمد کو عالین کہنے پر واہ واہ کرتے تھے سبحان اللہ کہتے تھے نعرہ حیدری لگاتے تھے۔ ہائے ہائے کیا حال ہو گیا ہے اس قوم کا؟

لیکن جو شخص لغت۔ گرامر۔ اور سیاق وسباق کلام کے مطابق اچھی طرح سے سمجھتا ہے کہ عالین کا معنی بلند مرتبہ نہیں ہے بلکہ عالین کا معنی۔ سرکش ہے، باغی ہے۔ کافر ہے اور منکر حکم خدا ہے۔ وہ ہرگز ہرگز محمد وآل محمد علیھم السلام کو عالین کہنا اور سننا برداشت نہیں کرسکتا نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

ہماری اس تحقیق کی خواہ کتنی بھی مخالفت ہو۔ ہماری یہ تحقیق ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ ہم اپنے اس موقف سے ہٹ جائیں۔ اور غلط موقف کو مان لیں خواہ اس غلط بات نے کتنا ہی رواج پا لیا ہو، اور شیخی مبلغین نے خواہ اس معنی کو کتنی ہی شہرت دیدی ہو۔

ہم نے اس لفظ کے معنی کی بڑی دیانتداری کے ساتھ تحقیق کی ہے۔ کہ کہیں تو عالین کے لفظ کا معنی ومفہوم اعلیٰ مرتبہ کی ہستیاں یا بلند مرتبہ لوگ نکلتا ہو۔ لیکن ہم نے قران کریم میں بسم اللہ کی (ب) سے لیکر ''والناس'' کے ''س'' تک خوب اچھی طرح تلاش کیا۔ لیکن

ہمیں تو جہاں کہیں بھی یہ لفظ عالین اور اسکے دوسرے مشتقات ملے وہاں ہی اس کے معنی سرکش۔ باغی۔ کافر اور منکر حکم خدا ہی معلوم ہوئے۔

ہم قران کریم میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ اور اس کے دوسرے مشتقات آئے ہیں ہدیہ قارئین کئے دیتے ہیں تاکہ وہ خود ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور دیکھ لیں کہ کہیں بھی یہ لفظ اور اسکے تمام مشتقات عالی مرتبہ یا بلند مرتبہ کا معنی نہیں دیتے بلکہ ہر جگہ، سرکش، باغی ،کافر اور منکر حکم خدا کے ہی معنی دیتے ہیں۔ ہم ذیل میں وہ آیات قرانی جن میں یہ لفظ اور اس کے مشتقات آئے ہیں بمعہ ترجمہ بطور ثبوت کے پیش کر رہے ہیں۔

پہلی آیت۔ ارشاد رب العزت ہے

قالت یا ایھا لملاء انی القی الی کتب کریم ،انه من سلیمان .وانه بسم الله الرحمن الرحیم .الا تعلوا علی واتونی مسلمین. النمل 38۔

(یعنی جب ملکہ سبا کے پاس ھدھد نے حضرت سلیمان کا خط پہنچایا تو (اسے دیکھ کر ملکہ نے) کہا اے میرے دربار کے سرداروں یہ ایک واجب الاحترام خط میرے پاس ڈالا گیا ہے بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک (اسکا سرنامہ یہ ہے کہ یہ خط) بسم اللہ الرحیم الرحیم (سے شروع ہوتا) ہے (اور مضمون اسکا یہ ہے کہ) تم مجھ سے سرکشی نہ کرو اور میرے سامنے فرمانبردار بن کر حاضر ہو۔

اس آیت میں الا تعلوا فعل نہی ہے۔ اور سب متفق ہیں اس بات پر کہ اس کے معنی ''سرکشی نہ کرو'' ہے

دوسری آیت۔ ارشاد رب العزت ہے

وقضينا الیٰ بنی اسرائیل فی الکتٰب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علواً کبیراً. بنی اسرائیل ۔4

اور ہم نے بنی اسرائیل سے اسی کتاب (توریت) میں صاف صاف بیان کردیا تھا کہ تم لوگ روئے زمین پر دومرتبہ فساد پھیلاؤ گے اور ضرور ضرور سرکشی کروگے بہت ہی بڑی سرکشی

اس آیت میں لتعلن علواً کبیراً۔ فعل مضارع با ل ن ثقیلہ تاکیدی ہمراہ مصدر آیا ہے اور سب متفق ہیں اس بات پر کہ اسکا معنی سرکشی کرنا ہے۔

تیسری آیت۔ ارشاد رب العزت ہے

فلما جاء تھم آیاتینا مبصرۃ قالو ا ھذا سحر مبین جحدوا بھا واستیفنتھا انفسم ظلماً وعلوا. فانظر کیف کان عاقبۃ المفسرین. النمل ۔13

ترجمہ۔ (ہم نے موسیٰ کو معجزے دے کر فرعون کے پاس بھیجا تو) جب ان کے پاس ہمارے آنکھیں کھول دینے والے معجزے آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے اور باوجودیکہ ان کے دل کو ان معجزات کا یقین تھا مگر پھر بھی ان لوگوں نے سرکشی کی اور تکبر سے ان کو نہ مانا تو اے رسول دیکھو کہ آخر مفسدین کا انجام کیا ہوا۔

اس آیت میں علواً بطور مصدر کے استعمال ہوا ہے اور سب متفق ہیں اس پر کہ یہ سرکشی کے معنی دیتا ہے۔

چوتھی آیت۔ ولقد فتنا قبلھم قوم فرعون وجاء ھم رسول کریم ان ادوالی عباد اللہ انی لکم رسول امین . و ان لا تعلو ا علی اللہ انی آتیکم بسلطٰن مبین۔ الدخان ۔ 17 تا 19

ترجمہ۔ اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس ایک عالی قدر

پیغمبر آئے اور (انہوں نے کہا کہ) خدا کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کردو میں خدا کی طرف سے تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔

اس آیت میں لاتعلوا فعل نہی ہے اور سب متفق ہیں اس بات پر کہ اس کے معنی سرکشی نہ کرو کے ہیں۔

پانچویں آیت۔ارشادرب العزت ہے

ماا تخذ الله من ولد وما كان معه من اله اذا لذهب كل اله بما خلق ولعلا بعضهم على بعض سبحان الله عما يصفون. المومنون۔91

ترجمہ۔نہ تو اللہ کے کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی اللہ کے ساتھ اور کوئی اِلٰہ ہے۔اگر اللہ کے سوا اور بھی کوئی خدا ہوتا تو پھر تو ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کولیکر ایک دوسرے کے اوپر چڑھ دوڑتا۔اور ایک دوسرے کے خلاف بغاوت وسرکشی کرتا اور کوئی نہ کوئی دوسرے پر غالب آجاتا۔یہ لوگ جو کچھ بیان کرر ہے ہیں۔اللہ کی ذات اس سے پاک اور پاکیزہ ہے۔اس آیت میں علا بصیغہ ماضی آیا ہے اور سب متفق ہیں اس بات پر کہ اس کے معنی سرکشی کرنا ہے، بغاوت کرنا ہے۔

چھٹی آیت۔**ان فرعون علا فى الارض وجعل اهلها شيعا يستضعف طائفة منهم يذبح ابناء هم ويستحى نساء هم. انه كان من المفسدين۔القصص۔4**

ترجمہ۔بے شک فرعون نے (مصر کی) سرزمین کے رہنے والوں کو کئی گروہوں میں تقسیم کردیا تھا ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو اس نے عاجز کرر کھا تھا وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کروادیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا بیشک وہ مفسدین میں سے تھا۔

اس آیت میں لفظ علا بصیغہ ماضی آیا ہے اور یہ فرعون کو کہا گیا ہے اور سب متفق ہیں اس

بات پر کہ اس کے معنی سرکش ہو گیا کے ہیں۔

ساتویں آیت ۔ارشادرب العزت ہے۔

وان فرعون لعال فی الارض .وانہ لمن المسرفین۔یونس۔83

ترجمہ۔اوراس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ فرعون زمین میں سرکشی کرنے والا تھا۔اوراس میں بھی شک نہیں ہے کہ وہ زیادتی کرنیوالوں میں سے تھا۔

اس آیت میں لفظ عال بطور اسم فاعل آیا ہے اور سب متفق ہیں اس بات پر کہ اس کے معنی "سرکشی کرنے والا" ہیں اور عال کی جمع عالین ہے جس کا بیان اگلی آیت میں آتا ہے۔

آٹھویں آیت ۔ارشادرب العزب ہے

ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ ھارون بآیاتینا وسلطان مبین ،الی فرعون وملائہ فاستکبروا وکانوا قوما عالین۔المومنون۔45-46

ترجمہ۔پھر ہم نے موسیٰ اوراسکے بھائی ھارون کواپنی نشانیوں اور واضح اور روشن دلائل کے ساتھ فرعون اوراسکے دربار کے امراء کے پاس بھیجا۔توان سب کے سب نے ہی تکبر کیا اور بڑا بننا چاہا اور وہ سب کے سب تھے ہی بڑے سرکش لوگ۔

اس آیت میں لفظ عالین جمع ہے اسم فاعل عال کی اور یہ دونوں لفظ فرعون اوراسکے سرداروں کے لئے استعمال ہوئے ہیں اور سب متفق ہیں اس بات پر کہ اسکے معنی سرکشی کرنے والوں کے ہیں۔

یہ آیات حضرت آدم اورابلیس کے قصہ کی آیات کے بالکل مشابہ ہیں اورانکا بالکل صحیح نقشہ ہیں۔**فاستکبروا وکانوا قوماًعالین** میں دونوں لفظ جوابلیس کے لئے استعمال ہوئے تھے موجود ہیں۔وہاں اکیلے ابلیس کوصیغہ واحد میں استکبرت کہا تھا اس آیت میں

فرعون اور اسکے امرائے دربار کیلئے جمع کے صیغہ میں ''فاستکبروا'' کہا ہے وہاں ابلیس کو بوجہ واحد کے من العالین کہا تھا یعنی یکے از سرکشان، یہاں فرعون اور سرداران فرعون کو جمع کی صورت میں سب کو عالین کہا ہے۔

وہاں فرشتوں اور ابلیس کے پاس آدمؑ آئے تھے یہاں فرعون وسرداران فرعون اور بنی اسرائیل کی طرف موسیٰ اور ہارون آئے تھے۔ وہاں صرف فرشتوں نے اطاعت کی اور ابلیس نے سرکشی کی یہاں پر صرف بنی اسرائیل ایمان لائے۔ وہاں ابلیس نے استکبار کیا اور عالین میں سے ہوگیا یعنی سرکش ہوگیا باغی ہوگیا منکر حکم خدا ہوگیا اور یہاں فرعون اور سرداران فرعون اور اسکی قوم نے استکبار کیا اور وہ سب کے سب عالین ہوگئے۔ یعنی سرکش ہوگئے خدا کے باغی ہوگئے۔ خدا کے نافرمان ہوگئے۔

یہاں پر یہ بات خاص طور پر عرض کردینا ضروری ہے کہ ابلیس سے کیونکہ سوال تھا کہ کیا تو عالین میں سے ہوگیا ہے؟ لہذا اس کے لئے اپنی طرف سے یہ بات بنائی گئی کہ وہ عالین میں سے نہیں تھا۔ اور عالین کے غلط معنی کرکے یہ کہا گیا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ عالین تو یہ مقدس ہستیاں یعنی محمد وآل محمد ہیں ملاحظہ ہو حقائق الوسائط جلد 2 ص 135 وص 154، ان مبلغین مذہب شیخیہ نے ان باتوں کو محمد وآل محمد کے فضائل کہہ کر پاکستان کے شیعوں کی اکثریت سے محمد وآل محمدؐ کو خوب گالیاں دلوائی ہیں ایسا کام شیطان سے بھی ممکن نہ تھا۔

لیکن یہاں پر فرعون کے بارے میں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر تو قدرت خبر دے رہی ہے کہ ''کانوقوماعالین'' وہ سب کے سب عالین تھے وہ سب کے سب نافرمان تھے یعنی فرعون کی قوم عالین یعنی سرکش تھی فرعون اور سرداران فرعون عالین یعنی سرکش تھے۔

اب یہاں کوئی جرات نہیں کرسکتا کہ کوئی فرعون کو یا اس کے سرداروں کو یا اسکی قوم کو عالین نہ کہے، ان کو سرکش نہ کہے۔ مگر ابلیس کے بارے میں معلوم نہیں ان حضرات کو کیا ہمدردی

پیدا ہوگئی ہے کہ اُسے عالین کے ذمرے سے نکال کر محمد وآل محمد علیہم السلام کو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ عالین بتانے لگے اور وہ بھی فضیلت کے عنوان سے اور مذہب شیخیہ اور مبلغین شیخیہ کے بیان کردہ سارے فضائل کے طور مار کا یہی حال ہے۔ لیکن ہمیں ابلیس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یقیناً وہی سرکش تھا وہی باغی تھا وہی کافر تھا وہی خدا کے حکم کا نافرمان تھا اور وہی عالین میں سے تھا۔ یعنی جس طرح فرعون اور سرادارن فرعون استکبار کرنے والے اور عالین تھے اسی طرح ابلیس بھی استکبار کرنے والا اور عالین میں سے تھا۔

فرعون اور سرداران فرعون کا استکبار یہ تھا کہ انہوں نے فرستادگان الٰہی کی اطاعت کرنے سے انکار کردیا، انکا احترام اور انکی تعظیم کرنے سے انکار کردیا۔ اور انکا عالین ہونا یہ تھا کہ انہوں نے حکم خدا نہ مانا۔ اس سے زیادہ سرکشی اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور اس سے زیادہ کفر اور کیا ہوسکتا ہے؟ یہی سرکشی اور کفر فرعون اور سرداران فرعون نے کیا۔ اور یہی کفر ابلیس نے کیا۔ وکان من الکافرین ۔ اور وہ کافروں میں سے ہوگیا ہے۔ یہی سرکشی فرعون اسکی قوم اور اسکے سرداروں نے کی۔ وکانوا قوماً عالین وہ ساری قوم ہی سرکشوں کی قوم تھی اور یہی سرکشی ابلیس نے کی تھی۔ "ام کنت من العالین" اے ابلیس کیا تو نے سرکشی اختیار کرلی ہے اور تو سرکشوں میں سے ہوگیا ہے یہاں پر ایک بات اور قابل غور ہے کہ اس مقام پر کسی کے سجدہ کرنے سے استثنا کا ذکر نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت یہاں پر خدا کے حکم سے سرکشی کا ذکر ہے۔ یہاں پر انکار سجدہ کا ذکر ہے یہاں پر بغاوت و سرکشی کرنے کا ذکر ہے اور یہاں پر ابلیس کے کفر کرنے کا ذکر ہے قدرت اسکو عالین میں سے سمجھ کر اس سے پوچھ رہی ہے کہ اے ابلیس کیا تو نے خود کو آدم سے افضل سمجھتے ہوئے سجدہ نہیں کیا؟ یا تو میرے حکم سے سرکشی اختیار کرنے والوں میں سے ہوگیا ہے؟ یعنی کیا تو عالین میں سے ہوگیا ہے؟ کیا تو سرکشوں میں سے ہوگیا ہے کیا تو باغیوں میں سے ہوگیا ہے جو میرے بھیجے ہوئے ہادیوں کی اطاعت

سے انحراف کرتے ہیں۔ میرے حکم سے روگردانی کرتے ہیں؟ اور میرا حکم ماننے سے انکار کرتے ہیں ہم نے کان اور کنت کے معنی ''ہوگیا'' کیا ہے لیکن اگر اسکے معنی ''تھا'' لئے جائیں تو یہ ایک لطیف اشارہ ہوگا اس بات کی طرف کہ وہ قوم جن سے تھا جو کافر تھی کافر رہی اور بغاوت اور سرکشی نہ چھوڑی۔ لہذا اس نے بھی ظاہر ایمان کے باوجود بغاوت و سرکشی کی عادت نہ چھوڑی تھی بہر حال اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم میں یہ لفظ عالین، اور اسکا کوئی بھی مشتق لفظ، عالی مرتبہ یا بلند مرتبہ کے معنی میں نہیں آیا، بلکہ ہر جگہ سرکش ہی کے معنی میں آیا ہے اور ہم نے قرآن کریم کی آٹھ آیات پیش کر کے اسے بخوبی ثابت کردیا ہے۔

گرامر میں عالین کے معنی کیا بنتے ہیں

عالین جمع ہے عال کی جو اسم فاعل ہے مصدر علو سے اور اسم فاعل کی تعریف گرامر میں یہ کی گئی ہے کہ اسم فاعل وہ اسم مشتق ہے جو معنی مصدری کو یا فعل مصدری کو روبہ عمل لائے۔ پس اس بنا پر عالین کو مفہوم یہ ہوگا۔

''اِلذین یعلون'' یعنی وہ لوگ جو علو کرتے ہیں یعنی سرکشی کرتے ہیں۔ یہ لفظ اسم فاعل ہے اسم صفت نہیں ہے کہ اسکا مطلب بلند مرتبہ یا عالی مرتبہ ہستیاں لیا جائے۔

خدا وند تعالٰی نے قرآن کریم میں علو کرنے والوں کی جا بجا مذمت کی ہے۔ اور علو نہ کرنے والوں کی مدح کی ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

تلک الدار لاخرۃ تجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فساداً والعاقبۃ للمتقین۔ القصص۔82

یہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کیلئے ہی خاص کردینگے جو روئے زمین پر علو نہیں کرتے یعنی سرکشی نہیں کرتے اور نہ ہی فساد کرتے ہیں اور انجام تو پرہیزگاروں کا ہی اچھا ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جناب امیرالمومنینؑ جس وقت حاکم وقت تھے۔ بازاروں میں پھرتے رہتے تھے۔ بھولے ہوؤں کو راستہ بتاتے، کمزوروں کی مدد فرماتے خرید وفروخت کرنے والوں کے پاس گذرتے، تو قرآن مجید کھول کر یہ آیت تلاوت فرماتے، اور ارشاد فرماتے کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو عدالت کو قائم رکھنے میں اور حکومت واختیار کے ہوتے ہوئے تواضع اور فروتنی اختیار کرتے ہیں۔

تفسیر التبیان میں عالین کی معنی

تفسیر التبیان میں: استکبرت ام کنت من العالین کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے کہ

"استکبرت" یا ابلیس ای طلبت التکبر با متناعک من السجود له۔

یعنی اے ابلیس کیا تو نے اس کے سامنے سجدہ کا انکار کر کے خود بڑا بننا چاہا ہے۔

"ام کنت من العالین" "الذین یعلون علی الخلق تجبراً وتکبراً" "تفسیر التبیان جلد 8 صفحہ 581

یعنی وہ لوگ جو سرکشی اختیار کر کے مخلوق خدا پر جبر اور تکبر کے ذریعہ غالب آجاتے ہیں۔

امیرالمومنینؑ کا ارشاد کہ وہ عالین نہیں ہیں

جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں عالین گرائمر کی رو سے عال کی جمع ہے۔ جسکے معنی الذین یعلون ہیں یعنی سرکشی کرنے والے یا وہ لوگ جو سرکشی کرتے ہیں اور نہی اسکی: لایعلون ہوگی یعنی وہ لوگ جو سرکشی نہیں کرتے یہ سمجھ لینے کے بعد اب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے خطبہء قاصعہ کے ان فقروں پر غور فرمائیے جو نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ مترجمہ سرکار علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کے صفحہ نمبر 512 پر درج ہے ارشاد فرماتے ہیں۔

وانی لمن قوم لاتاخذهم فی الله لومة لائم

اور میں تو اس جماعت سے ہوں کہ جن پر اللہ کے بارے میں کوئی ملامت اثر انداز نہیں ہوتی اس کے بعد اپنی صفات اور تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لایستکبرون ولا یعلون ولا یغلون ولا یفسدون. قلوبهم فی الجنان واجسادهم فی العمل ۔نہج البلاغہ صفحہ نمبر 512

(یعنی میں تو ان لوگوں میں سے ہوں کہ جو) نہ تو استکبار کرتے ہیں۔ نہ وہ حکم خدا کے خلاف کسی قسم سرکشی کرتے ہیں۔ لایعلون۔ سرکشی نہیں کرتے۔ یعنی ہم عالین نہیں ہیں۔ ہم سرکشی کرنے والے نہیں ہیں نہ ہی ہم خیانت کرنے والے ہیں اور نہ ہی ہم فساد کرنے والے ہیں۔ ان کے دل جنت میں اٹکے ہوئے ہیں اور جسم اعمال میں لگے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ میرے مولا و آقا نے اپنے لئے دونوں باتوں کی نفی کردی اور صاف کہ دیا کہ لا یستکبرون ولا یعلون۔ نہ وہ استکبار کرنے والے ہیں نہ وہ عالین یعنی سرکش ہیں یہ کام تو شیطان کے ہیں وہی مستکبر وہی عالین میں سے ہے۔ میرے مولا نہ استکبار کرنے والے ہیں نہ ہی وہ عالین میں سے ہیں۔ اب صاف طور پر یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ عالین کے معنی سرکشی کرنے والے ہی ہیں۔ ان لوگوں کو اب میں کیا کہوں جو یہ کہتے رہے اور کتابوں میں لکھتے رہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام عالین ہیں اور سادہ لوح عوام سے داد لیتے رہے ملاحظہ ہو مولانا محمد بشیر صاحب انصاری کی کتاب حقائق الوسائط جلد 2 صفحہ 135 و 154

قران میں عالی مرتبہ یا بلند مرتبہ کے لئے کیا لفظ آیا ہے

اب ہم اس امر کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ جب عالین اور اس کے تمام مشتقات کے معنی سرکش اور باغی کے ہیں تو پھر عربی میں بلند مرتبہ یا اعلیٰ مرتبہ کے لئے کیا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے لئے عرض یہ ہے کہ یہ لفظ بلند مرتبہ اعلیٰ مرتبہ صفت ہے اور اس کے لئے

جو لفظ قران میں آیا ہے وہ ''اعلیٰ'' ہے۔ ہم ایک آیت اور ایک قول امیر المومنین کا اس کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

قران کریم میں ارشاد رب العزت ہے۔

سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ الاعلیٰ۔1

اے رسول تم اپنے عالیشان اور بلند مرتبہ پرودگار کی تسبیح کرو اس آیت سے ثابت ہوا کہ عالیشان یا بلند مرتبہ کے لئے عربی زبان میں صفت کے طور پر لفظ اعلیٰ آتا ہے اور لفظ اعلیٰ کی جمع ''اعلون'' ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

و لا تهنوا و لاتحزنوا و انتم الاعلون ان كنتم مومنين۔ آل عمران۔139

یعنی نہ تو تم سستی دکھاؤ۔ اور نہ ہی حزن وملال کرو اور اگر تم مومن ہو تو بلند مرتبہ تم ہی رہو گے یا غالب تم ہی رہو گے۔

اب ہم تبرکا ایک قول امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا پیش کرتے ہیں ۔تا کہ معلوم ہو کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے عالین میں سے ہونے کا تو یہ کہ کرانکار کیا ہے کہ لایستکبرون ولایعلون یعنی میں تو ان لوگوں میں سے ہوں جو نہ تو تکبر کرتے ہیں اور نہ ہی سرکشی کرتے ہیں یعنی ہم سرکشی کرنے والے نہیں ہیں ہم عالین میں سے نہیں ہیں۔

لیکن جہاں تک بلندی مراتب کا تعلق ہے، تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ سے بڑھ کر بلند مرتبہ اور کون ہو سکتا ہے اور جیسا کہ ہم نے سابقہ صفحات میں بیان کیا ہے کہ قران میں بلندی مراتب کے لئے لفظ اعلیٰ بطور صفت کے آیا ہے اور ''اعلیٰ'' کی جمع قرآن میں ''اعلون'' آئی ہے۔ یہی لفظ اپنی بلندی مرتبہ کے اظہار کے لئے امیر المومنین علیہ السلام نے استعمال کیا ہے جیسا کہ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر بشرح الاستاد شیخ محمد عبدہ مفتی الدیار المصر یہ کی جلد 2 صفحہ 79 پر لکھا ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا۔

''ونحن الاعلون نسباً''

یعنی ہم نسب کے اعتبار سے سب سے بلند مرتبہ والے ہیں۔

لوگوں نے عالین کا مطلب بلند مرتبہ کیوں سمجھا

یہ بات قران سے۔ گرائمر سے اور لغت سے واضح طور پر ثابت ہو جانے کے بعد کہ عالین کا معنی ہر طرح سے سرکشی کرنے والے کے ہیں۔ اور یہ لفظ کہیں بھی کسی طرح بھی بلند مرتبہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ اور فصاحت کلام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ابلیس کے لئے یہ لفظ نافرمانی کرنے والے بغاوت کرنے والے اور سرکشی کرنے والے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ فرعون۔ سرداران فرعون۔ اور اسکی قوم کے لئے بھی یہ لفظ عالین نافرمانی کرنے والے۔ سرکشی کرنے والے اور بغاوت کرنے والے کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔ تو اب غور طلب بات یہ ہے کہ اتنا واضح مفہوم ہونے کے باوجود لوگوں نے اسکا مفہوم بلند مرتبہ کیوں سمجھا۔

ہماری تحقیق کے مطابق تو اسکی ایک ہی وجہ نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے ایک مرتبہ کسی شخص کے بارے میں عال فی الارض کا لفظ استعمال کیا تھا۔ لہذا اس شخص کے عقیدت مندوں نے یہ راہ نکالی کہ کسی طرح یہ ثابت کیا جائے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ شخص مذکورہ کو بہت ہی بلند مرتبہ سمجھتے تھے۔ لہذا انہوں نے یہ مغالطہ پھیلایا کہ عال کے معنی بلند مرتبہ کے ہیں اور امیر المومنینؑ نے جو اُسے عال فی الارض کہا ہے۔ تو یہ اس شخص کی بلندی مراتب کی دلیل ہے اور چونکہ ''عالین'' عال کی جمع ہے۔ لہذا اس کا ترجمہ بھی بلند مرتبہ کیا جانے لگا اور اس بات کو مزید تقویت پہچانے کے لئے بنی امیہ کے ادارہ حدیث سازی میں ایسی روایات گھڑی جانے لگیں جن میں محمد وآل محمد کو عالین کہا گیا اور عالین کا مطلب بلند مرتبہ کیا جانے لگا تا کہ اس شخص کے ''عال فی الارض'' کا

مطلب بلند مرتبہ ہونا پکا ہو جائے۔اور چونکہ مذہب شیخیہ اپنی خرافات کو مسلمانوں میں رواج دینے کے لئے فلاسفہ کی صوفیوں کی مفوضہ کی اور مخالفین اہل بیت تک کی دلائل کو کام میں لاتا ہے لہذا پاکستان کے سربراہ مذہب شیخیہ مولانا محمد بشیر انصاری نے ابلیس کے لئے جو عالین کا لفظ استعمال کیا گیا تھا اسے مخالفین کی روایات سے متدل کر کے محمد وآل محمد کی جداگانہ نوع ثابت کرنیکے لئے استعمال کیا۔اور جیسے مولانا محمد بشیر انصاری نے حقائق الوسائط جلد دوم کے صفحہ 135 اور صفحہ 154 پر بھی درج کیا ہے۔اور جب تک وہ زندہ رہے ہمارے منبروں پر محمد وآل محمد علیہم السلام کو عالین کہ کر جداگانہ نوع کا استدلال کرتے رہے اور سادہ لوح عوام سے خوب داد وتحسین حاصل کرتے رہے اور شیعیان پاکستان سے محمد وآل محمد کو گالیاں دلواتے رہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ غالیوں نے نصیریوں نے مفوضہ نے صوفیوں نے اور شیخیوں نے اس لفظ ''عالین'' کے معنی بلند مرتبہ ہونیکی اتنی تشہیر کی ہے کہ شیعہ علماء حقہ نے بھی اس لفظ کے معنی لکھنے میں غفلت سے کام لیا اور وہی معنی اختیار کئے جو شہرت پا چکے تھے۔

اے برادران ایمانی حق بات یہی ہے کہ عالین کا لفظ سر کشی کرنے والے کے معنی میں ہی ہے نافرمانی کرنے والے کے معنی میں ہی ہے بغاوت کرنے والے کے معنی میں ہی ہے لہذا اس لفظ کو ابلیس کے لئے ہی رہنے دیں۔فرعون کے لئے ہی رہنے دیں اور قوم فرعون کیلئے ہی رہنے دیں اور اس شخص کے لئے رہنے دیں جس کو امیر لمومنین نے عال فی الارض کہا تھا۔یہ سب کے سب عالین میں سے تھے۔ابلیس بھی عالین میں سے تھا۔فرعون بھی عالین میں سے تھا سرداران فرعون بھی عالین میں سے تھے۔قوم فرعون بھی عالین میں سے تھی۔اور وہ شخص بھی جس کو امیر المومنین نے عال فی الارض کہا تھا وہ بھی عالین میں سے تھا اور بنی امیہ کے ادارہ حدیث سازی کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ اپنوں کے نقائص کو خوبصورتی

کے ساتھ محمد و آل محمد علیھم اسلام کی صفات و خصوصیات کو اپنوں کے کھاتے میں ڈال دے اور مبلغین شیخیہ ہر قسم کی بودی سے بودی دلیل کو اپنی خرافات کے ثابت کرنے سے نہیں چوکتے چنانچہ انہوں نے عالین کے لفظ کو محمد و آل محمد کی جداگانہ نوع ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا اور شیطان کی طرح سادہ لوح شیعہ عوام کو دھوکہ دیکر اور اس بات کو محمد و آل محمد کی فضیلت ظاہر کر کے انہیں گمراہ کیا۔

اے برادران ایمانی دھوکے سے بچو۔ اور نادانستگی میں توہین محمد و آل محمدؑ کے مرتکب نہ ہوتے رہو کیونکہ اس کی مثال تو ایسی ہوگئی کہ جیسا کہ کسی نادان آدمی کو کوئی یہ سمجھا دے کہ ''کاذب'' کے معنی بہت ہی سچا اور شریف آدمی ہیں۔ اور پھر وہ نادان فی الحقیقت کاذب کا یہی مطلب سمجھنے لگے۔ اور پھر اپنے مکرم و محترم اور سچے بزرگوں کی شان میں جھوم جھوم کر یہ کہنے لگے کہ کیا کہنے ہیں میرے بزرگوں کے، میرے بزرگ بہت ہی بڑے ''کاذب'' تھے (یعنی دل میں یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ انکو سچا کہہ رہا ہے)

اے برادران ایمانی اب حد ہو چکی ہے اس بات کی اب محمد و آل محمد علیھم السلام کو اس لفظ سے چھٹکارا دلا دینا چاہئے۔ بنی امیہ کے دور میں 80 سال تک امیر المومنین علیہ السلام پر سب کرائی گئی۔ انہیں منبروں پر ان کے خاندان کے سامنے گالیاں دلوائی گئیں۔ بس وہی کافی ہیں کیا 80 سال تھوڑے ہوتے ہیں۔ لیکن انکی مشنری اتنی فعال تھی کہ 80 سال تو سر منبر اعلانیہ سب کرائی اور اعلانیہ گالیاں دلوائیں۔ اور اپنے بعد کے لئے ایسی ایسی تدبیریں کیں کہ نہ جانے لوگ نادانستگی میں کب تک اس کے مرتکب ہوتے رہیں گے۔ ہم نے عالین کے موضوع پر اس کتاب میں اتنا طول اس لئے دیا ہے تا کہ ہٹ دھرم لوگوں کے لئے اس کے صحیح معنی و مفہوم کا ثبوت تشنہ بیان نہ رہ جائے اور لوگ نادانستگی میں عالین کو آئمہ اطہار کی فضیلت سمجھ کر انہیں گالیاں نہ دیتے رہیں اور انکی توہین کے مرتکب ہو کر مفت

میں گناہ نہ سمیٹتے رہیں جیسا کہ اور بہت سی باتوں میں مومنین انکے لئے سوءادب کے مرتکب ہوتے ہیں جن کے ذکر کا یہ محل نہیں ہے ان الفاظ کے ساتھ ہم لفظ عالین کی تحقیق کا بیان یہیں پر ختم کرتے ہیں اور اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ خلقت آدم کے بعد جن فرشتوں کو خداوند تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم دیا وہ کونسے فرشتے تھے۔

آدم علیہ السلام کے سجدہ کا حکم کونسے فرشتوں کو دیا گیا

اس بات میں بھی مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ خدا نے یہ حکم سجدہ کن فرشتوں کو دیا بعض مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ آیت کے ظاہری الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کا حکم تمام ہی فرشتوں کو دیا تھا بلا استثنٰے جن کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے لہذا بلا استثنٰے تمام ہی فرشتوں نے سجدہ کیا کیونکہ آیت میں **فسجد الملائکة کلهم اجمعون** ۔یعنی سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ آیا ہے۔لیکن بعض مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ یہ سجدہ کا حکم صرف ان فرشتوں کو دیا گیا تھا جو جنوں کی ہدایت کیلئے اور سرکش جنوں کو زمین سے باہر نکالنے کے بعد زمین پر ہی آباد ہو گئے تھے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات زیادہ صحیح اور زیادہ قرین عقل ہے۔تو عقل یہ کہتی ہے کہ ان فرشتوں کو جو نظام کائنات چلانے پر مامور تھے سجدہ کا حکم دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک لمحہ کیلئے بھی اگر وہ ادھر سے کام چھوڑ دیتے تو سارا نظام کائنات درھم و برھم ہو جاتا۔دوسرے زمین پر آنے والے بشر یعنی حضرت آدم کو سارے فرشتوں سے سجدہ کرانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔البتہ زمین پر مقیم فرشتوں سے سجدہ کرانے کی اس لئے ضرورت تھی کیونکہ اب آدمؑ زمین کے اصلی وارث کی حیثیت سے آرہے تھے اور فرشتوں نے انہیں زمین کی سلطنت کا چارج حوالہ کرنا تھا انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس بشر میں اسی آدم کی روح آرھی ہے۔جس کا تعارف ہماری جگہ لینے والے جانشین کی حیثیت سے کرادیا گیا تھا۔

جہانتک ''فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون'' کا تعلق ہے تو جب کسی خاص مقام یا جگہ پر رہنے والوں سے خطاب ہو تو اس خاص مقام یا جگہ پر رہنے والے اگر سب کے سب وہ حکم بجالائیں تو کلھم اجمعون کا فقرہ اس صورت میں بھی بالکل صحیح طور پر صادق آتا ہے۔ اور اس لئے الا ابلس کہ کر ابلیس کا استثنیٰ کیا۔ کیونکہ ابلیس ان فرشتوں کے ساتھ زمین پر ہی رہ رہا تھا اور وہ قوم جن سے تھا جیسا کہ ارشاد ہوا۔ ''وکان من الجن ففسق عن امر ربہ'' یعنی وہ قوم جن سے تھا اسی لئے اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی ۔اور قوم جن زمین پر ہی آباد تھی جنہیں ان فرشتوں نے انکی سرکشی کی وجہ سے زمین سے باہر نکال دیا تھا اور ابلیس کے ایمان لانے کی وجہ سے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا اور ابلیس کا اصل نام عزازیل تھا۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا تھا۔

تکبر عزازیل راخوار کرد

یعنی تکبر نے عزازیل کو ذلیل کر دیا۔ پس وہ جن جو اعلان خلافت اور اعلان خلقت آدم سے پہلے فرشتوں کے درمیان عزازیل کے نام سے معروف تھا خدا نے اسے سجدہ سے انکار کے بعد پہلی مرتبہ ابلیس کے لقب سے پکارا اور ہم ابلیس کے معنیٰ کی تشریح سابقہ صفحات میں کر چکے ہیں ۔اور جب اس نے بہکانے کا کام شروع کر دیا تو خدا نے اسے شیطان کے لقب سے پکارا اور اس کے بعد جو بھی کسی کو بہکائے خدا نے اس کو شیطان کہا ہے جیسا کہ فرمایا شیاطین الجن والانس ۔یہ بہکانے والے شیطان جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں۔

ابلیس اس جنت ارضی سے کب باہر آیا؟

جیسا کہ اب تک کے بیان سے ثابت ہو چکا ہے کہ ابلیس ان فرشتوں کے ساتھ اس جنت ارضی میں رہ رہا تھا۔ جب ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو خدا نے سجدہ

سے انکار کے ساتھ ہی اسے اس جنت ارضی سے نکل جانے کا حکم دیدیا جیسا کہ فرمایا۔

''قال فاخرج منها فانک رحیم .وان علیک اللعنة الی یوم الدین'' الحجر 35-34

یعنی خدا نے فرمایا چل نکل یہاں سے۔بیشک تو مردود ہے اور یقیناً تجھ پر روز جزا تک لعنت اور پھٹکار پڑتی رہیگی۔

اکثر مفسرین نے اس بارے میں خوب طبع آزمائیاں کی ہیں کہ جب خدا نے ابلیس کو اس جنت ارضی سے نکال دیا تو اس نے آدمؑ کے دل میں وسوسہ کیسے ڈالا۔وہ تو جنت سے نکل چکا تھا۔لہذا کسی نے کہا کہ وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر پھر جنت میں چلا گیا۔کسی نے کہا کہ آدم جنت کے دروازے تک آتے تھے اور وہ دروازے کے باہر سے بات کرتا تھا۔اور وہ لوگ جن کے نزدیک یہ جنت آسمان پر تھی انہوں نے یہ کہا کہ آدم زمین کی طرف دیکھتے تھے اور ابلیس زمین سے ہی آسمانی جنت میں آدم سے باتیں کرتا تھا غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

لیکن اگر اسی سلسلے کی سورہ الحجر کی آیت نمبر 36 میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس نے خدا کی طرف سے باہر نکلنے کا حکم سنتے ہی اس طرح سے درخواست کردی تھی کہ:

''قال رب فانظرنی الیٰ یوم یبعثون''۔الحجر 36

یعنی اے میرے پرودگار پھر تو مجھے قیامت کے دن تک کے لئے مہلت دیدے۔

اور اس کے ساتھ خدا نے ابلیس کی یہ درخواست ان الفاظ کے ساتھ منظور کرلی کہ:

''قال فانک من المنظرین الیٰ یوم الوقت المعلوم''

یعنی خدا نے کہا کہ جا تجھے ایک وقت معلوم تک کے لئے مہلت دی جاتی ہے مہلت ملتے ہی اس نے یہ کہا:

قال رب بما اغوتینی لازینن لھم فی الارض ولاغویینم اجمعین الا

عبادک منھم المخلصین ۔الحجر۔39

یعنی اے میرے پروردگار جس کے سبب سے تونے مجھے راندہ درگاہ کیا ہے میں بھی غلط باتوں کو ان کے سامنے سجا کر پیش کرونگا۔اور باطل کو انکی نظروں میں زینت دیدونگا۔اور سب کو بہکا کر رہونگا۔لیکن تیرے مخلص بندے میرے بہکائے میں نہ آئینگے۔

یعنی مہلت کے ملنے کے بعد ابلیس نے اولاد آدم کو بہکانے اور انہیں گمراہ کرنے کا اعلان کیا یہی بات سورہ الاعراف کی آیت نمبر 16 و 17 میں بیان ہوئی ہے اور یہی بات سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 22 و 23 میں بیان ہوئی ہے۔

ان تمام آیات سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اگر چہ خدا نے انکار سجدہ کے بعد ابلیس کو اس جنت ارضی سے باہر نکل جانے کا حکم دیدیا تھا۔لیکن جب اس نے خدا کا یہ حکم سنتے ہی خدا سے مہلت مانگ لی اور خدا نے بھی اسے مہلت دیدی تو اس نے مہلت ملنے کے بعد یہ کہا کہ جس کے سبب سے تو نے مجھے راندہ درگاہ کیا ہے میں ان سب کو بہکاؤ نگا غلط باتوں کو انکی نظروں میں زینت دیدونگا۔ بری باتوں کو ان کے سامنے سجا سجا کر پیش کرونگا۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے ابلیس کا سب سے پہلا شکار آدمؑ ہی ہو سکتے تھے۔لہذا جب تک آدمؑ اس جنت ارضی میں رہیں۔اسکا بھی وہاں پر رہنا ضروری تھا۔تا کہ وہ اپنی ملی ہوئی مہلت میں بہکانے کے لئے خدا کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھا سکے اور جب آدم اس جنت ارضی سے باہر آئیں تو وہ بھی ان کے ساتھ ہی باہر آئے۔چنانچہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر 37 سے یہ بات ظاہر ہے کہ جب آدم نے شیطان کے کہنے میں آکر اس درخت کا پھل کھالیا اور ان کا جنت کا لباس اتر گیا تو آدمؑ نے توبہ کے لئے خدا سے کچھ کلمات سیکھے اور جب خدا نے انکی توبہ قبول کرلی تو فرمایا:

قلنا اھبطوا منھا جمیعاً فامایاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلاخوف

علیھم ولا ھم یحزنون. والذین کفروا و کذبو ابایٰتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ۔البقرہ۔ 38-39

ہم نے کہا کہ اب تم سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ اب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچا کریگی۔ پس جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کریگا تو اسے نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی حزن وملال اور جو لوگ کفر اختیار کرینگے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی تو جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

بہت سے مفسرین نے ''اھبطو امنھا جمیعاً'' تم سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ کی تفسیر میں اس جمع کے صیغہ ''اھبطو'' کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد آدمؑ وحوا اور ابلیس ہیں۔یعنی ان تینوں کو جنت سے چلے جانے کا حکم ایک ساتھ ملا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ انکار سجدہ کے بعد خدا نے ابلیس سے یہ کہا تھا کہ فاخرج منھا۔ اس جنت سے نکل جا لیکن مہلت ملنے کے بعد جب اس نے آدمؑ کو اس درخت کی طرف مائل کر دیا تو اسکے بعد سب کو کہا۔ اھبطو منھا جمیعاً۔ تم سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ البتہ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد آدمؑ وحوا اور نکی ذریت یعنی اولاد ہے حالانکہ آدم کے جسد خاکی میں زوال کے وقت روح پھونکی گئی اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی اس جنت ارضی سے باہر آ گئے اور انکے ابھی کوئی اولاد ہوئی ہی نہیں تھی۔

اس آیت کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت ارضی آدمؑ کے لئے دار العمل یا دار الجزا نہ تھی اور نہ ہی وہ جنت دار التکلیف تھی بلکہ آدمؑ اور اولاد آدمؑ کے لئے آدمؑ کے اس جنت سے باہر آنے کے بعد زمین کو ان کے لئے دار العمل دار التکلیف بنایا گیا اور اس ہدایت کی پیروی کی صورت میں ثواب اور جزا کا وعدہ کیا اور اس ہدایت کا انکار کرنے اور اس ہدایت کو جھٹلانے والوں کے لئے سزا اور جھنم قرار دی۔

وہ جنت جس میں آدم کو رکھا گیا کونسی جنت تھی اور وہاں سے کیسے نکلے

خداوند تعالٰی سورہ البقرہ میں ارشاد فرماتا ہے

وقلنا یا آدم اسکن انت وزوجک الجنتہ وکلامنھا رغدا حبث شیتماو لاتقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین۔البقرہ۔35

ترجمہ:۔ اور ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری زوجہ اسی باغ میں رہو سہو اور جہاں سے تم دونوں کا دل چاہے خوب کھاؤ پیو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم خود اپنے اوپر ظلم کروگے۔

اور سورہ الاعراف کی آیت نمبر 19 میں بھی یہی بیان ہوا ہے۔ ان دونوں آیات میں یہ نہیں کہا گیا کہ اے آدمؑ تم اور تمہاری زوجہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اے آدم تم اور تمہاری زوجہ اسی باغ میں رہو سہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ آدمؑ کا جسد خاکی اسی باغ میں جو زمین پر ہی تھا بنایا گیا تھا۔ اور وہیں پر انکے جسم میں روح پھونکی گئی تھی اور اسی باغ کے اندر زمین پر رہنے والے فرشتوں کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اور بعض روایات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے باغوں میں سے ایک باغ تھا۔ وہ فرشتے بھی جنوں کو زمین سے نکالنے کے بعد اسی باغ میں رہتے تھے۔ اور ابلیس بھی انہیں کے ساتھ سکونت پذیر تھا۔ اور ابلیس نے اور ان فرشتوں نے اپنی نظروں کے سامنے آدمؑ کا پتلا بنتے ہوئے دیکھا تھا۔ لہذا اگر آدم اس جنت سے باہر نہ آتے اور ہمیشہ وہیں رہتے تو بھی انی جاعل فی الارض خلیفہ کے خلاف نہ ہوتا۔ کیونکہ۔ کیونکہ وہ باغ زمین ہی کے اوپر تھا۔ یہ باغ آدمؑ کے لئے دارالعمل نہیں تھا

بلکہ دارالتجربہ تھا۔ تا کہ آدم یہاں پر رہ کر کچھ دیر کے لئے آرام بھی کرلیں اور شیطان کے بہکانے کے طریقہ واردات کا تجربہ بھی کرلیں تا کہ وہ اپنی اولاد کو سمجھا سکیں کہ شیطان کس طرح سے بہکاتا ہے اور اگر کوئی اسکے کہنے میں آجائے تو اسکا تدارک کیسے کیا جا سکتا ہے اس باغ میں رہتے ہوئے آدمؑ کو یہ سب تجربے ہوگئے اور خدا نے ایک ایسی نصیحت کے ذریعہ آدمؑ کو تجربہ کرایا جو حکم تحریمی نہیں تھا بلکہ آدمؑ کو ایک ایسی چیز سے آگاہ کیا تھا جس کا لازمی نتیجہ اور اثر اس راحت و آرام سے محرومی تھا جو انہیں وقتی طور پر مہیا کی گئی تھی۔

کیونکہ ابلیس نے جن الفاظ کے ساتھ آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا اور جس طرح توہین آمیز طریقہ سے انکے بارے میں خدا کے سامنے گفتگو کی تھی اور جن الفاظ کے ساتھ انکی اولاد کو بہکانے کا اس نے دعویٰ کیا تھا اگر خدا کے اور اس کے درمیان ان مکالموں کو حضرت آدم نے سن لیا تھا تو یہ مکالمے ہی یہ جاننے کے لئے کافی تھے کہ ابلیس انکا اور انکی اولاد کا دشمن ہے۔ لیکن اگر خدا کے اور ابلیس کے درمیان ہونے والے یہ مکالمے آدمؑ نے نہیں سنے تھے۔ تو خدا نے واضح الفاظ میں بھی آدمؑ کو بتلا دیا تھا کہ آدمؑ یہ تمہارا بھی اور تمہاری زوجہ کا بھی کھلا ہوا دشمن ہے جیسا کہ سورہ طٰہ میں بیان ہوا ہے۔

فقلنا یا آدم ان هذا عدولک ولذوجک فلایحز جنکما من الجنة فتشقیٰ ان لک الا تجوع فیها ولا تعریٰ وانک لاتظمئو فیها ولا تضحیٰ. طه۔ 177 تا 120

ترجمہ:۔ پس ہم نے آدمؑ سے کہا اے آدم یقینی طور سے یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ۔ یہ کہیں تم کو جنت سے نکلوا نہ چھوڑے تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہاں جنت میں تمہیں یہ آرام ہے کہ تم یہاں نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے۔ اور نہ یہاں پیاسے رہو گے اور نہ ہی تمہیں دھوپ کی تمازت و گرمی برداشت کرنی

پڑ یگی۔

اگر غور کیا جائے تو انسان کی سب سے اہم ضروریات یہی چیزیں ہیں یعنی کھانا کپڑا اور مکان یہ سب ضروریات آدمؑ کو بغیر کسی مشقت کے حاصل تھیں اور جنت سے باہر آنے کے بعد ان تمام ضروریات کا بندوبست خود کرنا تھا۔ لہذا آدم کو پہلے ہی سمجھا دیا کہ یہ اپنی دشمنی کا پہلا شکار تم دونوں کو بنائیگا۔ اور تم دونوں کو جنت سے باہر نکلوانے کی کوشش کریگا۔ تا کہ تم جنت کے راحت و آرام سے محروم ہو کر یہ سب چیزیں خود مشقت کر کے حاصل کرو۔ اور چونکہ اس درخت کا پھل کھانے کا لازمی نتیجہ اور اثر یہ ہوتا تھا کہ جنت کا لباس اتر جائے اور لباس کا بندوبست کرنے کے لئے جنت سے باہر نکلنا پڑے لہذا خدا نے نصیحت کے طور پر اس درخت کے پاس جانے سے منع کر دیا۔ اسی وجہ سے بہت سے علماء نے یہ کہا ہے کہ آدمؑ کو خدا کی طرف سے یہ کوئی حکم تحریمی نہ تھا۔ بلکہ صرف نصیحت کے طور پر اس درخت کا پھل کھانے کے نتیجے سے آگاہ کیا تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی میزبان اپنے کسی معزز مہمان کو اپنے ایک آراستہ و پیراستہ مہمان خانے میں ٹھرائے اور اس میں اس کی راحت و آرام کی ہر چیز کا بندوبست کر کے یہ کہے کہ آپ یہاں آرام کریں، اور یہاں پر جس طرح چاہیں چلیں پھریں۔ لیکن اس بجلی کی تار کے قریب نہ جانا۔ کیونکہ یہ ننگی ہے اگر تمہارا اس پر پاؤں پڑ گیا یا تمہارا اس کو ہاتھ لگ گیا تو تمہارا بہت نقصان ہوگا اور تمہیں بہت تکلیف اٹھانی پڑیگی۔ اور اسی لئے فتکونا من الظالمین کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر تم اس درخت کے قریب گئے تو تم اپنا ہی نقصان کرو گے اور ابلیس نے یہی کام کیا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

فوسوس لهما الشيطان ليبدی لهماماوری عنهمامن سواتهما وقال ما نهكما ربكماعن هذه الشجره الا ان تكونا ملكين اوتكونا من الخالدين

وقاسمهما انی لکما لمن الناصحین .فدلهما بغرور فلما ذاقا الشجرة بدت لهما سواتهما وتفقا یخصفن علیهما من ورق الجنة وناذٰهما ربهما الم انهکما عن تلکما الشجرة واقل لکما ان الشیطان لکما عدو مبین قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین قال اهبطو بعضکم لبعض عدو ولکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین ۔الاعراف ۔20 تا 34

ترجمہ:۔پس شیطان نے ان دونوں کو وسوسے میں ڈال دیا تاکہ (درخت کا پھل کھا کر) انکی پوشیدہ چیزیں جو انکی نظروں سے اوجھل اور پوشیدہ تھیں انکی نظروں کے سامنے کھول ڈالے ۔کہنے لگا تمہارے پروردگار نے اس درخت کا پھل کھانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ ۔یا ہمیشہ یہیں رہو ۔اور اس نے ان کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں تو تمہارا یقینی طور پر بڑا خیر خواہ ہوں ۔غرض دھوکہ سے ان دونوں کو فریب دیا اور ان دونوں کو (اس درخت کا پھل) کھانے کی طرف مائل کر دیا ۔پس جونہی ان دونوں نے اس درخت کے پھل کو چکھا تو فوراً ہی انکا وہ جنتی لباس اتر گیا اور ان پر انکی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں ،اور وہ جنت کے درختوں کے پتے توڑ توڑ کر اپنے اوپر ڈھانپنے لگے ۔تب انکے پروردگار نے انکو آواز دی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور کیا میں نے تم دونوں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ شیطان یقینی طور پر تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے ۔اس پر دونوں نے عرض کی اے ہمارے پالنے والے یہ تو ہم نے آپ ہی اپنا نقصان کر لیا ۔اگر تو ہمیں معاف نہ فرمائے گا اور ہم پر رحم نہ کریگا تو ہم تو بالکل ہی گھاٹے میں رہیں گے ۔خدا نے فرمایا کہ تم (یعنی آدم وحوا اور شیطان) سب کے سب جنت سے باہر چلے جاؤ اب تم میں سے ایک کا ایک دشمن رہے گا اور ایک خاص وقت تک تمہارا زمین میں قیام اور

زندگی کا سامان ہوگا۔

اسی مضمون کو سورہ طہ میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

فوسوس الیه الشطان قال یا آدم هل ادلک علی شجرة الخلد وملک لا یبلیٰ فاکلا منها فبدت لهما سوا تهما فطفقا یخصصٰن علیهما من ورق الجنة. وعصیٰ آدم ربه فغویٰ ثم اجتبه ربه فتاب علیه وهدی. طه 120 تا 122۔

ترجمہ:۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا اے آدم کیا میں تمہیں ہمیشہ کی زندگی کا درخت اور وہ سلطنت جو کبھی زائل نہ ہو بتادوں (وہ اس درخت کا پھل کھانے سے تمہیں حاصل ہو جائیگی) چنانچہ ان دونوں (میاں بیوی) نے اس درخت میں سے کچھ کھایا۔ (کھاتے ہی) ان کا آگاہ اور پیچھا ان پر ظاہر ہوگیا۔ اور دونوں جنت کے (درختوں کے) پتے اپنے آگے پیچھے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور مشقت جھیلنی پڑی۔ پھر ان کے بعد ان کے پروردگار نے انکو برگزیدہ کیا انکا اجتبٰی کیا انکو مجتبٰے بنایا انکی توبہ قبول کرلی اور انکو ہدایت کی۔

اور سورہ البقرہ میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے۔

وقلنا یا آدم اسکن انت وزوجک الجنة وکلا منها رغداً حیث شئتماولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظالمین فازلهما الشیطن عنها. فاخرجهما مما کان فیه. وقلنا اهبطوا بعضکم لبعض عدو. ولکم فی الارض مسقر ومتاع الیٰ حین فتلقیٰ آدم من ربه کلمات، فتاب علیه انه هو التواب الرحیم قلنا اهبطوا منها جمیعا فاما یا تینکم منی هدی فمن تبع هدی فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولئک

اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔البقرہ۔33 تا 37

ترجمہ:۔اور ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری زوجہ اسی باغ میں رہو سہو اور جہاں جہاں سے تم دونوں کا دل چاہے خوب کھاؤ پیئو۔مگر اس درخت کے پاس نہ جانا۔ورنہ تمہارا شمار نافرمانوں میں ہو جائیگا۔مگر شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر کی۔اور جس حالت میں وہ دونوں تھے اس میں انکو نہ رہنے دیا۔تو ہم نے ان سے کہا کہ تم سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ اب تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔اور وقت مقررہ تک زمین میں ہی تمہاری جائے قرار ہے۔اور وہیں پر تمہارے لئے سرمایہ حیات اور سامان زندگی ہے پس آدم کو اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمات ملے (جن کو پڑھنے سے) خدا نے انکی توبہ قبول کر لی بیشک وہ توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔ہم نے ان سے کہا کہ تم سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ۔اب میری طرف سے تمہیں ہدایت ضرور پہنچے گی تو جو میری ہدایت کی پیروی کرینگے ان کے لئے نہ آئندہ کا کچھ خوف ہوگا اور نہ ہی وہ گذشتہ کا کچھ غم کرینگے اور جو انکار کرینگے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے۔وہی جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہینگے

ان آیات میں آدم وحوا کے جنت میں قیام کے حکم سے لیکر ان کے باہر آنے تک کے واقعات وحالات کو سمو دیا گیا ہے ان میں سے بعض اہم نکات کی ہم علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت کچھ وضاحت پیش کرتے ہیں۔

وہ جنت ارضی دارلجزا یا دار الخلد نہ تھی

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ وہ جنت جس میں آدمؑ کو رکھا گیا تھا یا انہیں رہنے سہنے کے لئے کہا گیا تھا۔وہ دار الخلد یا دارلجزا نہ تھی اور آدمؑ کو اس جنت میں آدمؑ کے کسی عمل کی جزا میں نہیں ٹھرایا گیا تھا اگر وہ جنت دارلجزا ہوتی یا دارلخلد ہوتی اور آدمؑ کو اس

میں انکے عمل کی جزا میں وہاں رکھا گیا ہوتا، تو آدمؑ اس سے ہرگز نہ نکالے جاتے۔ نہ دارلجزا میں کسی کے بہکانے کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور اس بات کو آئمہ معصومین علیھم السلام کی طرف سے مروی روایات کی تائید بھی حاصل ہے۔

اور آثار وقرائن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کو خلق کرنے کے بعد خدا نے انہیں اس جنت میں ایک تو اس لئے رکھا تا کہ وہ کچھ عرصہ یہاں آرام کرلیں اور پہلے ہی دن سے معاشی ضروریات کی فکر میں نہ لگ جائیں جیسا کہ سورہ طہٰ کی آیت 199 تا 120 سے ظاہر ہے۔ دوسرے ابلیس کے انکار سجدہ کے بعد چونکہ مہلت ملنے پر اس نے بنی آدم کو بہکانے کا اعلان کردیا تھا لہذا اس کے بہکانے کا تجربہ ہوجائے اور آدم یہاں سے جانے کے بعد اپنی اولاد کو بتلاسکیں کہ ابلیس انکو کس کس طرح سے بہکائیگا اور اس کے بہکانے کے بعد اگر انسان لغزش کرجائے تو اسکی تلافی کیسے ہوگی چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ ابلیس نے مہلت ملنے کے بعد یہ کہا کہ میں اس کی اولاد کو اس وقت تک بہکاتا رہوں گا۔ جب تک روح اس کے بدن میں ہے تو خدا نے فرمایا کہ میں بھی اس کے لئے توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا رکھونگا جب تک اسے موت نہ آئے۔ یعنی خدا نے بنی آدم کے لئے توبہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اور اس جنت ارضی میں رکھنے سے ایک غرض یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خود آدمؑ کو بھی اس بات کا تجربہ ہوجائے کہ شیطان کے بہکانے کا طریقہ واردات کیا ہوگا۔ تا کہ جب وہ یہاں سے دارالعمل میں جائیں تو اس کے طریقہ وارادت سے واقف ہوں۔ اور دار لتجربہ میں رہتے ہوئے ان سے کوئی گناہ کی بات بھی نہ ہو۔ چنانچہ انہیں اس بات سے آگاہی کیلیے، ایک ایسی بات سے منع کیا جو حکم تحریمی نہ تھا۔ بلکہ اس کے نزدیک جانے کا اثر اشاروں میں بتلادیا جیسا کہ ایک میزبان اپنے معزز مہمان کو اسکی جائے قرار میں کسی نقصان رساں چیز سے آگاہ کیا کرتا ہے۔ مگر چونکہ مقربان بارگاہ الٰہی کسی ایسی بات کا کرنا جسکا کرنا مناسب نہ ہو۔ اپنے

نفس پر ظلم سمجھتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ ربنا ظلمنا انفسنا پالنے والے ہم نے تو اپنے اوپر یہ ظلم کرلیا۔ اگر حضرت آدمؑ شیطان کے کہنے میں آکر اس درخت کا پھل نہ کھاتے تو بھی وہ ایک وقت مقررہ کے بعد اپنی نسل کی رہائش کے لئے اس جنت سے باہر ضرور آتے، لیکن اب انہیں اس وقت سے پہلے آنا پڑ گیا، اور کچھ دیر بھی اس جنت میں آرام نہ کر سکے، جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آدمؑ کے بدن میں زوال کے وقت روح پھونکی گئی اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی جنت سے باہر آگئے یعنی ایک رات بھی اس جنت میں آرام نہ کر سکے۔

اس کے علاوہ ایک غرض اس سارے معاملہ کو سامنے لانے سے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آدم کی اولاد انبیاء کے بارے میں ایسے ایسے عقائد اپنے دل سے گھڑ لے گی کہ علم کو آدم کے خمیر میں گوندھا گیا تھا اور علم انکی ذات میں اس طرح تھا جس طرح نمک میں نمکینی یا روغن میں چکنائی جیسا کہ شیخیہ احقاقیہ کویت کا عقیدہ ہے تو جنت سے نکلنے تک کے واقعات سے آدم کی اولاد کو معلوم ہو جائیگا کہ انبیاء کے خمیر میں علم کو گوندھا نہیں جاتا، اور نہ ہی انکی ذات میں علم اس طرح سے ہوتا ہے جس طرح نمک میں نمکینی یا روغن میں چکنائی۔ علم کا عین ذات ہونا صرف خدا ہی کے لئے ہے، اور صرف وہی عالم الغیب ہے اور وہ انبیاء کو علم حسب ضرورت عطا کرتا ہے اور جس وقت جتنے علم کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت انہیں اتنا علم عطا کر دیا جاتا ہے۔ جب آدمؑ کو صرف ناموں کے تعلیم کرنے کی ضرورت تھی تو صرف نام تعلیم کیے، جب ابلیس نے بہکانے کا اعلان کیا تو آدمؑ کو اس بات سے آگاہ کیا کہ یہ تمہارا دشمن ہے یہ تمہیں جنت سے نکلوانے کی کوشش کریگا اور اس کے لئے اس درخت کے کھانے کے نقصان سے آگاہ کیا، اور جب اس درخت کا پھل کھالیا تو "توبہ" کے لئے کچھ کلمات سکھائے اور جب جنت سے باہر چلے جانے کا حکم دیا تو انہیں مجتبےٰ بنا کر اور انکی ہدایت کا انتظام کر کے باہر بھیجا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض حضرات محض علم آدم الاسماء سے یہ مراد

لیتے ہیں جیسا کہ آدمؑ کو ہر بات کا علم دیدیا تھا حالانکہ اس کے بعد کتنی ہی باتیں ہیں جنکی خدا نے آدم کو تعلیم دی اور اگر آدمؑ ہر چیز کی ماہیت سے علم آدم الاسماء کے ساتھ ہی عالم ہو گئے ہوتے تو ہرگز اس درخت کے قریب نہ جاتے۔

شیطان کا وسوسہ اور آدمؑ کے لباس کی حیثیت

اب تک کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ آدمؑ کو اس جنت ارضی میں ہر طرح کا تجربہ ہو گیا۔ شیطان کس طرح غلط بات کو سجا کر اور زینت دیکر پیش کرتا ہے اور کس طرح انسان کی نظروں میں بری بات کو عمدہ کر کے دکھاتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو گیا کہ خدا نے تو یہ کہا تھا کہ یہ تمہارا دشمن ہے یہ تمہیں نکلوانے کی کوشش کریگا لہذا اس کے فریب میں نہ آنا۔ مگر شیطان نے قسم کھا کر یہ کہا کہ میں تمہارا ناصح ہوں اور اس درخت کا پھل کھانے سے تم ہمیشہ ہمیشہ اسی جنت میں رہو گے اور تمہاری سلطنت کو کبھی زوال نہ ہوگا۔ حالانکہ نتیجہ وہی ہوا جو خدا نے بتلایا تھا۔ یعنی اس درخت کا پھل کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنت کا لباس اتر گیا اور تن ڈھانپنے کے لئے دوسرے وسائل کی ضرورت پڑی۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ وہ لباس کیسا تھا جو اس درخت کا پھل کھاتے ہی اتر گیا اور آدمؑ وحوا دونوں بغیر لباس کے ہو گئے۔

قرآن کریم میں لباس کا لفظ کئی طرح سے آیا ہے۔ مثلاً قرآن میں عورت کو مرد کا لباس کہا گیا ہے اور مرد کو عورت کا لباس کہا گیا ہے۔ ھن لباس لکم و انتم لباس لھن ۔(2-57) یعنی عورتیں تمہاری پوشاک میں اور تم انکی پوشاک ہو۔ (مفردات راغب 951) اور تشبیہ اور تمثیل کے طور پر تقویٰ کو بھی لباس کہا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا

۔لباس التقویٰ۔(26-7)

یعنی جو پرہیز گاری کا لباس ہے(مفردات راغب 951)

تمثیل وتشبیہ میں بھوک اور خوف کو بھی لباس کہا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف(112-16)

تو خدا نے ان کے اعمال کے سبب بھوک اور خوف کا لباس پہنا کرنا شکری کا مزہ چھکا دیا ، میں جوع یعنی بھوک اور خوف کی تصویر کھینچنے کیلئے اسے لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے(مفردات راغب 951)راغب اصفحانی مفردات میں لکھتے ہیں:

دراصل ''لبس'' کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں(مفردات راغب 951)اوراسی لئے خدا نے رات کو بھی لباس کہا ہے۔

وھوالذی جعل لکم اللیل لباسا۔وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا۔اور یہ ظاہری لباس جو ہم دنیا میں پہنتے ہیں یہ بھی ہمارے بدن کو ڈھانپنے کے لئے ہی ہے۔جیسا کہ فرمایا:

قدانزلناالیکم لباساً یواری سواتکم۔(26-7)

ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارے ستر ڈھانپے۔(مفردات راغب 951)

اب یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ ہراس چیز کو جو کسی چیز کو چھپائے لباس کہا جاتا ہے۔اور یہ ''لبس'' سے مشتق ہے جس کے معنی چھپانا ہے۔اور مقام تشبیہہ میں رات کو بھی لباس کہا گیا ہے۔تقویٰ کو بھی لباس کہا گیا ہے۔مرد اور عورت کو ایک دوسرے لباس کا کہا گیا ہے تو آدمؑ کا وہ لباس بھی جو اتر گیا کوئی سوت یا کتان یا اون یا ریشم کا بنا ہوا نہ تھا بلکہ جس طرح معصوم بچوں کو عریاں ہونے کی حالت میں یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ ننگے ہیں اور بچوں کی معصومیت کی حالت انکا لباس ہوتا ہے اسی طرح آدمؑ بچپن کی معصومیت والی حالت

میں تھے اور اس درخت کا پھل کھانے کا یہ اثر تھا کہ وہ بچپن کی معصومیت والی حالت نہ رہی اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ تو ننگے ہیں اور انکے پوشیدہ مقام کا انہیں احساس ہو گیا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے

فازلهام الشطان عنها فاخرجهما مما كان فيه۔ البقرہ۔ 36

یعنی شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے نکالنے کی یہ تدبیر کی کہ جس حالت میں وہ دونوں تھے اس حالت میں ان دونوں کو نہ رہنے دیا اور وہ بچپن کی معصومیت والی حالت تھی جس میں یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ ننگے ہیں۔ اور انکے بدن پر لباس نہیں ہے۔ اور اس حالت کے نہ رہنے کا نتیجہ یہ تھا کہ دوسرے وسائل سے لباس کا اہتمام وانتظام کریں اس کی مثال یوں سمجھئے کہ بنی اسرائیل کو وادی سینا میں ہر قسم کی سہولت حاصل تھی۔ سر کے اوپر بادلوں کا سایہ تھا۔ کھانے کے لئے من وسلوئ نازل ہوتا تھا۔ پینے کے لئے بارہ چشمے جاری تھے جو ایک پتھر سے معجزے کے ذریعہ پھوٹ پڑے تھے لیکن جب بنی اسرائیل ایک ہی طرح کا کھانا کھاتے کھاتے اکتا گئے تو انہوں نے جو کچھ کہا اسے خدا نے قرآن میں یو بیان کیا ہے۔

واذقلتم یا موسیٰ لن نصبر علیٰ طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلها و قثائها وفومها وعدسها وبصلها قال اتسبدلون الذی هوادنیٰ بالذی هو خیر ،اهبطوا مصراًفان لکم ماسالتم۔ البقرہ۔ 61

یعنی جب تم نے یہ کہا کہ اے موسیٰ ہم ایک ہی طرح کا کھانا کھانے پر صبر نہ کرینگے۔ پس تم اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کرو کہ زمین سے جو چیزیں اگتی ہیں۔ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز ہمارے لئے مہیا کرے۔

موسیٰ نے کہا کہ کیا تم اعلیٰ چیز کے بدلے میں ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو۔ (اور اگر تم یہی چیزیں لینا چاہتے ہو) تو تم کسی شہر میں جا اترو جو (چیزیں) تم مانگ رہے ہو (یہ تو) تم کو

وہیں ملیں گی۔

اس آیت سے ایک تو اھبطوا کے معنی کا پتہ چل گیا کہ اھبطوا کا مطلب آسمان سے زمین پر پھینکنا نہیں ہے، جیسا کہ بعض روایات میں آدمؑ کے لئے کہا گیا ہے بلکہ ایک اچھے اور اعلیٰ وارفع مقام سے ادنیٰ مقام کی طرف جانا بھی اھبطوا کہلائے گا بنی اسرائیل وادی سینا میں خدا کے مہمان تھے اور خدا کی نازل کردہ نعمتوں سے سرشار ہورہے تھے انکا وادی سینا سے کسی شہر کی طرف جانا ہے۔ ایک اچھے مقام اور اچھی مہمانی سے ادنیٰ مقام کی طرف جانا تھا، لہذا انکو اھبطوا کہا گیا۔ آدمؑ وحوا اور ابلیس کو بھی اسی لئے اھبطوا کہا گیا کیونکہ وہ اس باغ کے پرفضا مقام سے ایسی زمین کی طرف بھیجے گئے، جہاں کچھ بھی اگا ہوا نہ تھا۔ اور خود آدمؑ نے اُسے آباد کرنا تھا۔ لہذا اھبطوا کا مطلب قرآن کے مطابق اعلیٰ مقام سے کسی ادنیٰ مقام کی طرف جانا بھی ہے۔ پس اس سے اس جنت کا کسی آسمانی کرہ میں قرار دینا لازم نہیں آتا جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا آدمؑ علیہ السلام کو اس جنت ارضی میں رہتے ہوئے کسی لباس کی ضرورت نہ تھی مگر اس درخت کا پھل کھانے کے بعد انہیں ایسے لباس کی ضرورت پڑ گئی جو ان کے بدن کو ڈھانپ سکے، اور وہ جنت کے باہر کے وسائل سے ہی حاصل ہوسکتا تھا۔ لہذا ان کا اس جنت سے باہر آنا ناگزیر تھا لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حالت اس لئے باقی نہ رہی کہ خدا کے منع کرنے کے باوجود شیطان کے کہنے میں آکر اس درخت کا پھل کھالیا لہذا انہوں نے مقربان بارگاہ الہیٰ کی طرح سے اسے اپنے نفسوں پر ظلم سمجھا لہذا انہوں نے کہا:

قالا ربنا ظلمنا من انفسنا ون لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ الاعراف۔ 33

یعنی ان دونوں (آدم وحوا) نے کہا اے ہمارے پالنے والے ہم نے اپنا آپ نقصان کیا اگر تو ہمیں معاف نہ فرمائے گا اور ہم پر رحم نہ کریگا تو ہم بالکل گھاٹے میں رہینگے۔

اور جنت میں رہتے ہوئے آدمؑ کے اس ترک اولیٰ کو ہی مقربان بارگاہ الٰہی کی حیثیت سے فتکونا من الظالمین کہا ہے۔ جو حکم تحریمی نہ ہونے کی وجہ سے ترک اولیٰ تو تھا مگر کوئی صغیرہ یا کبیرہ قسم کا گناہ نہیں تھا۔

آدم اس جنت ارضی سے مجتبٰے اور ہادی کی حیثیت سے باہر آئے

اب تک کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ وہ جنت ارضی نہ تو بہشت خلد تھی نہ دارالجزا تھی اور نہ ہی دارالعمل تھی کہ وہاں کا کوئی کام گناہ کبیرہ یا صغیرہ ہو۔ بلکہ وہ ایک تجربہ گاہ تھی جس میں آدمؑ کو اس بات کا تجربہ کرایا گیا کہ ابلیس کے بہکانے کا انداز کیا ہے اور اسکی تلافی کی کیا تدبیر ہے اور وہ تدبیر یہ ہے کہ انہیں توبہ کا طریقہ سکھلایا گیا اور انکی توبہ کو قبول کرنے کے بعد انہیں دارالعمل میں بھیجا اور انہیں مجتبٰے بنا کر بھیجا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

ثم اجتباه ربه فتاب عليه وهدى

یعنی اس کے بعد ان کے پروردگار نے انکا اجتبٰے کیا انکو مجتبٰے بنایا انکی توبہ قبول کی اور انکو ہدایت کی۔

آدمؑ اس باغ میں ہی خلق ہوئے تھے، اور اس باغ سے انکا باہر آنا اس طرح سے تھا، جس طرح آدمی کا بچہ ماں کے پیٹ سے روتا ہوا باہر آتا ہے، وہ خلقی و پیدائشی طور پر مصطفٰے تھے اور جب اس دنیا میں بھیجے گئے تو مجتبٰے بنا کر بھیجے گئے اور انکو مجتبٰے بنانے کے بعد شرعی احکام اور ہدایت کا سلسلہ شروع کیا گیا اس سے پہلے ان پر کوئی شرعی حکم لاگو نہ تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی شان کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم میں ان کے بارے میں استعمال ہونے والے دو الفاظ میں غور کرنا انتہائی ضروری ہے۔

ان میں سے ایک لفظ "اصطفٰے" ہے اور دوسرا لفظ "اجتبٰے" لفظ اصطفٰے کے بارے میں قرآن کریم میں خداوند تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ اس نے تمام انبیاء و رسل اور ہادیان دین کا

اصطفےٰ کیا ہے اوران سب کواس نے مصطفےٰ بنایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

ان اللہ اصطفے' آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ذریة بعضھا من بعض ۔آل عمران۔33

بے شک خدا نے آدم کواور نوح کواور ابراہیم کی آل کواور عمران کی آل کو مصطفےٰ بنایا ہے انکا اصطفےٰ کیا ہے انکو برگزیدہ کیا ہے وہ بعض بعض کی ذریت سے ہیں۔

اس آیت میں تمام انبیاء ورسل اور ھادیان دین کے اصطفےٰ کو بیان کیا گیا ہے اوران میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

اسی طرح خداوند تعالیٰ نے تمام انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے اجتبےٰ کا ذکر قران کریم میں اس طرح سے کیا ہے:

''**اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبین من ذریة ابراھیم واسرائیل وممن ھدینا واجتبینا**'' ۔مریم۔59

یعنی یہ لوگ جنہیں خدا نے نبوت ورسالت کی نعمت سے نوازا آدم کی اولاد سے ہیں اورانکی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے طوفان کے وقت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور ابرھیم اور یعقوب کی اولاد سے ہیں اوران لوگوں میں سے ہیں جنکو ہم نے ہدایت کی اور جن کا ہم نے اجتبےٰ کیا اور جنکو ہم نے مجتبےٰ بنایا۔

امامت کو قرآن کی نظر سے ثابت کرنے کے لئے آدمؑ کے بارے میں اتنا سارا بیان ،ہم نے ان دونوں الفاظ یعنی اصطفےٰ اور اجتبےٰ کی حقیقت سمجھانے کے لئے کیا ہے کیونکہ کوئی نبی نہیں ہے جو مصطفےٰ نہ ہو اور کوئی نبی یا رسول نہیں ہے جس کا اجتبےٰ نہ ہو۔ چنانچہ قران کریم میں آدمؑ علیہ السلام کا اصطفےٰ آل عمران کی آیت نمبر 33 میں مذکور ہوا اور انکا اجتبےٰ سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر 122 میں بیان ہوا ہے۔

قران کریم میں کئی آیات میں اجمالی طور پر تمام انبیاء کے اصطفیٰ کو اکٹھا بھی بیان کیا گیا ہے اور علیحدہ علیحدہ بھی، اسی طرح قران کریم میں تمام انبیاء کے اجتبیٰ کو اکٹھا بھی بیان کا کیا گیا ہے اور علیحدہ علیحدہ بھی لیکن قران کریم میں کہیں بھی اصطفیٰ کے ساتھ ھدینا یاھدی کا لفظ نہیں آیا۔ بلکہ صرف اجتبیٰ، اجتبینا اور اجتبینا ھم کے ساتھ ھدینا اور ھدی آیا ہے۔ اور قران کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء ورسل اور ھادیان دین میں کوئی بھی ہادی دین ایسا نہیں ہے جس کا اجتبیٰ نہ کیا گیا ہو اور اجتبیٰ کے ساتھ انکے ہادی ہونے کو بیان نہ کیا ہو، اس سے ثابت ہوا کہ خدا اپنے مصطفیٰ بندوں میں سے جس کا اجتبیٰ کرتا ہے وہ منصب ہدایت پر فائز ہوتا ہے۔

پس انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی شان کو سمجھنے کیلئے ان دونوں الفاظ یعنی اصطفیٰ اور اجتبیٰ کے معنی اور مطلب کا تحقیق کے ساتھ جاننا اور سمجھنا ضروری ہے لہذا ہم اس سے آگے ان دونوں الفاظ کے معنی ومفہوم اور مطلب کو لغت سے تحقیق کر کے اپنے قارئین کیلئے پیش کرتے ہیں۔

اصطفیٰ کا لغت میں معنی

راغب اصفہانی اپنی لغت کی معروف کتاب مفردات القران لکھتے ہیں۔

''الاصطفاء'' کے معنی یعنی صاف اور خالص چیز لے لینا ہے جیسا کہ اختیار کے معنی بہتر چیز لے لینا ہے۔

''الاجتباء'' اور جبایہ عمدہ چیز منتخب کر لینا آتے ہیں اس کے بعد راغب اصفہانی لکھتے ہیں اللہ تعالٰی کا کسی بندہ کو چن لینا کبھی بطور ایجاد کے ہوتا ہے یعنی اسے اندرونی کثافتوں سے پاک صاف پیدا کرنا جو دوسرے میں پائی جاتی ہیں اور کبھی اختیار اور حکم کے ہوتا ہے گو یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی ہے۔ (مفردات راغب اصفہانی صفحہ 587)

اصطفےٰ کے اس لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلب یہ ہوا کہ اُردو میں اگر چہ ترجمہ کرتے وقت اس لفظ کا ترجمہ برگزیدہ کرنا یا چننا یا منتخب کرنا ہی کیا جاتا ہے۔ اور اختیار اور اجتبےٰ کا معنی بھی یہی کرتے ہیں۔

لیکن حقیقتاً ان تینوں کے معنی میں ایک خاص فرق ہے کیونکہ اصطفےٰ کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے کسی کا اصطفےٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے خلقی اور پیدائشی طور پر بطور ایجاد کے ان اندرونی کثافتوں سے پاک صاف پیدا کرتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور کسی کو اختیار کرنا اور کسی کا اجتبےٰ کرنا بعد کا مرحلہ ہے یعنی وہ اختیار صرف انہی کو کرتا ہے جو پیدائشی طور پر پہلے سے مصطفےٰ ہوتے ہیں جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفرادت قران میں بیان کیا ہے کہ یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی اور اختیار وہ اپنے اُن مصطفےٰ بندوں کو ہادی بنانے کے لئے کرتا ہے اور اس مقصد کے لئے وہ ان کا اجتبےٰ کرتا ہے یعنی خدا پہلے انہیں خلقی اور پیدائشی طور پر مصطفےٰ بناتا ہے یعنی انہیں اندرونی کثافتوں سے پاک صاف پیدا کرتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں پھر انہیں ہادی بنانے کے لئے اختیار کرتا ہے پھر انہیں مجتبےٰ بناتا ہے۔ گویا انبیاء ورسل اور ہادیان دین کا اجتبےٰ یا مجتبےٰ بنانا ان کا اخری درجہ ہے اور یہ ان کے معصوم ہونے کی ایک طرح سے آخری ڈگری ہے۔

ہم پہلے مرحلہ میں اصطفےٰ کا معنی سمجھانے کے لئے ایسی ہستیوں کا حال قران سے بیان کرتے ہیں جن کا خدا نے اصطفےٰ کیا لیکن وہ نبی یا رسول نہ تھے۔

حضرت طالوت کا اصطفےٰ

خداوند تعالیٰ قران کریم میں حضرت طالوت کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

الم تر الی الملاِ من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذقالوا البنی لھم ابعث لنا

ملکا نقاتل فی سبیل اللہ۔البقرہ۔246

اے رسول کیا تم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں (کی حالت) پر نظر نہیں کی، جب انہوں نے اپنے نبی (شموئیل) سے کہا کہ ہمارے واسطے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تا کہ ہم راہ خدا میں جہاد کریں۔

کیونکہ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنے وقت کے نبی سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے لہذا اگر وہ نبی اپنی مرضی سے ان کی درخواست کے مطابق کسی کو بادشاہ بنانا چاہتے تو بنا سکتے تھے یہ بات بنی اسرئیل کی درخواست کے عین مطابق تھی لیکن انہوں نے خود اپنی طرف سے کسی کو بادشاہ نہ بنایا اور سیاق وسباق کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نبی نے خدا سے درخواست کی اور خدا نے ان کے نبی کو بذریعہ وحی اس بادشاہ کے بارے میں اطلاع دی جیسا کہ ان کے اپنے الفاظ سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے۔

قال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا قالو انی يكون له الملك علينا ونحن احق بالملك منه ولم يوت سعة من المال قال ان الله اصطفه عليكم وزاده بسطة فی العلم والجسم والله يوتی ملكه من يشاء والله واسع عليم۔البقرہ۔247

ان کے نبی نے ان سے کہا کہ بے شک خدا نے (تمہاری درخواست کے مطابق) طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کر دیا ہے (تب وہ) کہنے لگے اس کی حکومت ہم پر کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ سلطنت کے حقدار اس سے زیادہ تو ہم ہیں کیونکہ اسے تو مال (کے اعتبار) سے بھی فارغ البالی حاصل نہیں ہے (ان کے نبی نے) کہا خدا نے اس کا اصطفےٰ کیا ہے اسے مصطفےٰ بنایا ہے اور اسے تم پر فضیلت دی ہے اور (مال میں نہ سہی) مگر خدا نے اسے علم بھی بہت بخشا

ہے اور جسم (یعنی شجاعت کی خصوصیت) بھی خدا نے تم سے بہت زیادہ عطا کی ہے اور خدا اپنا ملک جسے چاہے دے خدا بڑا ہی صاحب وسعت وعلم ہے

حضرت طالوت ایک غریب آدمی تھے جیسا کہ بنی اسرائیل کے سرمایہ داروں نے بھی کہا ہے خدا نے ان میں کیا صفات رکھی ہیں یہ خدا ہی کو معلوم تھا چنانچہ یہ آیت یہ کہتی ہے کہ خدا نے حضرت طالوت کا اصطفیٰ کیا تھا انہیں مصطفیٰ بنایا تھا۔ یعنی حضرت طالوت میں پیدائشی طور پر یہ قابلیت وصلاحیت واستعداد تھی، کہ خدا اُن سے کلام کرے، اور انکو علم کی دولت سے مالا مال کرے، اور انہیں علم اور شجاعت کی خصوصیات سے نوازے۔

حضرت طالوت کے بارے میں اگرچہ یہ اختلاف ہے کہ وہ بھی نبی تھے یا نہیں لیکن اپنے وقت کے نبی سے انکا یہ درخواست کرنا کہ ان کے لئے کسی کو بادشاہ بنا دیجئے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ نبی نہ تھے اور اسی لئے اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ ان کو خدا نے بنی اسرائیل کا صرف بادشاہ بنایا تھا۔ اصطفیٰ کا معنی سمجھنے کے لئے ہم ایک اور ہستی کے اصطفیٰ کا بیان کرتے ہیں جو حتماً نبی نہ تھیں اور اُن کے اصطفیٰ کا بیان، اصطفیٰ کے معنی کو زیادہ واضح کرنے والا ہے اور یہ حضرت مریم کا اصطفیٰ ہے جس کا بیان آگے آتا ہے۔

حضرت مریم کا اصطفیٰ

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے

واذ قالت الملائکة یا مریم ان الله اصطفاک وطهرک واصطفاک علی نساء العالمین۔ آل عمران۔ 42

اور جب ملائکہ نے مریم سے یہ کہا کہ اے مریم اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے۔ تمہارا اصطفیٰ کیا ہے اور تم کو پاک وپاکیزہ رکھا ہے اور تم کو دنیا جہان کی عورتوں پر برتری دی ہے۔

اس آیت میں اصطفاک دو مرتبہ آیا ہے ایک طهرک سے پہلے، ایک طهرک کے بعد۔ اور

اردو زبان میں یہاں بھی اصطفاک کا معنی برگزیدہ کرنا یا چننا کیا جاتا ہے۔ لیکن اردو کے ان الفاظ سے وہ معنی ومفہوم سمجھ میں نہیں آ سکتا جس معنی ومفہوم کے لئے یہ لفظ وضع ہوا ہے۔ کیونکہ حضرت مریم کا برگزیدہ کرنا یا چننا، اس طرح نہیں ہوسکتا کہ پہلے تو انہیں پیدا کر دیا ہو پھر وہ ان کثافتوں میں مبتلا رہی ہوں۔ جس میں دوسرے مبتلا ہوتے ہیں، اور پھر ان میں سے چن کر انہیں مصطفےٰ بنایا ہو اور انہیں پاک کیا ہو۔ نہی ہرگز نہیں بلکہ اسطفاک کا مطلب یہ ہے کہ اے مریم اللہ نے تجھے پیدا ہی پاک کیا ہے اور تجھ میں وہ کثافتیں نہیں ہیں جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ حضرت مریم نہ تو نبی تھیں، نہ رسول تھیں، نہ امام تھیں، یہاں اصطفےٰ کا معنی یا انہیں مصطفےٰ بنانے کا معنی انہیں ان عہدوں میں سے کسی منصب کے لئے چننا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کے پاس نبوت ورسالت وامامت میں سے کوئی منصب تھا ہی نہیں۔ لہذا یہاں اصطفےٰ کا معنی چننا لینے کا کچھ مطلب نہیں بنتا سوائے اس کے جو راغب اصفہانی کی مفردات القران سے سابقہ صفحات میں بیان ہوا۔ یعنی انہیں ان اندرونی کثافتوں اور عیوب سے پاک وصاف رکھا، جو دوسروں میں پائے جاتے ہیں۔

یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت مریم چونکہ نبی رسول وامام نہیں تھیں کہ انکا ہادی بنانے کے لئے اجتبےٰ کیا جاتا، جو انبیاء ورسل کو معصوم رکھنے والی اور انکی عصمت کی آخری ڈگری ہے لہذا خدا نے ان کے اصطفےٰ کے بیان کے بعد انکی عصمت کو بیان کرنے کیلیئے ایک علیحدہ لفظ استعمال کیا اور وہ لفظ ہے "طھرک" یعنی اے مریم پہلے تو خدا نے تجھے مصطفےٰ پیدا کیا، اور تیرے اصطفےٰ کے ساتھ ساتھ تجھے طاہر ومطہر اور پاک وپاکیزہ رکھا ہے یعنی چونکہ حضرت مریم نبی ورسول اور امام نہیں تھیں کہ ان کی عصمت کو اجتبےٰ کے ذریعہ بیان کیا جاتا لہذا انکی طہارت وپاکیزگی اور عصمت کو خداوند تعالیٰ نے "طھرک" کے ذریعہ

بیان فرمایا۔

اور اسی طرح سے خداوند تعالیٰ نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عصمت وطہارت کو آیہ تطہیر میں اس طرح سے بیان کیا ہے کہ۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔(الاحزاب۔33)

ترجمہ۔یعنی سوائے اس کے نہیں کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہل بیت تم سے رجس کو دور رکھے اور تمہیں ایسا طاہر اور پاک وپاکیزہ رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔

اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ آیت پنج تن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حسن اور حسین علیہما السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ان حضرات کا حدیث کساء میں جس طرح سے تعارف کرایا گیا ہے وہ اس طرح ہے کہ:

ھم فاطمة وابوھا وبعلھا وبنوھا

یعنی یہ فاطمہ ہیں انکے والد بزگوار ہیں انکے شوہر نامدار ہیں اور ان کے فرزندان گرامی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیہ تطہیر خصوصی طور پر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شان میں نازل ہوئی، کیونکہ وہ نبی یا رسول یا امام نہیں تھیں کہ انکی عصمت کو اجتبے کے لفظ کے ساتھ ظاہر کیا جاتا ہے، جو ہادیان دین کے ساتھ مخصوص ہے،لہذا انکی عصمت کو اذھاب رجس اور یطہر کم تطہیرا کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا،اور ساتھ ہی انکے والد بزگوار انکے شوہر نامدار اور فرزندان گرامی کی عصمت پر یہ آیت مزید ایک علیحدہ دلیل بن گئی۔اور وہ بھی اس اذھاب رجس اور یطھر کم تطہیرا کے مصداق ہیں۔

بہرحال خداوند تعالیٰ نے حضرت مریم کی عصمت کو اصطفاک کے بعد طھرک کے لفظ

کے ذریعہ بیان کیا ہے۔اور خدا جسے منصب رسالت ونبوت کے لئے منتخب کرتا ہے وہ خدا کے مصطفیٰ ہوتے ہیں یعنی وہ خلقی و پیدائشی طور پر اس قابلیت وصلاحیت واستعداد کے مالک ہوتے ہیں کہ انہیں وہ ان مناصب کے لئے اختیار کرے اور منتخب کرے اور خدا خود یا فرشتوں کے ذریعہ ان سے کلام کرے۔ لیکن یہ حضرت مریمؑ کے اصطفیٰ ہی کی وجہ سے تھا کہ خدا نے ان سے کلام کیا اور یہ کہا کہ:

یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین۔آل عمران۔43

اے مریم تم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اور جب حضرت مریم کو عیسےٰؑ کی پیدائش کی بشارت دی تو حضرت مریم نے کہا۔

قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر قال کذالک الله یخلق مایشاء اذاقضی امراً فانمایقول له کن فیکون ۔آل عمران۔47

حضرت مریم نے کہا اے پروردگار میرے لڑکا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔خدا نے فرمایا اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو بس اسے کہ دینا کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت مریم نے بھی خدا سے کلام کیا اور خدا نے بھی انکا جواب دیتے ہوئے ان سے کلام کیا اور یہ انکے اصطفیٰ کا تقاضا تھا۔

پس خدا جن کا اصطفےٰ کرتا ہے ان میں یہ قابلیت وصلاحیت واستعداد ہوتی ہے کہ وہ خدا سے ہم کلام ہوں اور خدا ان سے وحی کے ذریعہ کلام کرے۔

اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ خدا نے تمام انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے اصطفیٰ کو اور انکو مصطفےٰ بنائے جانے کو ایک ہی آیت میں بیان کر دیا ہے۔جو یہ ہے:

ان اللـــه اصطفٰے آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین۔آل عمران۔33

اور جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات القران میں بیان کیا ہے کہ خدا اپنے مناصب میں سے کسی بھی منصب کیلئے کسی کو اختیار نہیں کرتا مگر صرف انہیں کو جن کو اس نے خلقی و پیدائشی طور پر اصطفٰے کے صفات سے مزین کیا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ خدا نے موسیٰ سے کلام کرتے ہوئے فرمایا۔

وانا اخترتک فاستمع لما یوحی ۔ طہ۔13

اور (اے موسیٰ) میں نے تم کو اختیار کرلیا ہے۔چن لیا ہے لہذا تمہیں جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔

یہاں پر''اخترتک'' کے معنی بھی وہی چننا کیا جاتا ہے لیکن اس سے مراد وہی بہتر چیز کو لے لینا ہے، چونکہ حضرت موسیٰ کا خدا نے پیدائشی طور پر اصطفٰے کیا تھا اور وہ خدا کے مصطفٰے بندے تھے،اور وہ اس کام کے لئے اس وقت ساری دنیا جہان کے لوگوں سے بہتر تھے لہذا خدا نے انہیں اپنے کام کے لئے اختیار کرلیا منتخب کرلیا یا چن لیا۔اور چونکہ یہ بات صرف خدا ہی جانتا ہے کہ اس کا مصطفٰے بندہ کون ہے لہذا واضح طور پر کہتا ہے کہ:

وربک یخلق مایشاء ویختار ماکان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون۔القصص۔68

یعنی تیرا رب ہی جس کو چاہتا ہے،خلق کرتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اختیار کرلیتا ہے چن لیتا ہے منتخب کرلیتا ہے سارے انسانوں میں سے کسی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ اس کے کسی منصب کے لئے کسی کو اختیار کریں یا چنیں۔خداوند تعالیٰ کی ذات ان کے اس شرک سے پاک ہے یعنی ایسا کرنا شرک ہے۔

اور خداوند تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

الله اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ الانعام۔ 115

یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کہ اس نے اپنی رسالت کہاں رکھنی ہے کیونکہ اس کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں ہے کہ اس نے پیدائشی طور پر یہ قابلیت وصلاحیت واستعداد کس میں رکھی ہے اور اس نے کس کا اصطفےٰ کیا ہے اور کس کو مصطفےٰ بنایا ہے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ تمام انبیاء ورسل اور ہادیان دین خدا کے مصطفےٰ بندے ہوتے ہیں اور خدا ان مصطفےٰ بندوں کو ہادی بنانے کے لئے اختیار کرتا ہے اور پھر ان کا اجتبےٰ کرتا ہے انکو ہادی بناتا ہے اور خدا جن کا اجتبےٰ کرتا ہے، وہ خدا کے معصوم بندے ہوتے ہیں اب ہم اس بات میں غور کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ اپنے مصطفےٰ بندوں کو تو ہدایت کے لئے اختیار کر کے ان کو مجتبےٰ بناتا ہے لیکن آدم علیہ السلام کی باقی اولاد کے لئے اُس نے ہدایت کا کیا طریقہ بنایا ہے؟

اولاد آدم کے لئے ہدایت کا طریقہ

خداوند تعالیٰ نے اولاد آدمؑ کی ہدایت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر زمانے کے لوگوں میں، اولاد آدم میں سے ایسے بندے پیدا کئے جو پیدائشی طور پر ایسی صلاحیتوں قابلیتوں اور استعدادوں کے مالک ہوں کہ خدا ان سے براہ راست کلام کر سکے وہ خدا کے کلام کو سمجھ سکیں، اور خدا انہیں وحی کے ذریعہ اپنے فیوض وبرکات سے فیض یاب کر سکے اور خدا کے یہ بندے پیدائشی طور پر اُن تمام عیوب سے بھی پاک ہوتے ہیں جو دوسروں میں پائے جاتے ہیں اور وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ خدا انہیں ہادی بنا کر لوگوں کے پاس بھیجے پس خدا اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے طور پر اختیار کرتا ہے منتخب کرتا ہے اور پیدائش کے دن سے ہی ان کی نگرانی ونگہبانی ونگہداشت کرتا ہے اور ان کو

اپنے خاص سایہ رحمت میں وحی کے ذریعہ تعلیم وتربیت کرتا ہے اور یہ تعلیم وتربیت ان آیات واحکامات کے علاوہ ہوتی ہے جو وہ اپنے دوسرے بندوں تک پہنچانے کے لئے بذریعہ وحی ان تک پہنچاتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کے واقعہ میں ارشاد ہوا کہ: "ولتصنع علی عینی" "اے موسیٰ ہم نے تم کو واپس تمہاری ماں کے پاس اس لئے لوٹایا تاکہ تمہاری میری نظر عاطفت وسایہ رحمت میں پرورش وتربیت ہوسکے۔ اور خداوند تعالیٰ نے اس مقصد کیلئے اپنی وحی کو ذریعہ بنایا اور وحی کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ کبھی خواب کے ذریعہ وحی کی، کبھی پس پردہ بات کرکے وحی کی، کبھی دل میں الہام کرکے وحی کی، کبھی فرشتے کو بھیج کر وحی کی، غرض مختلف طریقوں سے وحی کی اور اپنی وحی کے ذریعہ پیدائش کے دن سے لے کر مبعوث کرنے تک وحی کے مختلف طریقوں کے ذریعہ انہیں تعلیم دی، اور انکی تربیت کی، اور انہیں مجتبےٰ بنا کر ہر طرح سے معصوم رکھا اور اجتبےٰ کے ذریعہ ہر طرح کی لغزش سے انہیں محفوظ رکھا، اور آخر انہیں اچھی طرح سے تیار کرکے اور انہیں پوری طرح سے تربیت دیکر اپنے کام کا بنالیا جیسا کہ حضرت موسیٰ کے قصہ میں ارشاد ہوا کہ: "واصطنعتک لنفسی" 'اے موسیٰ میں نے تمہیں اپنے کام کی تربیت دے کر تمہیں اپنے کام کا بنالیا ہے۔

تمام ہادیان اسی مرحلہ سے گزرے، انکو مصطفےٰ پیدا کیا، انکو ہادی بنانے کے لئے اختیار کیا، انکو وحی کے ذریعہ تعلیم دینے اور تربیت کرنے کے لئے انہیں مجتبےٰ بنایا، انکی بچپن سے نگرانی کی، انکی نگہبانی اور نگہداشت کی انہیں ہر طرح سے معصوم رکھا۔ اور ہر ہادی کو اپنے زمانہ میں جتنے علم کی ضرورت تھی انہیں اتنے علم سے آراستہ کرکے ہادیوں کے لئے جو منصب اس نے مقرر کئے تھے اس پر انہیں مبعوث کردیا۔ اوران سے اپنے نبی ہونے رسول ہونے امام ہونے اور ہادی دین ہونے کا اعلان کراکے اپنے معجزہ کے ذریعہ انکی تصدیق کی، کہ یہ ہمارا مقرر کردہ ہادی ہے تاکہ لوگوں کے لئے یقین کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

پس خداوند تعالیٰ نے اولاد آدمؑ کی ہدایت کے لئے پہلے ہادیان دین کو براہ راست وحی کے ذریعہ تربیت کیا اور ان کے زمانے میں جتنے علم کی انہیں ضرورت تھی خود اپنے آپ بذریعہ وحی اتنے علم سے اُسے آراستہ کیا اور باقی اولاد آدمؑ کو ہدایت دینے کے لئے یہ طریقہ مقرر کیا کہ وہ ان ہادیان دین کی اطاعت اور پیروی اختیار کریں جیسا کہ ارشاد ہوا کہ:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله

ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے۔

اور ہادیان دین کی اطاعت وپیروی کرانے کا مقصد وحید صرف اور صرف یہ تھا کہ ان ہادیان دین کی اطاعت واتباع سے اس کے بندے ہدایت پائیں، جیسا کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ:

ان تطیعوہ تھتدوا۔

اگر تم ہمارے پیغمبر کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اور ایک اور دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ:

واتبعوہ لعلکم تھتدون۔

یعنی تم اسکی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ

پس خدا نے ہادیان دین کو تو خود بذریعہ وحی تعلیم دی انکی تربیت کی اور انکو ہدایت دی۔ اور باقی اولاد آدم کی تعلیم وتربیت اور ہدایت کے لئے ان ہادیان دین کو واسطہ بنایا اور انکی اطاعت وپیروی میں انکی ہدایت کو قرار دیا تا کہ آخرت میں بارگاہ خداوندی میں کوئی عذر نہ لاسکیں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ تو نے ہمیں کب بتایا تھا؟ کہ تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ اور کیا نہیں چاہتا؟ یا ہم نے کیا کرنا ہے؟ اور کیا نہیں کرنا؟

پس خداوند تعالیٰ نے ان ہادیان دین کو بھیج کر اور انکی اطاعت وپیروی تمام بنی آدمؑ پر

فرض کر کے ان کے اس عذر کو منقطع کر دیا۔ اور ان پر ہر طرح سے حجت تمام کر دی اسی بات کو خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح سے بیان فرمایا ہے۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلیمان وآتینا داود زبوراً. ورسلاقد قصصنا ھم علیک من قبل ورسلاًلم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسیٰ تکلیما .رسلا مبشرین ومنذرین لئلایکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسول وکان اللہ عزیزا حکیماً۔النساء۔163 تا165

ترجمہ:۔(اے رسول ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد آنے والے پیغمبروں پر وحی بھیجی تھی۔اور جس طرح ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب واولادِ یعقوب وعیسیٰ وایوب ویونس وہارون وسلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داوٗد کو زبور عطا کی۔اور (تم کو بھی اسی طرح سے رسول بنایا ہے جس طرح اور) بہت سے رسول (بنائے) جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا۔اور خدا نے موسیٰ سے بہت سی باتیں کیں۔اور ہم نے نیکوں کو بہشت کی) خوشخبری دینے والے اور (بدوں کو عذاب سے) ڈرانے والے (بہت سے) پیغمبر بھیجے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔اور خدا بڑا ہی زبردست غالب اور حکمت والا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے ان آیات میں بڑے بڑے مشہور ومعروف اور الوالعزم پیغمبروں کا ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اے پیغمبر ہم نے تمہیں اسی طرح سے وحی کی ہے جس طرح ان بڑے بڑے رسولوں اور الوالعزم پیغمبروں کو وحی کی تھی۔اور یہ بھی بتا دیا کہ قرآن میں صرف بڑے بڑے اور مشہور ومعروف اور الوالعزم پیغمبروں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔اور پیغمبر اکرم صلعم کو

صرف ان پیغمبروں کے حالات سنائے گئے ہیں جن کے حالات میں اس امت کے لئے سبق اور ہدایت ہے اور واضح طور پر بتا دیا کہ اس نے اس دن تمام ہادیان دین کو اس لئے مبعوث کیا تھا تا کہ لوگوں کی اللہ کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ خدا کے سامنے کوئی عذر پیش نہ کرسکیں اور نہ ہی وہ خدا پر کسی قسم کا کوئی الزام عائد کرسکیں اسی لئے تمام ہادیان دین خدا کی حجت کہلاتے ہیں۔ اگر چہ قرآن کریم میں صرف مشہور و معروف انبیاء ورسل کا ذکر آیا ہے لیکن روایات سے پتہ چلتا ہے کہ خدا نے انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل بھیجے ان میں سے 313 انبیاء کو منصب نبوت کے ساتھ ساتھ منصب رسالت پر بھی فائز کیا اور انہیں رسول بھی بنایا۔ اور ان 313 رسولوں میں سے 5 رسولوں کو اولوالعزم پیغمبر قرار دیا۔ جن میں سے پہلے حضرت نوحؑ ہیں، دوسرے حضرت ابراھیمؑ ہیں، تیسرے حضرت موسیٰ ہیں، چوتھے حضرت عیسیٰ ہیں اور پانچویں پیغمبر گرامی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں۔ ان پانچ اولعزم پیغمبروں کے علاوہ باقی کے 308 رسول اولوالعزم شمار نہیں ہوتے۔ اور 313 رسولوں کے علاوہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے باقی سب نبی مرتبہ نبوت پر تو فائز تھے لیکن مرتبہ رسالت پر فائز نہیں تھے یعنی وہ رسول نہیں تھے اور مذکورہ 313 رسول، نبی بھی تھے اور رسول بھی تھے۔

خداوند تعالیٰ نے ان تمام انبیاء ورسل کو اپنی وحی کے ذریعہ براہ راست ہدایت کی تھی۔ اور باقی تمام اولاد آدم کی ہدایت کو ان انبیاء ورسل کی اطاعت و پیروی کے ذریعہ قرار دیا تھا، جیسا کہ ارشاد ہوا کہ:

ووھبنا لہ اسحق ویعقوب کلاھدینا ونوحاً ھدینا من قبل ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذالک نجزی المحسنین. وذکریا ویحیٰ وعیسیٰ والیاس وکل من الصالحین. واسمٰعیل

والیسع و یونس ولوطاً وکلاً فضلنا علی العالمین ومن اٰبائهم وذریتهم واخوانهم واجتبینا هم وهدینا هم الی صراط مستقیم ذالک هدی الله یهدی به من یشاء من عباده ولو اشرکوا لحبط عنهم ماکانوا یعلمون .اولئک الذین آتینهم الکتاب والحکم والنبوة فان یکفر بها هٰؤلاء فقد وکلنا بها قوما لیسوبها بکٰفرین اولئک الذین هدی الله فبهداهم اقتده۔الانعام۔85 تا 91

اور ہم نے ابراھیم کو اسحٰق (سا بیٹا) اور یعقوب (سا پوتا) عطا کیا۔اور ہم نے ہی ان سب کو ہدایت دی۔اور ان سے پہلے نوحؑ کو بھی ہم نے ہی ہدایت دی تھی، اور ان ہی کی اولاد سے داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون تھے۔(ان سب کو بھی ہم نے ہی ہدایت کی تھی) اور نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی صلہ عطا کیا کرتے ہیں اور ذکریا ویحیٰ والیاس (کو بھی ہم نے ہی ہدایت کی تھی) اور یہ سب خدا کے نیک بندوں میں سے تھے۔اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (کو بھی ہم نے ہی ہدایت کی اور) ان سب کو سارے جہان پر فضلیت دی (اور صرف انہیں کو نہیں بلکہ) ان کے باپ داداؤں اور انکی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی (بہتیروں کو نبی ورسول بنا کر) ہدایت کی اور ہم نے ان سب کا اچھےٰ کیا ان سب کو مجتبےٰ بنایا ان سب کو منتخب کیا اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت کی۔

یہ ہے خدا کی ہدایت کہ وہ اپنے انبیاء ورسل کو براہ راست ہدایت کرتا ہے۔(اور ان انبیاء ورسل کی اطاعت وپیروی کے ذریعہ اپنے باقی بندوں کی ہدایت کا سامان کرتا ہے) اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس طریقہ سے راہ راست پر لے آتا ہے۔

اور اگر ان لوگوں نے (بھی) شرک کیا ہوتا تو ان کا بھی کیا دھرا سب اکارت ہوجاتا۔(مگر وہ شرک کرنے والے نہیں تھے) بلکہ یہ پیغمبر تو وہ لوگ تھے جن کو ہم نے آسمانی

کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائی تھی۔

پس اگر یہ لوگ اسکا انکار کریں تو کچھ پروانہیں ہے ہم نے تو اس پر ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو انکی طرح انکار کرنے والے نہیں ہیں۔

یہ سارے پیغمبر وہ لوگ تھے جن کی خدا نے ہدایت کی تھی، پس اے پیغمبرؐ تم بھی ان ہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔

مذکورہ آیات میں خداوند تعالیٰ نے ہمیں کئی باتوں سے آگاہ کیا ہے۔

اول:۔ یہ کہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت نوحؑ تک جتنے بھی انبیاء اور ہادیان دین آئے وہ سب کے سب صرف مرتبہ نبوت پر فائز تھے۔ حضرت نوحؑ پہلے نبی ہیں جو مرتبہ نبوت کے ساتھ مرتبہ رسالت پر بھی فائز ہوئے اور وہ الولعزم پیغمبروں میں سے سب سے پہلے اولوالعزم رسول ہیں۔

دوسرے۔ یہ کہ تمام انبیاء کو خدا نے براہ راست ہدایت کی ہے اور انکو ہادی بنانے کے لئے مجتبیٰ بنایا ہے انکا اجتبےٰ کیا ہے اور باقی لوگوں کی ہدایت کے لئے ان انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی اطاعت وپیروی کا حکم دیا ہے۔

تیسرے۔ یہ کہ یہ سارے رسول تمام دنیا جہان کے لوگوں سے افضل تھے اور علی الخصوص ہر رسول اپنے زمانے کے تمام انسانوں سے افضل وبرتر تھا۔

چوتھے۔ یہ کہ خدا نے نہ صرف ان انبیاء کو جن کا نام بنام ان آیات میں ذکر ہوا ہے مجتبےٰ بنایا تھا۔ ان کا اجتبےٰ کیا تھا اور انہیں برگزیدہ کیا تھا بلکہ ان کے آباؤ اجداد میں سے بھی اور انکی ذریت اور اولاد میں سے بھی اور انکے بھائیوں میں سے بھی بہت سے انبیاء ورسل کو اور ہادیان دین کو مجتبیٰ بنایا تھا انکا اجتبےٰ کیا تھا اور انہیں برگزیدہ کیا تھا اور برگزیدہ بنا کر، منتخب کر کے، مجتبےٰ بنا کر، اور انکا اجتبےٰ کر کے انہیں صراط مستقیم کی طرف خود ہدایت کی تھی، یعنی

جسے وہ مجتبے بناتا ہے اسے ہر طرح سے معصوم رکھتے ہوئے براہ راست ہدایت کر کے دوسروں کی ہدایت کا کام انہیں سونپتا ہے۔

پانچویں۔یہ کہ خدا ان آیات میں یہ کہتا ہے کہ وہ ان انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو تو براہ راست ہدایت کرتا ہے اور اپنے بندوں کو ان مجتبے بندوں کی اطاعت وپیروی کرنے کا حکم دے کر ہدایت یافتہ بناتا ہے، یہ اللہ کی ہدایت کرنا ہے۔

''ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء من عبادہ''

چھٹے۔ان آیات سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ابراھیم علیھم السلام کے بعد نبوت ورسالت اور ہادیان دین کا آنا ابراھیم علیہ السلام کی ذریت کے ساتھ مخصوص ہوگیا ہے۔ یعنی حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بعد اب اور کسی کی نسل میں سے کوئی ہادی نہیں آئیگا اور اسکا بیان سورہ العنکبوت میں بھی واضح طور پر کردیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

وھبنا لہ اسحق ویعقوب وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب وآتینا اجرہ فی الدنیا وانہ فی الآخرۃ لمن الصالحین۔العنکبوت۔27

یعنی ہم نے ابراھیم کو اسحٰق (سا بیٹا) اور یعقوب (سا پوتا) عطا کیا اور (قیامت تک کیلئے) اس کی ذریت میں نبوت وکتاب کو قرار دیدیا (یعنی اب قیامت تک نہ تو ابراھیمؑ کی اولاد کے سوا کسی اور نسل سے کوئی نبی آئیگا۔نہ کوئی رسول آئیگا، نہ ہی کوئی ہادی دین اسکی نسل سے باہر ہوگا) اس طرح ہم نے اسکو اسکا اجر دنیا میں بھی دیدیا۔اور بے شک آخرت میں تو وہ یقینی طور پر صالحین میں سے ہے ہی۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح سے لکھتے ہیں۔

ف۔11: یعنی حضرت ابراھیم کے بعد بجز انکی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی اور پیغمبری

نہ دی جائیگی۔چنانچہ جس قدر انبیاء ان کے بعد تشریف لائے ان ہی کی ذریت سے تھے۔اسی لئے ان کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے۔تفسیر عثمانی صفحہ 517

اور سورہ صافات میں خداوند تعالیٰ حضرت ابراھیم کے لئے حضرت اسحٰق کی بشارت ایک نئے انداز سے دیتا ہے جو ایک خاص بات کے لئے حتمی فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہے جس کا ذکر آگے چل کر وارثان قرآن کے سلسلہ میں کیا جائیگا۔حضرت اسحٰق کی وہ بشارت اس طرح سے ہے:

وبشرناه باسحق نبياً من الصالحين وباركنا عليه وعلى اسحق ومن ذريتها محسن وظالم لنفسه مبين۔الصافات۔133-112

اور ہم نے ابراھیم کو اسحٰق (کے پیدا ہونے کی بھی) خوشخبری دی تھی جو ایک نیکوکار نبی تھے۔اور ہم نے خود ابراھیم پر اور اسحٰق پر اپنی برکت نازل کی اور ان دونوں کی نسل میں بعض تو نیکوکار تھے اور بعض (نافرمانی کرکے) اپنی جان پر صریحی ظلم ڈھانے والے تھے۔

تفسیر التبیان میں ان آیات کی تفسیر میں اس طرح سے لکھا ہے "یقول الله تعالیٰ بعد ان ذكر قصة ابراهيم وولده الذى اخبر الله بذبحه على مافسرناه ،بشره باسحق ولداً له آخر نعمة عليه مجدده لما فعل من المسارعة الى ما امره الله به وصبره على احتمال المشقته فيه وبين انه نبياًمن الصالحين وانه بارک علیه يعنى علىٰ يعقوب وعلىٰ اسحق وخلق من ذريتهماالخلق الكثير.فمنهم محسن يفعل الطاعات،ومنهم ظالم لنفسه بارتكاب المعاصى بسوء اختياره مبين اى بين ظاهر۔تفسیر التبیان جلد 8 صفحہ 521

ترجمہ:۔ خداوند تعالیٰ حضرت ابراھیم اور ان کے اس بیٹے کا قصہ بیان کرنے کے بعد، جس کے ذبح کرنے کی اللہ نے خبر دی تھی جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کیا ہے حضرت ابراھیم کو

دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔

جوان پر خدا کے حکم کی تعمیل کرنے میں جلدی کرنے اور اس میں ہونے والی مشقت کے احتمال پر صبر کرنے کی وجہ سے ایک اور نئی نعمت تھی ۔اور ان کو یہ بتلادیا کہ وہ (اسحٰق) صالح انبیاء میں سے ہونگے اور اللہ نے ان پر یعنی یعقوب پر اور اسحٰق پر اپنی برکت نازل کی ہے ۔اور ان دونوں کی نسل میں خلق کثیر پیدا کی اور ان کی ذریت میں پیدا ہونے والی اس کثیر مخلوق میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو نیک کام کرنے والے ہیں اطاعت کا عمل بجالا کر ،اور بہت سے گناہ کر کے ،اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں ۔اپنے اختیار سے ظاہر بظاہر۔

اسی مضمون کی ایک آیت سورہ حدید میں بھی آئی ہے جو اس طرح ہے:

ولقد ارسلنا نوحاً وابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب فمنھم مھتد .و کثیر منھم فاسقون ۔الحدید۔

ترجمہ:۔ اور بیشک ہم نے نوح اور ابراھیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان ہی دونون کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کی تو ان کی اولاد میں سے بعض ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں کے بہت سے بدکار ہیں۔

اس آیت کی رو سے حضرت نوح کے بعد حضرت ابراھیم تک جتنے انبیاء ورسل آئے وہ سب کے سب حضرت نوح کی اولاد میں سے آئے اور حضرت ابراھیم کے بعد جتنے نبی اور رسول آئے وہ سب کے سب حضرت ابراھیم کی نسل اور انکی اولاد سے آئے لیکن سورہ الحدید اور سورہ الصافات کی مذکورہ آیات میں جو یہ کہا گیا ہے کہ انکی ذریت میں ہدایت یافتہ یا نیکوکار بھی ہیں اور بدکار اور فاسق بھی تو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ چونکہ ان کی ذریت میں نبوت وکتاب قرار دیدی گئی ہے تو ان انبیاء ورسل میں سے بعض ہدایت یافتہ اور نیکوکار تھے ،اور بعض بدکار اور فاسق تھے ، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ انکی ذریت میں تو ہدایت یافتہ

اور نیکو کار بھی تھے اور بدکار اور فاسق بھی تھے مگر انبیاء ورسل انہیں میں سے مقرر کئے گئے جو کہ ہدایت یافتہ اور نیکو کار تھے۔ اور یہ اظہار اس لئے کیا گیا تا کہ اسکے بندے یہ جان لیں، کہ ذریت ابراھیم میں سے ہر کوئی نبوت ورسالت پر فائز ہونے کے لائق نہیں ہے اور یہی طرز بیان خداوند تعالیٰ نے وارثان قران کے بارے میں اپنایا ہے جس کا بیان آگے اپنے مقام پر آئیگا

ساتویں۔ ان آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ اولئک الذین هدی الله فبهداهم اقتده ۔یعنی یہ سارے پیغمبر جن کا ان آیات میں ذکر ہوا ہے وہ ہیں جنکو خدا نے براہ راست ہدایت دی تھی، لہذا اے پیغمبر تم بھی انکی ہدایت کی پیروی کرو۔ تو اس پیروی سے مراد انکی شریعت کی پیروی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ پہلے ہر نبی کی شریعت علیحدہ تھی اور ہمارے پیغمبر کی شریعت علیحدہ ہے۔ لہذا اس آیت میں پیغمبروں کی شریعت کی پیروی مراد نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس سے وہ دوسری بنیادی ہدایات مراد ہیں جو توحید وقیامت اپنے سے پہلے انبیاء کی تصدیق کرنا اور اپنے بعد آنے والے ہادیوں کی خبر دے کر جانا پر مشتمل ہے، کیونکہ کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے اپنے سے پہلے نبی کی تصدیق نہ کی ہو، اور اپنے بعد آنے والے ہادی کا نام بتلا کر نہ گیا ہو۔

ذریت ابراھیم سے ہادیوں کے آنے کا سبب

سورہ العنکبوت کی مذکورہ آیت نمبر 27 میں حضرت ابراھیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب قرار دینے کا ذکر کر کے خداوند تعالیٰ خود اس بات کا سبب بیان کر رہا ہے کہ ہم نے ہادیوں کا آنا حضرت ابراھیم کی اولاد کے ساتھ کیوں مخصوص کر دیا اور وہ سبب اس نے یہ بتلایا ہے، کہ حضرت ابراھیم کے کفار کے ساتھ مجاہدہ ومبارزہ اور توحید کیلئے ان کی کوششوں کا جو اجر آخرت میں انکو ملے گا، وہ تو ملے گا ہی، اور وہ یہ ہے کہ:

انه فی الاخرہ لمن الصالحین

یعنی وہ آخرت میں صالحین میں سے ہونگے

لیکن نبوت ورسالت کو اور کتاب کو قیامت تک کیلئے اولاد ابراھیم کے ساتھ مخصوص کر کے ہم نے انہیں یہ دنیا میں اجر دیا ہے۔ و آتیناہ اجرہ فی الدنیا - یہ دنیا میں ان کے لئے اجر ہے کہ اب قیامت تک جو بھی نبی و رسول اور ہادی آئیگا وہ اولاد ابراھیم میں سے ہوگا۔ یعنی نہ تو اولاد ابراھیم کے سوا کتاب اور کسی پر نازل ہوگی، اور نہ ہی قیامت تک کوئی اور ہادی ابراھیمؑ کی اولاد کے سوا کسی اور نسل سے ہوگا۔

حضرت ابراھیمؑ کی اپنی ذریت کے لئے نبوت ورسالت کی دعا

حضرت ابراھیمؑ نے توحید کی تبلیغ کے سلسلہ میں جو کارنمایاں انجام دیا اور بت پرستوں ،سورج پرستوں، ستارہ پرستوں اور خود نمرود کے خلاف جس طرح سے مجاہدہ اور مبارزہ کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، اگر محض اس کارنمایاں کے صلے میں خدا حضرت ابراھیمؑ کو دنیا میں یہ اجر دیتا کہ قیامت تک جو نبی آئیگا وہ ذریت ابراھیم سے ہوگا اور جو بھی کتاب نازل ہوگی وہ اولاد ابراھیم میں سے ہی کسی پر نازل ہوگی، تو وہ اس کارنمایاں پر بھی حضرت ابراھیمؑ کو خود سے دنیا میں یہ اجر دے سکتا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراھیمؑ نے خود خاص خاص مواقع پر اس قسم کی دعائیں بھی کی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ اب جو بھی ہادی آئے وہ انکی اولاد میں سے آئے اور جو بھی کتاب نازل ہو وہ انکی اولاد میں سے ان پر نازل ہو جو اس کے برگزیدہ نیک اور ہدایت یافتہ ہوں۔

اور اس کے جواب میں ہم دیکھتے ہیں کہ خدا نے بھی حضرت ابراھیمؑ کی دعاؤں کو قبول اور منظور کرنے کا اعلان کیا ہے۔

چنانچہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراھیمؑ نے جو دعائیں کیں انہیں خدا نے

قران میں اس طرح بیان کیا ہے۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم .ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم .ربنا وا بعث فیھم رسولا منھم یتلو اعلیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمة ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم .ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفة نفسه .ولقد اصطفیناہ فی الدنیا وانه فی الاخرہ لمن الصالحین ۔البقرہ۔130 تا 132

ترجمہ:۔اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراھیم اور اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پرودگار ہماری (یہ خدمت) قبول کرلے۔ بیشک تو ہی (دعاوں کا) سننے والا ہے اور نیتوں کا جاننے والا ہے اور اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں اپنا فرمانبردار بندہ بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ (ایسا پیدا کر) جو (ہر طرح سے) تیرا فرمانبردار رہے۔ اور ہمیں ہمارے مناسک حج دکھادے اور ہماری توبہ قبول کرلے۔ بیشک تو بڑا ہی توبہ کا قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اے ہمارے پروردگار۔ ہماری اولاد میں سے جو ہر طرح سے تیرے فرمانبردار رہیں ان ہی میں سے ان میں ایک کو رسول بنا کر مبعوث فرما۔ جو انکو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور آسمانی کتاب عقل ودانش اور حکمت کی باتیں سکھائے۔ اور انکے نفوس کو پاکیزہ کردے بیشک تو غالب اور صاحب تدبیر وحکمت ہے اور ایسا کون ہے جو ابراھیمؑ کے طریقہ سے روگردانی کرے مگر وہی جو خود اپنے کو احمق بنائے اور بیشک ہم نے ان (ابراھیمؑ) کو دنیا میں بھی مصطفٰے بنایا تھا اور انہیں برگزیدہ اور منتخب کیا تھا۔ اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے

ہونگے۔

ان آیات میں چند باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

اول۔ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی۔

دوسرے۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا اس وقت کی جب دونوں باپ بیٹے یعنی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔

تیسرے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی خدمت کو قبول کرنے کی دعا کے بعد خود کو اور حضرت اسمٰعیل کو اپنا فرمانبردار اور اطاعت شعار بنائے رکھنے کی دعا کی۔

چوتھے۔ حضرت ابراہیم نے یہ دعا کی کہ ہم دونوں کی اولاد میں سے ایک گروہ ایسا پیدا کر جو ہماری طرح خالص تیرا فرمانبردار اور اطاعت شعار رہے یعنی وہ ایک لمحہ کے لئے بھی بت پرستی کی طرف مائل نہ ہوں۔ جیسا کہ سورہ ابراہیم میں بھی انہوں نے صرف انہیں کو اپنا کہا ہے جو انکی پیروی کرتے ہوئے کبھی بت پرستی نہ کریں جیسا کہ ارشاد ہوا۔

واذقال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد آمنا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام .رب انھن اضللن کثیراً من الناس فمن تبعنی فانه منی.ومن عصانی فانک غفور رحیم۔(ابراھیم۔36-35)

ترجمہ:۔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے خدا سے دعا کی تھی کہ پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن وامان کی جگہ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے رکھ کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں۔ اے میرے پالنے والے بیشک ان بتوں نے تو بہت سے لوگوں کو گمراہ بنا چھوڑا ہے۔ پس میری اولاد میں سے جو شخص میری پیروی کرے (اور بتوں کی پرستش سے بچا رہے) وہ تو مجھ سے ہے، اور میرا ہے، اور جو میری نافرمانی کرے (اور بتوں کی پرستش کرنے لگ جائے) میری یہ دعا اس کیلئے نہیں ہے (البتہ تجھے اختیار ہے بخشنے

اور نہ بخشنے کا) تو تو بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراھیم واسمٰعیل کی اولاد میں پیغمبر گرامی اسلام کے زمانہ تک ان کے خاندان میں کچھ لوگ ایسے رہے ہیں، جنہوں نے ہرگز بت پرستی نہیں کی اور وہ ہر حال میں خدا ہی کے اطاعت شعار اور فرمانبردار رہے اور انہیں کو ''فمن تبعنی فانه منی'' کہا ہے۔ اور وہی وہ لوگ تھے جو ہر وقت خدا کے اطاعت شعار رہنے کی بنا پر حضرت ابراھیمؑ کی دعا کا مصداق تھے جن میں سے ایک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

پانچویں۔ ان آیات میں حضرت ابراھیمؑ نے یہ دعا کی کہ ہم دونوں یعنی ابراھیم واسمٰعیل کی اولاد کے اس گروہ میں سے جو خالص تیرا فرمانبردار اور اطاعت شعار رہے، ان میں، ان ہی میں سے، ایک کو رسول بنا کر مبعوث کردے، جو انہیں تیری آیات پڑھ پڑھ کر سنائے اور کتاب اور حکمت اور عقل ودانش کی انہیں تعلیم دے اور انکو پاک وپاکیزہ بنائے اور ان کا تزکیہ نفس کرے۔

چھٹے۔ خداوند تعالی حضرت ابراھیم کی ان دعاؤں کو بیان کرنے کے بعد اپنی طرف سے کہتا ہے کہ ابراھیم کی ملت سے روگردانی کون کرسکتا ہے۔ سوائے احمق کے کیونکہ یقینی طور پر ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کرلیا تھا انہیں برگزیدہ کیا تھا انکو مصطفٰے بنایا تھا۔ اور آخرت میں تو وہ یقینی طور پر صالحین میں سے ہونگے ہی۔

اور خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراھیم کی اس دعا کو قبول ومنظور کرنے کا اعلان قران میں اس طرح سے کیا ہے۔

لقد من الله علی المومنین اذبعث فیهم رسولاً من انفسهم یتلوا علیهم آیاته ویز کیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة۔ آل عمران۔ 164

ترجمہ:۔ یقینی طور پر خدا نے مومنین پر یہ احسان کیا کہ ان کے واسطے ان ہی میں سے ایک کو رسول بنا کر مبعوث کیا جو انہیں خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور اُنکا تزکیہ نفس کر کے انہیں پاک و پاکیزہ بناتا ہے اور انہیں کتاب اور عقل و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے مبعوث برسالت ہونے سے پہلے اولاد ابراھیم کے کئی افراد ایسے موجود تھے جو حضرت ابراھیم کی دعا کے مطابق خدا کے فرمانبردار اور اطاعت شعار تھے اور ''فمن تبعنی فانه منی'' کے مطابق بت پرستی سے بچے ہوئے تھے، اور پیغمبر اکرمؐ ان ہی افراد میں سے ایک تھے، اور ان ہی میں پیغمبرؐ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ پس حضرت ابراھیمؑ کی اولاد میں کتاب و حکمت کا رہنا حضرت ابراھیمؑ کی دعا کا نتیجہ بھی تھا۔

حضرت ابراھیمؑ کی اپنی ذریت کے لئے امامت کی دعا

قران کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت ابراھیم نے تعمیر کعبہ کے وقت اپنی اور حضرت اسمٰعیل کی ذریت میں ایک ایسے گروہ کے ہونیکی دعا کی تھی جو خدا کا اطاعت شعار و فرمانبردار رہے، اور ہرگز ہرگز بتوں کی پرستش نہ کرے اور اپنی ذریت کے اس اطاعت شعار و فرمانبردار گروہ میں سے ان ہی میں ایک کو رسول بنا کر مبعوث کرنے کی دعا کی تھی، اسی طرح جب حضرت ابراھیم کو منصب امامت عطا کیا اور انہیں منصب امامت پر سرفراز فرمایا گیا تو آپ نے اس منصب امامت کے لئے بھی خدا سے اپنی ذریت میں سے امام بنائے جانے کی دعا کی تھی، جیسا کہ ارشاد قدرت ہے کہ:

واذ ابتلیٰ ابراھیم ربه بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماماً. قال ومن ذریتی قال لاینال عھدا لظالمین۔ البقرہ۔124

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراھیمؑ کا اُس کے رب نے کئی باتوں میں امتحان لیا اور

ابراھیمؑ نے ان سب کو پورا کر دیا (تب خدا نے) فرمایا کہ میں تم کو کل آدمیوں کا امام مقرر کرتا ہوں (ابراھیمؑ نے) عرض کیا (اے میرے پروردگار) اور میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا) خدا نے فرمایا جو ظالم ہونگے وہ میرے عہد سے فائدہ نہ اٹھائینگے۔

حضرت ابراھیم کو یہ عہدہ امامت خدا کے ارشاد کے مطابق کئی امتحانوں میں کامیاب ہونے کے بعد عطا ہوا تھا۔ اور انبیاء علیھم السلام میں حضرت ابراھیمؑ سب سے پہلے نبی ورسول ہیں جن کو عہدہ امامت عطا کیا گیا، ان سے پہلے جتنے انبیاء ہوئے وہ یا فقط نبی تھے یا منصب نبوت کے علاوہ منصب رسالت پر بھی فائز تھے، لیکن حضرت ابراھیمؑ کو پہلی مرتبہ عہدہ نبوت ورسالت کے ساتھ منصب رسالت پر بھی فائز کیا گیا اس طرح وہ پہلی ہستی ہیں جو نبی بھی تھے رسول بھی تھے اور امام بھی تھے۔ حضرت ابراھیمؑ تقریباً سو (100) سال تک بابل میں رہتے ہوئے کفر وشرک وبت پرستی کے خلاف مجاہدہ ومبارزہ کرتے رہے اور اس وقت آپ منصب نبوت ورسالت پر فائز تھے، اور یہ بات قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے جو یہ کہتی ہے کہ حضرت ابراھیم نے اپنے چچا سے یہ کہا کہ:

یا ابت انی قد جاء نی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اھدک صراطاً سوی۔ مریم۔ 44

اے بابا جان یقیناً میرے پاس وہ علم آچکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ تو آپ میری پیروی کیجئے۔ میں آپ کو دین کی سیدھی راہ دکھادونگا۔

اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابراھیم بابل میں رہتے ہوئے نبی ورسول کی حیثیت سے کار رسالت انجام دینے پر ناموں تھے اور انکو اس بارے میں ضروری علم عطا کر دیا گیا تھا۔

دوسری آیت جو یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت ابراھیم ہجرت سے پہلے بابل میں رہتے

ہوئے نبی ورسول کی حیثیت سے ہی کار رسالت انجام دے رہے تھے،وہ ہے جس میں خداوند تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ؛

فآمن لہ لوط قال انی مھاجر الی ربی انہ ھو العزیز الحکیم۔العنکبوت۔26

پس (حضرت ابراھیم کی ہدایت بھری باتیں سن کر) حضرت لوط ان پر ایمان لے آئے اور انہوں نے یہ کہا کہ میں اپنے رب کے حکم کی طرف ہجرت کرتا ہوں بیشک وہ زبردست غالب اور حکمت والا ہے۔

تفسیر التبیان میں اسکی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

حکی اللہ سبحانہ ان ابراھیم لما دعا قومہ الی اخلاص عبادۃ اللہ ،وترک عبادۃ الاوثان ،وقبح فعلھم فی ذالک،انہ صدق بہ لو ط علیھم السلام وآمن بہ وکان ابن اختہ فابراھیم خالہ وھو قول ابن عباس و ابن زید والضحاک وجمیع المفسرین .وقال لوط :"انی مھاجر الی ربی" معناہ ای خارج من جملۃ الظالمین علی جھۃ الھجر لھم لقبیح افعالھم الی حیث امر ربی۔تفسیر التبیان جلد 8 صفحہ 201

یعنی خدا سبحانہ حضرت ابراھیم کا قصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے، کہ جب ابراھیم نے اپنی قوم کو اللہ کی خالص عبادت کی طرف دعوت دی اور بتوں کی پرستش سے روکا اور اس سلسلہ میں انکے فعل کی برائی ان پر ظاہر کی،تو صرف حضرت لوط نے انکی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے ،اور وہ حضرت ابراھیم کی بہن کے بیٹے تھے اور حضرت ابراھیم ان کے ماموں تھے اور ابن عباس۔ابن زید۔ضحاک اور تمام مفسرین کا قول یہی ہے۔اور لوط نے حضرت ابراھیم پر ایمان لانے کے بعد کہا:

''انی مھاجر الیٰ ربی''، تو اسکا معنی یہ ہے کہ میں تمام ظالموں کے گروہ سے باہر ہوتا ہوں جہاں کا میرے رب نے حکم دیا ہے۔

ان آیات میں صاف اور واضح طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابراھیم بابل میں رہتے ہوئے سورج چاند اور ستاروں کی پرستش کرنے والوں کے ساتھ مناظرہ اور بت پرستوں اور نمرود جیسے جابر بادشاہ کے خلاف مجاہدہ، منصب نبوت و رسالت پر فائز رہتے ہوئے ہی فرمارہے تھے۔

لہذا بعض دانشوروں کا اور مفکرین کا یہ سمجھنا اور یہ کہنا کہ خدا نے حضرت ابراھیم کی امامت کا جو اعلان کیا ہے یہ دراصل انکی نبوت و رسالت کا اعلان ہے، قطعی غلط اور بے بنیاد ہے، اور امامت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہے،

درانحالیکہ بابل میں ابراھیمؑ کا آگ میں پھینکا جانا، اور اس وقت خدا کا یہ فرمانا کہ

۔''قلنا یا نار کونی برداَو سلاماًعلیٰ ابراھیم ''۔الانبیاء۔69

یعنی اے آگ ابراھیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا حضرت ابراھیمؑ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کیلئے خرق عادت تھا۔ اور خدائی معجزہ تھا۔

یہ سب ابراھیمؑ کے امتحانات تھے، لیکن سب سے بڑا امتحان جسے قرآن نے واضح الفاظ میں ''بلاء مبین''، یعنی کھلی ہوئی آزمائش کہا ہے وہ اس اکلوتے بیٹے کی راہ خدا میں قربانی دینا ہے، جسے بڑھاپے میں دعا مانگنے کے بعد خدا نے عطا فرمایا تھا۔

اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ حضرت ابراھیم کی قربانی کا واقعہ بابل سے ہجرت کے بعد اس دن پیش آیا جب حضرت اسمٰعیل کچھ بڑے ہوگئے اور باپ کے ساتھ خانہ کعبہ کی تعمیر میں شریک رہے، تو خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد مناسک حج کی ادائیگی میں یہ واقعہ پیش آیا۔

پس اس وقت تک حضرت ابراھیم خلیل خدا۔ الوالعزم پیغمبر اور نبی ورسول کی حیثیت سے تمام فرائض انجام دے رہے تھے۔ اور چونکہ نبی کا خواب بمنزلہ وحی کے ہوتا ہے لہذا حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا خواب میں دیکھنا بھی وحی قرار پاتا ہے۔ ورنہ اگر یہ عام آدمی کا خواب ہوتا تو ایسے خواب پر عمل کرنا دشوار ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جب ابراھیمؑ نے بیٹے سے اپنا خواب بیان کر کے انکی رائے لی تو انہوں نے فرمایا:

قال یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ والصافات۔ 102

یعنی حضرت اسمٰعیل نے کہا ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے اس کو بے تامل بجالایئے، ان شاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پایئے گا۔

ایک نبی نے اپنا خواب بیان کیا، دوسرا نبی اس کی تفسیر کرتا ہے کہ یہ خدا نے آپ کو حکم دیا ہے۔

پس جب ابراھیم اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تو ارشاد ہوا۔

"قال انی جاعلک للناس اماما"

اے ابراھیم میں تجھے انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ اس اعلان امامت کو ابراھیم کی نبوت ورسالت کا اعلان نہیں کہا جا سکتا۔

عقیدہ امامت سے انحراف کے لئے جہاں بعض لوگوں نے اسے ابراھیم کی نبوت ورسالت کا اعلان قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہاں عقیدہ امامت سے انحراف کے لئے ہی بعض لوگوں نے امامت اور خلافت کو بھی خلط ملط کر دینے کی کوشش کی ہے اور ان دونوں کو ایک ہی چیز سمجھ لیا ہے۔

حالانکہ قرآن میں لفظ خلیفہ وخلفا وخلائف جہاں بھی آیا ہے وہ لفظ ''الارض'' کے ساتھ آیا ہے یعنی ''فی الارض خلیفہ''. ''خلیفہ فی الارض''. ''خلائف فی الارض''. ''لیستخلفنکم فی الارض''. ''لیستخلفکم فی الارض''اور ہم نے اس معنی کی تحقیق کیلئے اپنی کتاب ''خلافت قرآن کی نظر میں''تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے

لیکن خدا نے امامت کے لئے فرمایا: ''انی جاعلک للناس اماماً ''پس خلافت زمین کی وراثت کے معنی میں ہے ۔یعنی گذرے ہوئے لوگوں کی جگہ زمین پر آباد ہونے والے،اور زمین پر گذرے ہوئے لوگوں کی جگہ لینے والے۔

لیکن امامت کا تعلق انسانوں کی ہدایت سے ہے جیسا کہ فرمایا: ''وجعلنا هم آئمة یهدون بامرنا''

یعنی ہم نے انکو امام بنایا اور وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے،یعنی امام لوگوں کا ھادی ہوتا ہے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراھیمؑ کو نبوت ورسالت کے فرائض انجام دیتے ہوئے ان کا چند باتوں میں امتحان لینے کے بعد عہدہ امامت عطا کیا تھا۔لہذا حضرت ابراھیم جیسے اولوالعزم پیغمبر کو نبوت ورسالت پر فائز رہتے ہوئے اتنے کٹھن امتحان لینے کے بعد ان کے امام بنائے جانے کا اعلان یہ ثابت کرتا ہے کہ،خدا کے نزدیک عہدہ امامت نبوت ورسالت سے علیحدہ اور جداگانہ ایک عظیم عہدہ اور منصب ہے،اور یہ سمجھنا قطعی غلط ہے کہ اس اعلان امامت سے مراد انکی نبوت ورسالت کا اعلان ہے۔

دوسرے حضرت ابراھیم کا اس عہدہ امامت کے لئے''قال ومن ذریتی '' کہہ کر اپنی ذریت کے لئے دعا کرنا بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ عہدہ امامت ایک مستقل اور نبوت

ورسالت سے علیحدہ ایک منصب ہے۔ کیونکہ حضرت ابراھیم اپنی ذریت میں رسول بنائے جانے کی دعا تو پہلے ہی تعمیر کعبہ کے بعد دعا کرتے ہوئے کر چکے تھے۔

تیسرے آیت کے الفاظ ''لاینال عھد الظالمین '' سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ منصب نبوت ورسالت سے الگ ایک مستقل عہدہ اور منصب ہے اور یہ فقرہ قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت اور اختصار وایجاز بیانی کی ایک بہترین اور عمدہ ترین مثال ہے۔ کیونکہ لغت میں ''عہد'' اس وعدے اور اقرار کو کہتے ہیں جس کے پورا کرنے کا کسی نے ذمہ لے لیا ہو۔ (مفردات راغب اصفحانی)

لہذا اس لفظ کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے یہ کہا جاتا کہ اے ابراھیم میں نے تمہاری ذریت کے لے امامت کے بارے میں تمہاری دعا کو قبول اور منظور کرلیا ہے میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں، یا میں تم سے یہ عہد کرتا ہوں، اور اقرار کرتا ہوں، اور اس بات کا ذمہ لیتا ہوں، کہ میں تیری ذریت میں سے بھی ضرور امام بناؤں گا۔ اور اتنا مضمون کہنے کے بعد ابراھیم کی غیر معصوم اولاد کا استثنٰی کرنے کے لئے یہ کہتا ہے کہ: ''لا ینال عھد الظالمین'' یعنی جس وعدہ اور جس عہد واقرار کو پورا کرنے کا میں نے ذمہ لیا ہے وہ تمہاری اولاد میں سے صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو ظالم نہ ہونگے، بالفاظ دیگر تیری ذریت میں سے جو معصوم ہونگے صرف انکو امام بناؤنگا۔

اور یہ قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت اور اختصار وایجاز بیانی کی عمدہ ترین مثال ہے کہ اتنے بڑے مضمون کو صرف 'لاینال عھد الظالمین' کے مختصر ترین جملہ میں سمودیا۔

بہر حال قرآن کریم سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ نبوت ورسالت کے علاوہ ''امامت'' بھی ھادیان دین کے مناصب میں سے ایک منصب اور عہدہ ہے اور یہ عہدہ امامت ذریت ابراھیم میں سے صرف انکو ملے گا جو معصوم ہونگے، اور حضرت ابراھیم نے

اپنی ذریت کے لئے امامت کے اسی منصب عظیم کے لئے دعا کی تھی۔

ہادیان دین کا فریضہ اور لوگوں کا طرز عمل

اب تک کے بیان سے جو کچھ ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ہادیان دین کے تین مناصب اور عہدے ہیں۔ایک نبوت دوسرے رسالت اور تیسرے امامت۔اور خدا نے انسانوں کی ہدایت کے لے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے تو انسانوں میں سے ہی نبی ورسول وامام منتخب کر کے ان کا پیدائشی طور پر اصطفے کر کے،انہیں مصطفٰے بنا کے،بچپن سے ہی انہیں ان مناصب کے لیے تیار کیا۔انکی تربیت کی،اور جتنے علم کی انہیں وقت کے لحاظ سے ضرورت تھی،بذریعہ وحی اتنا علم انکو دیا۔انکے بچپن سے وفات تک انکی نگرانی ونگہبانی کی،انہیں ہر طرح سے معصوم رکھا،اور ان سے انکے منصب کا اعلان کرا کر،معجزہ کے ذریعہ انکی تصدیق کی،اس طرح انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو تو خود تعلیم دی،اور انکی تربیت کی،اور لوگوں کی ہدایت کے لئے،یہ طریقہ اختیار کیا،کہ وہ ان انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی اطاعت واتباع کریں۔جیسا کہ فرمایا:

وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله

ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اسکی خدا کے حکم سے اطاعت کیجائے۔

اوران انبیاء ورسل کی اطاعت کو خود اپنی اطاعت قرار دیا۔جیسا کہ فرمایا:

ومن يطع الرسول فقد اطاع الله

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقینی طور پر خدا ہی کی اطاعت کی۔

خداوند تعالٰی نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے،اور کسی اور دوسرے انسان کا محکوم یا غلام نہیں بنایا۔اور انسانوں پر اپنی اطاعت کے سوا اور کسی کی اطاعت فرض نہیں کی۔کیونکہ صرف وہی حاکم حقیقی ہے،کیونکہ وہی خالق ومالک ورزاق ہے وپالک ہے۔لہذا انسانوں پر اور کوئی بھی

انسان حکومت کرنے کا حق نہیں رکھتا، لیکن ھادیان دین کی اطاعت وپیروی اس لئے فرض کی، کیونکہ انسان صرف انکی اطاعت وپیری کے ذریعہ ہی، خدا کی ہدایت سے بہرہ اندوز ہوسکتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

وان تطیعوہ تھتدوا

اگر تم نے اسکی اطاعت کروگے تو ہدایت یافتہ ہوجاؤ گے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

واتبعوہ لعلکم تھتدون۔ الاعراف 158

اور تم ہمارے پیغمبر کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت یافتہ ہوجاؤ۔

پس انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی اطاعت کا حکم اس لئے ہے کہ اس طرح انسان خدا کی ہدایت سے بہرہ اندوز ہوسکتا ہے۔ کیونکہ انکی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، لہذا انسانوں کیلئے خدا کی طرف سے، صرف ہادیان دین ہی، اطاعت واتباع کے مستحق ہیں، اور وہی حکومت الہیہ کے اصلی نمایندہ ہیں، اور انکی حکومت ہی دراصل خدا کی حکومت ہے لیکن اکثر انسانوں نے اور اولاد آدم کی اکثریت نے کبھی بھی انبیاء ورسل کی اطاعت نہیں کی، اور وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔ اور ہمیشہ ان سے سرکشی کی، اور ان کے مقابلہ میں ہر زمانہ میں خود مختلف طریقوں سے برسر اقتدار آتے رہے اور لوگوں پر حکم چلاتے رہے اور اکثر انبیاء ورسل اور ہادیان دین مجبور ومقہور اپنے چند گنے چنے ماننے والوں کے ساتھ، گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور اپنے زمانہ کے خود سے برسر اقتدار آنے والے حاکموں کے قہر وغضب کا نشانہ بنتے رہے اس سے بڑھ کر قہر وغضب اور کیا ہوگا، کہ حضرت ذکریا علیہ السلام کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پاداش میں بادشاہ وقت کے حکم سے، آرے سے چیرا گیا، اور حضرت یحییٰ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سزا میں انکا سر طشت میں رکھ کر

قلم کیا گیا۔

خدا کی طرف سے مقرر کردہ نبی ورسول اور ہادیان دین پر جن کی اطاعت واتباع فرض تھی، دوسرے انسانوں میں سے بنے ہوئے حکام جور کے ظلم وستم کی مثال کا یہ ایک نمونہ ہے۔

انبیاء ورسل خدا کے مقرر کردہ ہادی بھی تھے اور حاکم بھی

چونکہ خداوند تعالٰی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ انسانوں میں سے ہی کچھ انسانوں کو اس نے پیدائشی طور پر ایسی صلاحیت وقابلیت واستعداد کے ساتھ پیدا کیا تھا کہ وہ ان کو ہادی بنانے کے لئے تعلیم دے کر اور انکی خود تربیت کر کے انہیں منصب نبوت ورسالت وہدایت پر فائز کر سکے چنانچہ اس پیدائشی صلاحیت وقابلیت واستعداد کو اس نے قران میں لفظ اصطفٰی کے ساتھ بیان کیا ہے اور اپنے ان مصطفٰے بندوں کی ہمہ وقت نگرانی ونگہداشت وتعلیم وتربیت کو اس نے لفظ اجتبٰے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس خدا نے اپنے ان مصطفٰے ومجتبٰے بندوں کو تو خود ہدایت دی اور باقی انسانوں کی ہدایت کو ان ہادیان دین کی اطاعت واتباع کے ذریعہ قرار دیا۔ لہذا تمام انبیاء ورسل خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہادی بھی تھے اور اسکا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اسکی طرف سے اسکی مخلوق پر اس کے مقرر کردہ حاکم بھی تھے اور دراصل ان انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی حکومت کو ماننے اور ان کے احکام کی اطاعت کرنے کے سوا انسانوں پر اور کسی انسان کی اطاعت فرض نہیں کی ہے اور نہ ہی کسی اور انسان کی حکومت کا جوا انسانوں کے کندھے پر لادا گیا ہے۔ چاہے وہ حکومت کے حصول کے معروف طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے برسر اقتدار آیا ہو۔

لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء تک سوائے چند

انبیاء جنہیں اقتدار ظاہری حاصل ہوا وہ حضرت داوٗدؑ ،حضرت سلیمانؑ اور حضرت یوسف وغیرہ ہیں۔

پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی 13 سال تک مکہ کی زندگی میں جبابرہ قریش کے مغضوب ومقہور ہی رہے اور اُن پر ایمان لانے والے،ان کے ظلم وستم کی چکی میں پستے رہے۔لیکن مدینہ ہجرت کرنے کے بعد جنگ بدر، جنگ احد۔ جنگ خندق۔ جنگ خیبر۔ فتح مکہ اور جنگ حنین کی فتوحات اور کامیابیوں کے نتیجہ میں آنحضرت کو ظاہری اقتدار بھی حاصل ہوگیا۔لیکن اگر مدینہ آ کر یہ ظاہری اقتدار آنحضرت کو حاصل نہ بھی ہوا ہوتا۔تب بھی خدا کی طرف سے مقرر کردہ ھادی ورہنما اور حاکم وفرمانروا آپ ہی تھے۔لیکن ظاہری اقتدار حاصل ہونے کے بعد جو ایمان نہیں لائے تھے ان پر بھی آپ کی حکومت قائم ہوگئی۔لہذا آپ خدا کی طرف سے مقرر کردہ ھادی ورہنما بھی تھے اور معلم روحانی ومزکی نفوس وتمم اخلاق ہونے کے علاوہ خدا کے مقرر کردہ تمام انسانوں کے لئے حاکم وفرمانروا بھی تھے،اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں بار بار پیغمبر کی اطاعت واتباع کی تکرار آئی ہے اور پیغمبرؐ کی اطاعت کا مقصد،ھادی دین اور معلم روحانی ہونے کی حیثیت سے صرف لوگوں کو ہدایت سے فیض یاب کرنا تھا۔

پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد امامت جاری ہے

ہم سابقہ اوراق میں یہ بیان کر آئے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کچھ انبیاء فقط نبی تھے وہ مرتبہ رسالت پر فائز نہیں تھے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح سے پہلے پہلے جتنے نبی آئے وہ صرف نبی تھے ان میں سے کوئی مرتبہ رسالت پر فائز نہ ہوا۔ حضرت نوح پہلے نبی ہیں جو مرتبہ رسالت پر فائز ہوئے۔ان کے بعد مشہور روایت کے مطابق خاتم الانبیاء تک 313 رسول ہوئے لیکن حضرت ابراھیم پہلے نبی ہیں جنہیں نبوت

ورسالت کے ساتھ مرتبہ امامت پر بھی فائز کیا گیا۔اور"انی جاعلک للناس اماما" کہہ کرانہیں لوگوں کا امام بھی بنایا گیا۔حضرت ابراھیم کے بعد بہت سے نبی مرتبہ نبوت ورسالت کے ساتھ منصب امامت پر بھی فائز ہوئے جیسا کہ ارشاد ہوا:

"ووھبنا لہ اسحق ویعقوب نافلة وکلاجعلنا صالحین وجعلنا ھم آئمة یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلواة وایتاء الزکواة وکانو لنا عابدین"۔الانبیاء 72

اور ہم نے ابراھیم کو انعام میں اسحق (سا بیٹا) اور یعقوب (سا پوتا) عنایت فرمایا اور ہم نے سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے ان کو لوگوں کا امام (وپیشوا) بنایا۔وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کے پاس نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے کی وحی بھیجی تھی اور وہ سب کے سب ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

پس حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بعد اگر چہ بہت سے نبی ایسے بھی آئے جو نہ تو مرتبہ رسالت پر فائز ہوئے اور نہ ہی مرتبہ امامت پر۔لیکن حضرت ابراھیم کے بعد بہت سے نبی ایسے بھی آئے جو مرتبہ نبوت کے ساتھ،منصب رسالت پر بھی فائز تھے۔اور منصب امامت پر بھی فائز ہوئے۔جیسا کہ مذکورہ آیت میں بیان ہوا ہے۔

اور اسی طرح ہمارے نبی آخر الزمان،خاتم الانبیاء،پیغمبر گرامی اسلامؐ نبی بھی تھے رسول بھی تھے اور امام بھی تھے۔

بیشک آنحضرت آخری نبی ہیں یعنی اب کوئی نبی نہیں آئیگا۔لیکن یہ امامت جس پر ذریت ابراھیم کی معصوم ہستیاں فائز ہونگی،اگر چہ وہ نبی نہ ہونگی لیکن پیغمبر گرامی اسلام کے بعد انکے عہدہ امامت میں انکی جانشین وخلیفہ ہونگی اور وہ پیغمبر کے جانشین کی حیثیت سے انکی طرف سے کار ہدایت انجام دینگے اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے وہ پیغمبر کی طرف سے انکی

نیابت میں ہدایت خلق کا فرض ادا کرینگے۔ اور وہ احادیث جن میں پیغمبر نے اپنے بعد بارہ خلفاء ہونے کی پیشین گوئی کی ہے، ان سے مراد پیغمبر کے بعد ان کی طرف سے کار ہدایت انجام دینے والے بارہ امام وھادی ورہنما و پیشوا ہی ہیں۔ کیونکہ خلیفہ کے معنی کسی جانے والے کے بعد اس کے کام میں اس کی جانشینی ہی ہے۔ چونکہ پیغمبر اکرم سکندر و دارا کی طرح کے سلاطین زمانہ سے نہ تھے، بلکہ وہ ایک معلم اخلاق و معلم روحانی اور امام وھادی خلق تھے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

وانک لتھدی الی صراط مستقیم

یعنی بیشک تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو پس پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد، پیغمبر کی طرف سے، اس کار ہدایت کو انجام دینے والا ہی، ان کا حقیقی جانشین ہوگا، اور وہ بھی معلم اخلاق و معلم روحانی و امام برحق اور ھادی خلق ہوگا۔

بعض لوگوں نے لفظ خلیفہ پر خوب طبع آزمائیاں کی ہیں بعض نے اس لفظ سے فائدہ اُٹھا کر ہر انسان کو خدا کا خلیفہ کہا۔ اور بعض نے اس لفظ سے فائدہ اٹھا کر اور خدا کا جانشین کہ کر عقیدہ تفویض کو مستحکم کیا، بعض نے برسر اقتدار آنے والوں کی حمایت میں اسے ایک مستقل نظام حکومت سمجھا، اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید جسے فاسق و فاجر و ظالم بھی خلیفہ مانے جانے لگے بہر حال یہ امامت جس پر ذریت ابراھیم کی معصوم ہستیاں فائز ہوئیں وہ نبی تو نہ تھیں لیکن پیغمبر کے بعد پیغمبر کے منصب امامت میں انکی جانشین، یعنی خلیفہ تھیں، اور عہدہ امامت پر فائز تھیں، اور فقط امام تھیں، لہذا آیہ ''ان اللہ اصطفٰے آدم ''میں خدا نے انہیں آل ابراھیم سے آگے آل عمران کے طور پر متعارف کرایا۔ یعنی پیغمبر گرامی اسلامؐ تک آکر ذریت ابراھیم میں نبوت ختم ہوگئی اور پیغمبر اکرمؐ کے بعد آل عمران میں امامت جاری ہوئی اور پیغمبر اکرم صلعم کے بعد خداوند تعالیٰ نے اس عہدہ امامت کے جاری رہنے کی قرآن کریم

میں بھی خبر دی ہے۔ یعنی خدا نے اپنے ایک مخلص بندے کی دعا کے ضمن میں پیغمبر کے بعد جاری رہنے والی امامت کا واضح طور پر اعلان کیا ہے اور وہ اس طرح ہے۔

''والذین یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین امام. اولئک یحزون الغرفة بما صبروا ویلقون فیها تحیة وسلاماً۔ الفرقان۔ 7475

ترجمہ:۔ اور وہ (ہمارے خاص بندے) جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری ازواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت کر، اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام و پیشوا بنادے۔ یہی ہیں وہ ہستیاں جن کو ان کے صبر و استقامت کی وجہ سے جنت میں بالا خانے یا اونچا مقام عطا کیا جائے گا۔ اور اس میں ہر طرف سے ان کو مبارکبادیاں دی جائیگی اور انکو سلام پیش کیا جائیگا۔

حضرت ابراھیم نے اپنی ذریت کے لئے امامت کی جو دعا کی تھی وہ غیر مشروط تھی۔ ''ومن ذریتی'' لہذا خدا نے خود اسکو مشروط کیا کہ جو ظالم اور گنہگار ہونگے وہ میرے اس عہدے پر فائز نہ ہونگے اور میرے اس عہد سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔

لیکن خدا کے اس خاص بندے نے پہلے ہی اپنی ذریت میں ایسی اولاد کیلئے دعا کی جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ اور پھر اپنے لئے اور اپنی ذریت میں سے ان ہستیوں کے لئے، جو آنکھوں کی ٹھنڈک، یعنی اطاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن ہوں، امامت کی دعا کی، اور یہ کہا کہ: ''واجعلنا للمتقین اماماً''۔ ہم سب کو یعنی مجھے اور میری اس اولاد کو جو اطاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن ہو، متقین اور پرہیز گاروں کا امام و پیشوا بنادے۔

ان آیتوں میں خداوند تعالیٰ نے واضح طور پر کہا ہے کہ امت محمد صلعم میں ایک مخلص بندہ ایسا ہے جس نے خود اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے متقین کا امام بنانے کی دعا کی ہے۔

اور خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے مخلص بندوں کی جتنی دعاؤں کا ذکر کیا ہے ان کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ ہم نے اسکی دعا کو قبول کرلیا ہے۔ اور یہ ایک انداز ہے خدا کے بیان کرتے کا، جس میں اس نے اپنے ایک مخلص بندے کی دعا کا ذکر کر کے یہ بیان کیا ہے کہ پیغمبر صلعم کے بعد بھی امام وھادی خلق ہونگے، اور وہ امام المتقین کے لقب سے ملقب ہونگے۔

اور جب ہم تحقیق کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جسے پیغمبر نے امام المتقین فرمایا ہے۔

چنانچہ آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب البلاغ المبین جلد اول کے صفحہ 514 پر۔ ریاض النضرہ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس سے اور حاکم کی مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ترحمہ علی بن ابی طالب صفحہ 128 سے اور متقی کی کنزل العمال الجزء السادس صفحہ 157 وغیرہ کے حوالہ سے جو احادیث نقل کی ہیں ان میں سے ایک حدیث اس طرح ہے۔

انک سید المسلمین وامام المتقین وقائد الغر المجلین ویعسوب الدین۔

یعنی حضرت علی سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اے علی تم مسلمانوں کے سردار، متقین کے امام سفید منہ والوں کے قائد اور دین کے حاکم ہو۔

پس حضرت علی علیہ السلام اور انکی اولاد پاک ہی وہ امام تھے جن کا ذکر خداوند تعالیٰ نے انکی دعا کے ضمن میں فرمایا ہے اور اسی لئے پیغمبر گرامی اسلامؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیہ۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع صفحہ 96

یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اگر پیغمبر کے بعد امامت جاری نہ ہوتی اور ہر زمانہ میں خدا کے حکم سے پیغمبر کا مقرر کردہ امام موجود نہ ہوتا، تو پیغمبر اکرمؐ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا پس قرآن کریم کی مذکورہ آیت اور پیغمبر اکرمؐ کی مذکوہ حدیث سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام زمانہ موجود رہے گا۔ جس کی اطاعت فرض ہے اور متقین کے یہ امام ہی حکومت الٰہیہ کے وہ فرمانروا ہیں جنہیں خدا نے پیغمبر اکرم کے بعد مسلمانوں کا اولی الامر کہا ہے۔۔

سورہ الفرقان کی آیت نمبر 23-24 بھی اس بات کی حکایت کرتی ہے کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد امامت جاری رہے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا کہ:

ولقد آتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریة من لقائہٖ وجعلناہ ھدیً لبنی اسرائیل . وجعلنا منھم آئمة یھدون بامرنا لما صبروا و کانو ابآیتنا یوقنون۔ السجدہ۔ 23-24

یعنی اے رسول ہم نے موسیٰ کو بھی آسمانی کتاب (توریت) کو بنی اسرائیل کے لئے رہنما قرار دیا تھا۔ اور ان (بنی اسرائیل) میں سے ہم نے کچھ لوگوں کو، چونکہ انہوں نے مصیبتوں پر صبر کیا تھا۔ امام و پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے تھے اور ہماری آیتوں کا دل سے یقین رکھتے تھے۔

اگر ان آیات میں غیر جانبداری کے ساتھ غور کیا جائے تو اچھی طرح سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آیات بھی پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد امامت کے جاری رہنے اور اماموں کے آنے کی بشارت دے رہی ہیں۔

اس آیت پر غور کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ حضرت موسیٰ اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بہت سے واقعات بہت ہی متشابہ اور بہت ہی ملتے جلتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے انکے

مبعوث ہونے کو سورہ المزمل میں واضح طور پر حضرت موسیٰ کے مشابہ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ فعصی فرعون الرسول فاخذناہ اخذاً وبیلاً۔ المزمل۔ 15-16

(اے مکہ والوں) ہم نے تمہارے پاس ایسا ہی ایک رسول بھیجا ہے جو تمہارے اوپر گواہ ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس موسیٰ کو رسول بنا کر بھیجا تھا تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی۔ تو ہم نے بھی (اس کی سزا میں اسے) بہت سخت پکڑا۔

اس آیت میں جہاں لفظ ''کما'' کے ذریعہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کی حضرت موسیٰ کے ساتھ مشابہت کو واضح کیا ہے وہاں مثال کے طور پر یہ بھی بتلا دیا کہ جس طرح ہم نے موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجا تھا، اسی طرح ہم نے محمد مصطفٰے صلی علیہ وآلہ وسلم کو فراعنہ قریش کے پاس بھیجا۔ اور جس طرح فرعون کی ہم نے سخت گرفت کی اور اسکو دریائے نیل میں غرق کر دیا اسی طرح فراعنہ قریش کو جنگ بدر میں تلوار کے عذاب سے معذب کیا اور آخرت کا عذاب فرعون اور فرعونیوں اور فراعنہ قریش کیلئے علیحدہ ہے۔

ان دو مشابہتوں کو تو خود خدا نے قرآن میں مثال کے طور پر بیان کر دیا لیکن قرآن کی دوسری آیات سے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے حالات میں بہت سے واقعات میں بہت زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے۔

مثلاً موسی علیہ السلام کو آسمانی کتاب (توریت) ملی۔ پیغمبر گرامی اسلامؐ کو بھی آسمانی کتاب قرآن ملی موسیٰ کو بھی جہاد کا حکم تھا پیغمبر گرامی اسلام کو بھی جہاد کا حکم ہوا موسیٰ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کر کے ھارونؑ کو اپنا وزیر وخلیفہ مقرر کیا۔ پیغمبر گرامی اسلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا کر کے حضرت علیؑ کو اپنا وزیر وخلیفہ مقرر کیا۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر

فتح حاصل ہوئی ۔ پیغمبر گرامی اسلام کو فراعنہ قریش پر فتح حاصل ہوئی وغیرہ وغیرہ اسی طرح خداوند تعالیٰ نے سورہ السجدہ کی مذکورہ آیات نمبر 24-23 میں حضرت موسیٰ اور پیغمبر گرامی اسلام کی چند مشابہتوں کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر عمدہ البیان میں مذکورہ آیات کی تفسیر میں یوں لکھا ہے:

''یہ اشارہ ہے اس امر پر کہ اے محمد صلعم تیری امت میں بھی ہم امام مقرر کرینگے یعنی جیسے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ایسے ہی تجھ کو دی ہے ہدایت کرنے والی واسطے خلقت کے ۔اور جیسے کہ اس کی امت میں امام تھے کہ ہدایت کرتے تھے ایسے ہی تیری امت میں امام مقرر کرینگے کہ وہ ہدایت کریں، لوگوں کو طرف حق کے اور موسیٰ کی امت میں بارہ تھے امت خاتم النبین میں بھی بارہ ہوئے ۔اور مثل آئمہ بنی اسرائیل انہوں نے صبر کیا امت کی ایذاؤں پر اور خدا کی اطاعت پر اور لوگوں کی ہدایت کی''۔

(تفسیر عمدۃ البیان جلد 3 صفحہ 37)

پس یہ مشابہت بھی پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پائی جاتی ہے۔اور قرآن میں بھی بنی اسرائیل میں بارہ سرداروں کے مقرر کرنے کا بیان آیا ہے۔ جیسا کہ سورہ المائدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ:

ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنا عشر نقیباً۔ المائدہ۔12

اس آیت کا ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب نے اس طرح کیا ہے۔

''اور اس میں بھی شک نہیں کہ خدا نے بنی اسرائیل سے بھی (ایمان کا) عہد و پیمان لے لیا تھا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ ہم نے ان میں کے بارہ سردار ان پر مقرر کئے۔

اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح سے کیا ہے:

''اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ سردار''

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھا ہے:

''اس امت کے متعلق جو بارہ خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی ان کا عدد بھی نقیبائے بنی اسرائیل کے موافق ہے۔ اور مفسرین نے توریت سے نقل کیا ہے، کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیری ذریت میں سے بارہ سردار پیدا کرونگا۔ غالباً یہ وہی بارہ ہیں جن کا ذکر جابر بن سمرہ کی روایت میں ہے'' تفسیر عثمانی ف۔5 صفحہ 140

اور مولانا فرمان علی صاحب نے سورہ السجدہ کی مذکورہ آیات نمبر 23و24 کے حاشیہ نمبر 2 میں حضرت موسیٰ اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے مابین بہت سی مشابہتوں کا ذکر کرنے کے بعد علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے یوں لکھا ہے کہ:

''علامہ زمخشری اپنی تفسیر کشاف میں اس مقام پر لکھتے ہیں:

''وکذالک لنجعلن الکتاب المنزل الیک ھدیً ونوراً ولنجعلن من امتک آئمة یھدون مثل تلک الھدایة''

(حاشیہ ترجمہ مولانا فرمان علی بحوالہ تفسیر کشاف زمخشری)

''یعنی ہم اسی طرح سے تمہاری آسمانی کتاب کو ضرور ضرور از سرتاپا ہدایت ونور بنائیں گے۔ اور اسی طرح سے تمہاری امت سے ضرور ضرور ایسے ہی آئمہ بنائیں گے جو اسی طرح سے ہدایت کرینگے جس طرح سے بنی اسرائیل میں ہونے والے امام ہدایت کرتے تھے''۔

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں جابر ان سمرہ کی بیان کردہ جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اسے امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں اس طرح سے نقل کیا ہے:

''عن جابر ابن سمرہ قال سمعت البنی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون

لھذہ اثنا عشر خلیفۃ‘‘ (مسند امام احمد حنبل جز 5 صفحہ 106)

یعنی جابر ابن سمرہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت میں بارہ خلفاء ہونگے۔

اور کنز العمال جلد 6 صفحہ 60-62-198 وغیرہ پر اس مضمون کی بہت سے احادیث متعدد طرق سے پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوئی ہیں ہم ان میں سے صرف دو احادیث یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1۔یکون بعدی من الخلفاء عدۃ نقباء بنی اسرائیل۔

یعنی میرے بعد خلفاء بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد کے برابر ہونگے۔

اور سورہ المائدہ کی مذکورہ آیت نمبر 12 میں بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد بارہ بیان کی گئی ہے۔

نمبر 2۔ایک اور حدیث میں واضح طور پر فرمایا۔

’’یکون لھذہ الامۃ اثنا عشر خلیفۃ‘‘

یعنی اس امت میں بارہ خلیفہ ہونگے۔

اور اہل سنت کے ایک معروف عالم شیخ قندوزی بلخی حنفی نے اپنی کتابوں سے اخذ کر کے اس مضمون کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ہم ان میں سے نمونہ کے طور پر ینابیع المودت کے اردو ترجمے سے صرف دو احادیث نقل کرتے ہیں۔

’’سلیم بن قیس حلالی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔امام حسین علیہ السلام آپ کے زانو مبارک پر بیٹھے ہوئے تھے۔آنحضرت آپکی دونوں آنکھوں کو اور آپ کے منہ پر بوسہ دے رہے تھے اور فرماتے تھے۔تو سردار ہے،تو سردار کا فرزند ہے۔تو امام ہے تو امام کا فرزند ہے تو حجت ہے۔حجت

خدا کا بیٹا ہے تو نو حجج کا باپ ہے ان میں کا نواں قائم ہوگا"۔

اردو ترجمہ ینابیع المودت صفحہ 416 حدیث نمبر 5

اسی کتاب میں دوسری حدیث عبایہ سے اس طرح مروی ہے۔

"عبایہ بن ربعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں انبیاء کا سردار ہوں اور علیؑ اوصیاء کے سردار ہیں۔ میرے بعد اوصیاء بارہ ہونگے، ان میں کا پہلا علیؑ ہوگا اور آخری قائم مھدیؑ ہوگا۔ (اردو ترجمہ ینابیع المودت ص 416 حدیث نمبر 7)

بہر حال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث کہ میرے بعد بارہ جانشین۔ بارہ خلیفہ۔ بارہ وصی۔ بارہ امام یا بارہ سردار یا بارہ امیر ہونگے اہل سنت کی جملہ صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں اور اہل تشیع کی حدیث کی تمام مستند ومعتبر کتابوں میں موجو ہے اور مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی پیشن گوئیوں میں درج کیا ہے اور سورہ سجدہ کی آیت نمبر 24,23 کی تفسیر میں علامہ زمخشری نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے مطابق یہ بارہ امام ہدایت کرنے والے یعنی ھادی خلق ہونگے۔ چاہے ان کے پاس ظاہری اور دنیاوی اقتدار ہو یا نہ ہو۔

پس اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد امامت جاری ہے، یہ امام خدا کی طرف سے پیغمبر اکرمؐ کے بعد لوگوں کی ہدایت کے لئے مقرر ہونے والے ہیں، اور یہی پیغمبر گرامی اسلامؐ کے حقیقی جانشین۔ انکے خلیفہ اور وصی ہیں۔ یہ سب کے سب پیغمبر اکرمؐ کی طرح، انکی طرف سے، لوگوں کے لئے معلم اخلاق، اور معلم روحانی ہونگے، اور پیغمبر کی طرف سے انکی نیابت میں کار ہدایت انجام دینے والے ہیں۔ چاہے ان میں سے کسی کے پاس ظاہری اور دنیاوی اقتدار ہو یا نہ ہو۔ لیکن خدا کی طرف سے ان ہی کی اطاعت واجب ہے۔ تا کہ ان ھادیان دین کی اطاعت کے نتیجہ میں انسان ہدایت پاسکیں۔ جیسا کہ خود پیغمبر

کی اطاعت بھی اسی لئے ہے تا کہ لوگ ہدایت پا جائیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

وان تطیعوہ تھتدوا

یعنی اگر تم پیغمبر کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اور وہ اولی الامر جن کی خدا نے اپنے اور اپنے پیغمبر کے ساتھ مطلق طور پر اطاعت واجب کی ہے، وہ بھی اسی لئے ہے تا کہ انسان انکی اطاعت کر کے ہدایت یافتہ ہو جائیں۔

پیغمبرؐ کے بعد امامت کا جاری رہنا ختم نبوت کے منافی نہیں ہے

بعض لوگ پیغمبر اکرمؐ کے بعد عقیدہ امامت کو ختم نبوت کے منافی سمجھتے ہیں اور پیغمبر کے بعد ہونے والے اوصیاء اور آئمہ اطہار پر ایمان نہیں رکھتے، حالانکہ ختم نبوت کے بعد عقیدہ امامت، ختم نبوت کی تائید کرنے والا ہے۔ کیونکہ ختم نبوت کا صحیح مطلب یہ ہے، کہ اب کوئی نبی نہیں آئیگا، بلکہ قیامت تک پیغمبر اکرم کی نبوت و رسالت جاری ہے اور آپ کی رحلت کے بعد آپ کا فریضہ رسالت اور کار ہدایت آپکے حقیقی جانشین آپکے اوصیاء ادا کرینگے جنہیں آنحضرت صلعم نے خدا کے حکم سے اپنے بعد کار ہدایت انجام دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے اور جنہیں خدا نے آپ کے بعد آپکی نیابت میں ہدایت کا کام سپرد کیا ہے۔ تا کہ حکومت الٰہیہ کا نظام قائم رہے خدا کی حجت زمین پر باقی رہے، اور لوگ پیغمبر صلعم کے بعد ہدایت کے حصول کے لئے انکی طرف رجوع کر سکیں اور انکی اطاعت و پیروی کے ذریعہ ہدایت حاصل کر سکیں۔

بالفاظ دیگر قیامت تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رسالت جاری رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب قیامت تک خود پیغمبر اکرمؐ کے ذمہ ہے یہ بات کہ وہ قیامت تک لوگوں کو ہدایت کریں۔ لیکن چونکہ پیغمبر اکرمؐ کے لئے موت مقرر ہو چکی تھی لہذا خدا نے پیغمبر کے جانشین مقرر فرما کر یہ انتظام کیا، کہ جو کار ہدایت پیغمبر نے انجام دینا تھا ان کا مقرر کردہ جانشین ان

کی طرف سے وہ کار ہدایت انجام دیتا رہے اور پیغمبر وہ تمام علوم ومعارف جو خدا نے قیامت تک آنے والے انسانوں کی ضرورت کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم فرمائے تھے وہ اپنے بعد آنے والے امام وھادی یعنی اپنے جانشین حقیقی اور اپنے وصی کو ودیعت کردیں۔

اور کوئی شخص پیغمبر کے بعد امامت کے جاری رہنے سے انکار کیسے کرسکتا ہے جبکہ خود خدا نے سورہ الفرقان کی آیت 74 میں اپنے مخصوص انداز میں یہ اعلان فرمایا ہے کہ دعا کرنے والا اور اسکی ذریت امام وھادی کے منصب پر فائز ہوگی۔

اور یہ امام پیغمبر کی طرف سے پیغمبر کے جانشین حقیقی کے طور پر فریضہ ہدایت انجام دینگے ۔اور یہ سب کے سب متقین کے امام ہونے کے معنی کے اعتبار سے بھی ، اور ابراھیم کی دعا کے مطابق بھی، معصوم ہونگے ۔نیک ہونگے اور ہدایت یافتہ ہونگے ۔ کیونکہ پیغمبر کی طرف سے فریضہ ہدایت انجام دینے کے لئے ،کسی لاعلم ، وبے خبر ، اور کسی فاسق وفاجر ، اور ظالم وبدکار کے پیغمبر کا جانشین یعنی خلیفہ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا حتمی طور پر پیغمبر کے بعد کار ہدایت انجام دینے کے لئے پیغمبر کے جتنے بھی جانشین، یعنی خلیفہ وصی وامام ہونگے ،وہ سب کے سب عالم وباخبر اور قران کے علوم کے وارث اور پیغمبر کے علوم کا دروازہ ہونگے ،اور وہ سب کے سب نیک ہونگے ،صالح ہونگے ،راشد ہونگے ،ہدایت یافتہ ہونگے اور معصوم ہونگے ،ایسا نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر کے جانشینوں ۔خلفاء اور پیغمبر کی طرف سے کار ہدایت انجام دینے والے اوصیاء کچھ تو نیک ہوں ،اور صالح وراشد وہدایت یافتہ ہوں ،اور باقی سب کے سب فاسق وفاجر ،ظالم وبدکار اور غیر معصوم ہوں ۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ پیغمبر گرامی اسلام ،دارا وسکندر وغیرہ کی طرح کے بادشاہ اور دنیاوی حکمران نہیں تھے ، بلکہ وہ معلم روحانی ومعلم اخلاق وھادی خلق ،خدا کی حجت اور قیامت کے

دن خدا کی طرف سے لوگوں پر اس بات کے گواہ ہونگے کہ خدا نے انہیں جو احکام دے کر بھیجا تھا وہ انہوں نے اس کے بندوں تک پہنچا دیئے تھے اور خدا کی طرف سے جو کار ہدایت انکے سپرد ہوا تھا وہ انہوں نے اپنی زندگی میں خود انجام دیا اور اپنی رحلت کے بعد اپنی طرف سے کار ہدایت انجام دینے کے لئے اپنے اوصیاء کو سپرد کر کے آئے تھے۔

لہذا پیغمبر کے ان حقیقی جانشینوں خلفاء۔ اوصیاء اور آئمہ کا قرآن کے علوم کا وارث، پیغمبر کے علوم کا دروازہ، ان سب کے سب کا نیک اور صالح وراشد وہدایت یافتہ اور معصوم ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ پیغمبر کے یہ جانشین پیغمبر صلعم کے بعد حکومت الہیہ کے ایسے سربراہ ہونگے جن کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت سمجھی جا سکے جیسا کہ خود پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے کیونکہ خود خدا نے پیغمبر کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے، اور اس نے خود یہ فرمایا ہے کہ:

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (النساء۔ 80)

یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقینی طور پر خدا ہی کی اطاعت کی ہے۔

پس پیغمبر کے بعد پیغمبر کے ایسے جانشین ووصی وھادی وامام کی ضرورت ہے جس کی اطاعت میں ہدایت ہو، جسکی اطاعت پیغمبر کی اطاعت سمجھی جائے، اور چونکہ پیغمبر کی اطاعت خدا ہی کی اطاعت ہے، لہذا پیغمبر کے اس جانشین ووصی وھادی وامام کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت محسوب ہو۔

اور پیغمبر اکرم صلعم کی طرف سے ایسی بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں اور احادیث کی معتبر کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں کہ جس طرح خدا نے پیغمبر کی اطاعت کو اپنی ہدایت قرار دیا ہے اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام اور آئمہ اہل بیت کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر ان میں سے چند احادیث یہاں پر نقل

کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبرا۔قال قال رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان اللہ قد فرض علیکم طاعتی ونھاکم عن معصیتی وفرض علیکم طاعت علی بعدی ونھاکم عن معصیتہ۔(ینابیع المودۃ الجزء الاول باب 4 صفحہ 123 مطبوعہ اسلام بول ،ریاض النضرہ الجزء الثانی باب الرابع فصل سادس صفحہ 172۔ارجح المطالب باب چہارم صفحہ 595)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہ تحقیق خدا نے تم تمام مسلمانوں پر میری اطاعت فرض کردی ہے اور تمہیں میری نافرمانی سے منع کیا ہے۔اور اسی طرح سے اس نے میرے بعد علیؑ کی اطاعت تم پر فرض کردی ہے،اور اسکی نافرمانی سے تم کو منع کیا ہے۔

پیغمبر صلعم کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ،جس طرح خدا نے مسلمانوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم بھی اللہ نے ہی دیا ہے۔اسی طرح سے حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم بھی اللہ ہی نے دیا ہے اگرچہ پیغمبر گرامی اسلام کی یہ حدیث قیامت تک ہونے والے تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔لیکن اس کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ ہی تھے،لہذا حضرت علی علیہ السلام اور انکی ذریت طاہرہ ہی وہ (اولی الامر) ہیں جن کی اطاعت کا حکم خداوند تعالٰی نے تمام مسلمانوں کو سورہ نساء میں دیا ہے جو اس طرح ہے:

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔(النساء۔59)

یعنی اے ایمان والو۔اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں،اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول کی اور اطاعت کرو صاحبان امر کی۔

اس آیت میں خداوند تعالٰی نے بلا شرط اور بلا استثنا کے اولی الامر کی اطاعت کو اپنی اور

رسول کی اطاعت کے ساتھ اطاعت مطلقہ کے طور پر بجالانے کا حکم دیا ہے اور بلا شرط اور بلا استثنا کسی کی اطاعت مطلقہ منصوص من اللہ اور معصوم عن الخطاء کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے ۔ اور آئمہ اطہار کی عصمت پر جہاں آیہ تطہیر اور قرآن کریم کی اور بہت سی دوسری آیات گواہ ہیں جن کا بیان آگے چل کر اپنے مناسب مقام پر آئیگا وہاں پیغمبر کی بہت سی احادیث بھی انکی عصمت پر واضح گواہ ہیں ان سب میں ایک حدیث جو انکی عصمت کو واضح الفاظ میں بیان کرتی ہے اس طرح ہے۔

''اصبغ بن نباتہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلعم کو فرماتے ہوئے سنا۔ میں خود۔ علی ۔ حسن ۔ حسین اور حسین کے نو فرزند پاک اور معصوم ہیں'' (اردو ترجمہ ینابیع المودت صفحہ 404 حدیث نمبر 6)

حدیث نمبر 3۔ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلعم نے آئمہ اہل بیت کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے جو اس طرح ہے:

''علی مرتضٰی نے فرمایا کہ آنحضرت نے فرمایا: آئمہ میرے فرزند سے پیدا ہونگے جس شخص نے ان آئمہ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس شخص نے ان آئمہ کی نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی، یہ حضرات مضبوط رسی ہیں، اور اللہ تعالٰی کی طرف جانے کا وسیلہ ہیں۔ (اردو ترجمہ ینابیع المودت صفحہ 417 حدیث نمبر 13)

حدیث نمبر 4۔ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلعم نے آئمہ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت فرمایا ہے جو اس طرح ہے:

''ابو یعلی اشعری نے کہا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اپنے آئمہ کی اطاعت کرو ان حضرات کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور ان حضرات کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

(اردو ترجمہ ینابیع المودت صفحہ 417 حدیث نمبر 15)

اب تک کی بیان کردہ آیات قرآن اور احادیث پیغمبر اکرم صلعم سے ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد اماموں کا ہونا ختم نبوت کے منافی نہیں ہے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نبی و رسول ہونے کے علاوہ ھادی خلق بھی تھے۔ اور قیامت تک خلق خدا کو ہدایت کرنا، آپ ہی کے ذمہ تھا۔ لہذا یہ فریضہ آنحضرت کی نیابت میں آپکے بعد ہونے والے آپکے حقیقی جانشینوں، آپکے اوصیاء اور آئمہ اطہار نے ہی انجام دیا۔ جن کی اطاعت مثل پیغمبر کی اطاعت کے تھی اور جنکی نافرمانی مثل پیغمبرؐ کی نافرمانی کے تھی، چنانچہ ایک اور حدیث میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے بعد ھادی خلق ہیں۔ چنانچہ آیہ وافی ھدایہ:

''انما انت منذر ولکل قوم ھاد''

کی تفسیر میں اس طرح سے وارد ہوا ہے۔

''و روی الطبری باسناده عن عطا عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما نزلت : انما انت منذر ولکل قوم ھاد .وضع رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم یده علی صدره وقال ان المنذر ولکل قوم ھاد واوما بیده الیٰ منکب علی (ع) فقال انت الھادی یاعلی بک یهتدی المھتدون من بعدی۔ (تفسیر التبیان جلد 6 صفحہ 223)

طبری نے اپنی اسناد کے ساتھ عطا سے انہوں نے سعید ابن جبیر سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب آیہ وافی ھدایہ ''انما انت منذر ولکل وقوم ھاد'' نازل ہوئی یعنی سوائے اسکے نہیں کہ تم تو منذر رہو اور ہر ایک قوم کے لئے ھادی۔ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ''انا لمنذر'' ڈرانے والا تو میں ہوں۔ ''ولکل قوم ھاد'' اور ہر قوم کے لئے ھادی ہوتا ہے، کہہ کر اپنے ہاتھ سے علی علیہ السلام کے کندھے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اے علی تم ھادی ہو اور

میرے بعد ہدایت پانے والے تمہارے ذریعہ ہی ہدایت پائیں گے۔

پس آئمہ معصومین علیہ السلام کا ھادیان خلق کے طور پر پیغمبر صلعم کے اوصیاء اور جانشین حقیقی کی حیثیت سے پیغمبرؐ کی طرف سے خلق کی ہدایت کے لئے موجود رہنا ہرگز ہرگز ختم نبوت کے منافی نہیں ہے اور اس پر وہ متفق علیہ حدیث بھی ایک قوی گواہ ہے۔ جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہؑ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة الجاهلیة

(مسند امام احمد حنبل جلد 4 صفحہ 96)

یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہنچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے بھیجنے کی غرض وغایت

خداوند تعالیٰ نے سورہ النساء میں تمام انبیاء کا اجمالی ذکر اور معروف و مشہور انبیاء کا تفصیلی بیان کرنے کے بعد انبیاء و رسل کے بھیجنے کی غرض وغایت یہ بتلائی ہے کہ اس نے یہ سارے انبیاء و رسل اس لئے بھیجے، تا کہ لوگوں کی اللہ کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے، جیسا کہ ارشاد ہوا کہ:

"رسلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی الله حجة بعد الرسل"۔ (النساء۔165)

"یعنی ہم نے یہ سارے کے سارے انبیاء و رسل بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اس لئے بھیجے ہیں تا کہ لوگوں کی اللہ کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے"۔

کیونکہ روز قیامت عدل الٰہی اور انصاف و فیصلہ کا دن ہوگا۔ لہذا اللہ تعالیٰ اس دن اپنے عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کریگا۔ اور فیصلہ میں کوئی ایسی گنجائش باقی نہ رہنے دیگا۔ کہ کوئی بھی شخص خدا کے سامنے کسی بھی قسم کا کوئی بھی عذر و اعتراض کر سکے اور خدا کو کوئی

الزام دے سکے۔

روز قیامت دو قسم کے انسان میدان محشر میں حاضر ہونگے ایک قسم ان لوگوں کی، جو کسی بھی نبی و رسول اور ہادیان دین میں سے کسی پر بھی ایمان نہیں لائے تھے۔ یہ لوگ دنیا میں کفر و شرک پر اڑے رہے، اور انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے بھی منکر رہے۔ لہذا روز قیامت جب خدا کی طرف سے یہ ندا آئے گی کہ:

"یا معشر الجن و لانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی وینذرونکم لقاء یومکم ھذا"

یعنی اے سارے کے سارے جنوں اور اے سارے کے سارے انسانوں کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے ہمارے بھیجے ہوئے رسول نہیں آئے تھے۔ اور وہ ہمارے احکام اور ہماری آیتیں تمہیں پڑھ پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور آج کے دن کی ملاقات سے تمہیں نہیں ڈراتے تھے۔

اس وقت ان لوگوں کی طرف سے جو انبیاء و رسل اور ہادیان دین پر ایمان نہیں لائے تھے اور ساری عمر منکر و کافر و مشرک ہی رہے، اس بات کا امکان ہے، کہ انبیاء و رسل اور ھادیان دین پر ایمان نہ لانے والے کافر مشرک یہ کہہ دیں کہ ہمارے پاس تو انبیاء و رسل اور ہادیان دین میں سے کوئی نہیں آیا۔ لہذا خدا سارے انبیاء و رسل اور ہادیان دین کو اپنا گواہ بنا کر انکے سامنے لا کھڑا کریگا۔ یعنی خدا ان منکرین و کفار و مشرکین کا منہ بند کرنے کے لئے سارے انبیاء و رسل اور ہادیان دین کو اپنے گواہوں کے طور پر ان کے سامنے لائیگا۔ جنہیں خدا نے انکی ہدایت کے لئے مبعوث کیا تھا۔

یہ سب انبیاء و رسل اور ھادیان دین ان انکار کرنے والوں یعنی کفار و مشرکین و منافقین کے لئے خدا کی حجت ہونگے اور خدا کے اس بات گواہ ہونگے کہ خدا نے انہیں انکی ہدایت

کے لئے بھیجا تھا۔لہذا وہ لوگ جنہوں نے ان انبیاء ورسل اور ہادیان دین کونہیں مانا تھا۔ان پر ایمان نہیں لائے تھے اور انکا انکار کردیا تھا۔وہ ان کو دیکھتے ہی دم بخود ہو جائینگے اور یہ کہہ ہی نہ سکیں گے، کہ تو نے ان کو ہمارے پاس نہیں بھیجا تھا بھلا نوحؑ پر ایمان نہ لانے والے نوحؑ کو دیکھ کر کیا یہ کہنے کی جرات کرسکیں گے کہ یہ ہمارے پاس نہیں آئے یا انہوں نے خدا کا پیغمبر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

دوسری قسم کے لوگ میدان محشر میں وہ ہونگے جو انبیاء ورسل اور ہادیان دین پر ایمان تو لائے تھے ان کے احکام بھی سنے تھے۔لہذا انہوں نے خدا کے احکام پر عمل بھی کیا لیکن بعض نافرمانیاں بھی کیں، اچھے اعمال بھی کئے، اور برے اعمال بھی کئے، لہذا انکو انکے اعمال کے مطابق جزاوسزا دی جائیگی۔

خداوند تعالیٰ روز قیامت عدل الٰہی کا مظاہرہ کیسے کریگا۔اور انصاف کے تقاضوں کو کس طرح پورا کریگا اسے ان نے سورہ زمر میں جس طرح سے بیان کیا ہے اسے ہم اگلے عنوان میں تفصیل کے ساتھ پیش کررہے ہیں۔

قیامت میں انصاف کے تقاضے پورا کرنے کے لئے، نامہ اعمال، اور انبیاء وشہدا کو پیش کیا جائیگا۔

خداوند تعالیٰ نے سورہ الزمر میں قیامت کے دن انصاف کے تقاضے پورا کرنے کے لئے تین باتوں کو اس طرح بیان کیا ہے۔

”واشرقت الارض بینور ربھا ووضع الکتاب وجای بالنبین والشھداء وقضی بالحق وھم لایظلمون“۔(الزمر۔69)

یعنی زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔اور نامہ اعمال لوگوں کے سامنے رکھ دیا

جائیگا۔ اور انبیاء وشھداء کو بلایا جائیگا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا۔ اور ان پر بالکل کوئی ظلم نہ ہوگا۔

یہ آیت واضح طور پر قیامت کے دن کی حالت کو بیان کرتی ہے، لیکن بعض مفسرین نے اسے امام مھدی علیہ السلام کے ظہور پر چسپاں کیا ہے۔ اور انہوں نے ''واشرقت الارض بنور ربھا'' سے مراد امام کا نور لیا ہے اور یہ کہا ہے کہ زمین کا کوئی حصہ ایسا نہ ہوگا۔ جو آپ کے نور سے روشن نہ ہو جائے اور اسکی تشریح میں یہ بھی کہا ہے کہ سورج سے تو زمین کا وہ حصہ جو دوسری طرف ہوتا ہے تاریکی میں رہتا ہے۔ لیکن امامؑ کا نور اس طرح سے چمکے گا کہ زمین کا ہر حصہ روشن ہو جائیگا۔

اسی طرح ان لوگوں نے جو خدا کو ایک مادی روشنی کے مانند سمجھتے ہیں اور اسکے نور کو سورج کی روشنی یا چاند کی روشنی کے مانند سمجھتے ہیں، انہوں نے یہ کہا، کہ خدا کے نور سے زمین کا ہر حصہ روشن ہو جائیگا۔ لیکن اس سے پہلی دو آیتیں یعنی آیت نمبر 67 اور آیت نمبر 68 میں واضح طور پر قیامت کے برپا ہونے کا بیان اور دونوں صور پھونکے جانے کا اور قیامت کے برپا ہونے کا ذکر ہے، اور سورہ الزمر کی آیت نمبر 69 میں عدل خداوندی کا بیان اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کو بیان کیا گیا ہے۔ لہذا ان کے نزدیک جو اسے عدل الٰہی کا دن سمجھتے ہیں یہ کہا کہ زمین سے ظلم کی تاریکی ختم ہو جائیگی اور عدل الٰہی کے نور سے زمین منور ہو جائیگی، اور یہ بات آیت کے الفاظ۔ وقضی بینھم بالحق، یعنی ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا سے ثابت ہے۔ اس لئے تفسیر التبیان میں (واشرقت الارض بنور ربھا) کے معنی یہ لکھے ہیں۔

''معناہ اضاءت بعدل ربھا والحکم بالحق فیھا''۔

(تفسیر التبیان جلد 9 صفحہ 47)

یعنی اسکا معنی یہ ہے، کہ زمین اپنے رب کے عدل سے چمک اُٹھے گی اور اس میں حق فیصلہ ہونے کی وجہ سے روشن ہو جائیگی اس کے بعد یہ آیت کہتی ہے کہ حق کیساتھ فیصلہ کرنے کے لئے، خدا تین چیزوں کو پیش کریگا۔

اول۔ "وضع الکتاب"۔ یعنی ہر ایک کا اعمال نامہ انکے سامنے پیش کر دیا جائیگا۔ جس میں ہر چھوٹی بڑی بات اور ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوا ہوگا۔

دوسرے۔ "وجای بالنبین" یعنی لوگوں کے سامنے، انکار کرنے والوں کے سامنے، کفر کرنے والوں کے سامنے، حجت کے طور پر، انبیاء کو سامنے لایا جائیگا۔ اور یہ خدا کے گواہ ہونگے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے لئے ان انبیاء کو بھیجا تھا۔

تیسرے۔ "والشھداء"۔ یعنی انبیاء کے علاوہ شھداء یعنی روز قیامت میں، خدا کی طرف سے گواہی دینے والے علاوہ ہونگے۔ کیونکہ انبیاء کے لائے جانے کا ذکر کر کے، شھداء کو لائے جانے کے بیان سے، یہ بات واضح طور پر ثابت ہے، کہ انبیاء اور ہونگے اور شھداء اور ہونگے۔ کیونکہ اگر یہ شھداء نبی ہوں، تو یہ فالتو لفظ لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بس یہ کہنا کافی تھا، کہ "جای بالنبین"۔ یعنی انکے سامنے اتمام حجت کے لئے سارے نبی لا کھڑے کیئے جائیں گے۔

علاوہ ازیں یہ آیت یہ کہتی ہے کہ، شھداء روز قیامت، انبیاء کے آنے کے بعد، اور ختم نبوت کے بعد، آنے والے ہادی ہیں کیونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے حضرت آدمؑ پہلے نبی ہیں اور حضرت محمد مصطفٰےؐ آخری نبی ہیں۔ لہذا "جای بالنبین" میں یعنی انبیاء کے لفظ میں حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفٰےؐ تک تمام نبی آگئے۔ پس یہ شھدا وہ ہیں جو سارے انبیاء کے آنے کے بعد آئے یعنی ختم نبوت کے بعد آئے۔ جن کے ذمہ کار ہدایت تو تھا۔ اور وہ ہدایت پر مامور بھی تھے لیکن وہ نبی نہ تھے۔ پس یہ گواہ اس زمانے

کے گواہ ہونگے جب سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اور انبیاء کا آنا بند ہو گیا اور ختم نبوت کے بعد کے زمانے کے لئے ان گواہوں کی اس لئے ضرورت تھی کیونکہ ہر نبی صرف اس وقت تک کے لئے حجت اور خدا کا گواہ ہوگا، جب تک وہ اس دنیا میں زندہ رہا، کیونکہ کوئی نبی اس دنیائے ظاہر سے چلے جانے کے بعد کے زمانے کے لئے گواہ نہ ہوگا، چاہے ظاہری موت کے ذریعہ اپنی امت کے درمیان نہ رہا ہو۔ اور چاہے زندہ اٹھائے جانے کے بعد اپنی امت کے درمیان نہ رہا ہو۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ جب خدا ان سے یہ پوچھے گا کہ:

''ء انت قلت للناس اتخذونی و امی الھین من دون اللہ''

''یعنی کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں دونوں کو خدا کے سوا معبود مان لو؟'

حضرت عیسےٰ جواب دینگے کہ تیری ذات پاک ہے یہ بات میرے لائق نہیں ہے، کہ میں ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے، اور اگر میں نے کہا ہوگا تو وہ تجھ کو بھی ضرور معلوم ہوگا۔ کیونکہ تو تو میرے دل تک کی بات کو جانتا ہے۔ البتہ میں تیری باتوں کو نہیں جانتا کیونکہ بیشک تو ہی غیب کی باتوں کو جانتا ہے۔ اسکے بعد حضرت عیسےٰ کہیں گے۔

''ماقلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدو اللہ ربی و ربکم و کنت علیھم مادمت فیھم'۔ (الانعام 117)

میں نے تو ان کو صرف وہی کچھ کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پالنے ولا ہے۔ اور میں تو ان کے اوپر اسی وقت تک گواہ تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان رہا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ صرف اس وقت تک کے گواہ تھے۔ جب تک وہ ان کے درمیان دنیا میں تھے۔ ''کنت شھیداً علیھم مادمت فیھم' اور جب آپ

کو دنیا سے اٹھالیا گیا تو آپکی گواہی ختم ہوگئی۔ آیت کے الفاظ "مادمت فیھم" خاص طور پر قابل غور ہیں۔ یہ الفاظ یہ کہتے ہیں کہ کوئی بنی اپنے بعد کے زمانے کا گواہ نہ بنے گا۔ یہ گواہی صرف وہ دے سکتا ہے اور ان لوگوں کے لئے دے سکتا ہے۔ جن کے درمیان کوئی گواہ رہا ہو۔ یہ گواہی نہ اسکے زمانے سے پہلے کے لئے ہوگی، نہ اس کے زمانے کے بعد کے لئے ہوگی پس حضرت آدمؑ سے لیکر آخری نبی تک یعنی حضرت محمد مصطفٰے تک، ہر نبی اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے خدا کا گواہ بن سکے گا۔ لہذا خدا کو ختم نبوت کے بعد کے لئے ایسے گواہوں کی ضرورت تھی، جو نبی تو نہ ہوں، لیکن وہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد خدا کی طرف سے لوگوں پر حجت ہوں اور یہ بھی خدا کی طرف سے لوگوں کو ہدایت کا فریضہ ادا کرنے پر مامور ہوں۔ اور قرآن کریم کی بہت سی آیات اس بات کی شاھد ہیں کہ یہ گواہ جو قیامت کے دن لاکر کھڑے کئے جائینگے نبی نہ ہونگے۔ بلکہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد قیامت تک پیغمبر اکرمؐ کے جانشین کی حیثیت سے، انکی طرف سے، خدا کے حکم سے، لوگوں کی ہدایت کیلئے مامور ہونے والے ہادی ہونگے۔

کیونکہ پیغمبرؐ بذات خود ان لوگوں کے گواہ نہیں بن سکتے۔ جو ان کے اس جہان سے رخصت ہو جانے کے بعد اس دنیا میں تھے چنانچہ سورہ نساء کی درج ذیل آیات واضح طور پر یہ کہتی ہیں کہ یہ شہداء ان لوگوں کے لئے ہونگے، جو پیغمبر اکرمؐ کے بعد رہے یا بعد میں آئے جیسا کہ اشادہوا:

فکیف اذاجئنا من کل امة بشھید وجئنابک علی ھئو لاء شھیداً۔ یومئذ یود الذین کفرواوعصوالرسول لوتسوی بھم لارض ولایکتمون اللہ حدیثاً۔ (النساء۔ 41-42)

اے پیغمبر تم پر ایمان نہ لانے والوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر زمانہ کا ایک گواہ

لائینگے ،اور اے رسول ان گواہوں کا گواہ بنا کر تمہیں لائینگے ،اس دن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور رسول کی نافرمانی کی یہ آرزو کرینگے کہ کاش (وہ پیوند خاک ہوجاتے اور) ان کے اوپر سے زمین برابر ہوجاتی ۔اور اس دن یہ لوگ خدا سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

بعض مفسرین نے یہاں پر ہر اُمت کے شہید سے سابقہ انبیاء مراد لئے ہیں اور یہ کہا ہے کہ ہر نبی تو اپنی امت کا گواہ ہوگا۔اور پیغمبر گرامی اسلامؐ ان انبیاء کی گواہی دینگے۔حالانکہ سورہ النساء کی آیت نمبر 42 میں "یودالذین کفروا وعصوا الرسول" ہے یعنی اس دن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور رسول کی نافرمانی کی) کے الفاظ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ حالت جس کا ذکر سورہ النساء کی آیت نمبر 41 میں ذکر ہوا ہے ان لوگوں کی ہوگی جن کی طرف پیغمبر گرامی اسلامؐ کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اور انہوں نے ان کی نافرمانی کی تھی۔

یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رہے، کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا لوگوں کے سامنے لایا جانا اس لئے ہوگا۔کہ خدا ان انبیاء علیہم السلام کو اپنا گواہ بنا کر انکے سامنے لا کھڑا کرے گا اور یہ کہے گا کہ دیکھو میں نے تمہارے پاس ان کو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا تھا،لہذا ان انبیاء کو کسی کی گواہی کی ضرورت نہ ہوگی۔اور جب خدا کا فرستادہ وہ پیغمبر ان کے سامنے کھڑا ہوگا تو وہ یہ کہہ ہی نہ سکیں گے کہ خدا کی یہ حجت اور خدا کا یہ فرستادہ نبی، ہمارے پاس نہیں آیا تھا۔بلکہ وہ تو اس کو دیکھ کر دم بخود رہ جائینگے۔اور کوئی عذر نہ کر سکیں گے جیسا کہ سورہ النمل میں بیان ہوا ہے کہ:

یوم نبعث من کل امة شهیداً ثم لا یوذن للذین کفروا ولاهم یستعتبون۔النمل۔84

یعنی جس دن ہم ہر امت میں سے (اسکے پیغمبر کو) گواہ بنا کر کھڑا کرینگے تو اس وقت کافروں کو نہ توبات کرنے کی اجازت دی جائیگی ،اور نہ انکا کوئی عذر ہی سنا جائیگا،اور نہ ہی

انہیں توبہ کرنے کا موقع ملے گا۔

پس ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی نبی کو بھی کسی گواہ کی ضرورت نہیں ہوگی ان کے لئے خدا کا یہ کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ میں نے ان انبیاء کو تمہاری ہدایت کے لئے تمہارے پاس بھیجا تھا اور یہ تمہارے پاس آئے تھے اور ان سے پہلے نبی نے انکے بارے میں تمہیں خبر دی تھی اور انہوں نے میرا نمائندہ ہونے اور میری طرف سے رسول بنا کر بھیجے جانے کا تمہارے سامنے اعلان کیا تھا۔ اور میں نے ان کی اپنے معجزے کی سند کے ذریعہ سے انکی تصدیق کی تھی۔ لہذا انہیں دیکھ کر کوئی کافر انکار کر ہی نہ سکے گا اور نہ ہی یہ کہہ سکے گا کہ یہ ہمارے پاس نہیں آئے تھے۔

بہر حال سورہ الزمر کی مذکورہ آیت نمبر 69 تو یہ کہتی ہے کہ شھداء روز قیامت اور ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور ہیں، اور یہ شھداء وہ ہیں جو نبی نہ تھے بلکہ وہ ختم نبوت کے بعد آئے، وہ پیغمبرؐ کے بعد ہر زمانے کے لوگوں کے اوپر گواہ تھے۔

اور سورہ انعام کی آیت نمبر 117 یہ کہتی ہے کہ کوئی نبی اپنے بعد کے لوگوں پر گواہ نہیں بن سکتا۔

اور سورہ نساء کی آیت نمبر 41-42 یہ کہتی ہے کہ ہر زمانہ کا گواہ علیحدہ ہوگا۔ اور یہ گواہ ان لوگوں پر ہوگا جنہوں نے پیغمبر گرامی اسلامؐ کو ماننے سے انکار کیا۔ یا اُن کی نافرمانی کی، لہذا یہ پچھلے انبیاء کی گواہی نہ ہوگی، پس پیغمبر بھی ان انبیاء کے گواہ نہ ہونگے کیونکہ پیغمبرؐ تو ان گواہوں پر گواہ ہونگے، جو پیغمبر اکرم کی نافرمانی کرنے والوں پر گواہ ہونگے، اور ہم نے جو سورہ النساء کی آیت نمبر 41 ''فکیف اذاجئنا من کل امۃ بشھید ''میں لفظ امۃ کا ترجمہ زمانہ کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ امت کثیر المعنی لفظ ہے عام ترجمہ تو اسکا گروہ اور فرقہ ہی کیا جاتا ہے، لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور

سب ہی نے قرینہ اور موقع ومحل اور سیاق وسباق کے مطابق جو معنی بنتے ہیں۔اسی کے مطابق معنی کیے ہیں،اس کی چند مثالیں ذیل میں دیجاتی ہیں۔

امت کا ایک معنی دین مذہب یا طریقہ بھی ہے

خداوند تعالیٰ سورہ الزخرف میں ارشاد فرماتا ہے:

''بل قالوا انا وجدنا اباء نا علی امة وانا علیٰ آثارهم مقتدون''۔الزخرف۔22

اسکا ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب نے اس طرح کیا ہے۔

''مگر یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے،اور ہم ان کے قدم بقدم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں''۔

یہاں اسکا ترجمہ گروہ کی بجائے طریقہ کیا گیا ہے جو سیاق وسباق کلام کے مطابق ہے۔

اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اسکا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

''بلکہ کہتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپ داداؤں کو ایک راہ پر،اور ہم انھی کے قدموں پر ہیں راہ پائے ہوئے۔یہاں پر اہل سنت کے اس معروف ومشہور مترجم قرآن نے امت کا ترجمہ گروہ نہیں کیا بلکہ راہ کیا ہے۔

اور راغب اصفہانی نے مفردات القران میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک متفقہ دین پر پایا۔مفردات القران۔راغب اصفہانی کی قرانی الفاظ کی لغت کی کتاب ہے،انہوں نے بھی یہاں پر امة کا ترجمہ گروہ نہیں کیا،بلکہ دین کیا ہے۔

پس اس آیت میں واقع لفظ امة کا ترجمہ سب نے یا طریقہ کیا ہے یا راہ کیا دین کیا ہے۔

امت کا ایک معنی زمانہ یا عرصہ یا مدت بھی ہے

خداوند تعالی سورہ ھود میں ارشاد فرماتا ہے:

ولئن اخرنا عنهم العذاب الیٰ امة معدودة ليقولن مايجسه۔ (ھود۔8)

مولانا فرمان علی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

''اور اگر ہم گنتی کے چند روزوں تک ان پر عذاب اتارنے میں دیر بھی کریں تو (یہ لوگ اپنی شرارت سے) بے تامل ضرور کہنے لگیں کہ (ہائیں) عذاب کو کونسی چیز روک رہی ہے''

اور شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس کا ترجمہ اس طرح سے کیا ہے۔

''اور اگر ہم روکے رکھیں ان سے عذاب کو، ایک مدت معلوم تک، تو کہنے لگیں، کس چیز نے روک دیا عذاب کو''

اسی طرح سورہ یوسف میں ارشاد ہوا ہے۔

''وقال الذی نجامنها وادکر بعدامة انا انبئکم بتاویله فارسلون''۔ (یوسف۔45)

اس آیت کا ترجمہ مولانا فرمان علی نے اس طرح کیا ہے۔

''اور جس نے ان دونوں میں سے رہائی پائی تھی (ساقی) اور اس کو ایک زمانہ کے بعد یوسف کا قصہ یاد آیا۔ بول اٹھا کہ مجھے قید خانے تک جانے دیجئے، تو میں اس کی تاویل بتائے دیتا ہوں''۔

اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''اور بولا وہ، جو بچا تھا، ان دونوں میں سے، اور یاد آ گیا اس کو مدت کے بعد، میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو''

اور اس کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس

طرح سے لکھا ہے۔

''اب خواب کے سلسلے میں ساقی کو جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا مدت کے بعد یوسف یاد آئے''

بہرحال مذکورہ دونوں آیات میں واقع لفظ ''اُمۃ'' کا ترجمہ سنی وشیعہ مترجمین میں سے کسی نے بھی گروہ نہیں کیا۔ بلکہ قرینہ اور سیاق وسباق کے لحاظ سے کسی نے چند روز کیا، کسی نے مدت کے بعد کیا اور کسی نے ایک زمانہ کے بعد کیا ہے۔

امت کا ایک معنی امام یا پیشوا ور رہنما بھی ہے

خداوند تعالیٰ سورہ النحل میں ارشاد فرماتا ہے

''ان ابراھیم کان امۃ قانتاً للہ حنیفاً ولم یک من المشرکین''۔النحل۔120

اس کا ترجمہ مولانا فرمان علی اس طرح کیا ہے۔

''اس میں شک ہی نہیں کہ ابراھیم (لوگوں کے) پیشوا خدا کے فرمانبردار بندے تھے، اور باطل سے کترا کے چلنے والے تھے، اور مشرکین سے (ہرگز) نہ تھے۔

اور اس کا ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس طرح کیا ہے۔

''اصل میں تو ابراھیم تھا، راہ ڈالنے والا، فرمانبردار اللہ کا، سب سے ایک طرف ہو کر، اور نہ تھا شرک والوں سے'' اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے بھی اپنے ترجمہ میں یہ لکھا ہے۔

''بے شک تھا ابراھیم پیشوا فرمانبردار اللہ کا'' الخ

پس خدا نے قرآن کی اس آیت میں جو لفظ امت استعمال کیا ہے اسکا ترجمہ سنی وشیعہ مترجمین میں سے کسی نے بھی گروہ نہیں کیا اور یہ نہیں لکھا کہ ابراھیم گروہ تھا بلکہ سب نے اسکا ترجمہ پیشوا کیا ہے، یا راہنما کیا ہے۔ اور چونکہ خدا نے حضرت ابراھیم کے لئے یہ کہا ہے کہ

"انی جاعلک للناس اماما"۔میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں لہذا سب نے اسی تعلق سے امۃ کا ترجمہ پیشوا یا رہنما کیا ہے۔اور امام کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

چونکہ قرآن میں لفظ امت گروہ کے معنی کے علاوہ۔دین ومذہب،طریقہ اور راستہ کے معنی میں بھی آیا ہے اور مدت وزمانہ وعرصہ کے معنی میں بھی آیا ہے اور امام وپیشوا ور ہنما کے معنی میں بھی آیا ہے،لہذا امت کا معنی ہر صورت میں سیاق وسباق کلام،اور قرینہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ہی کرنا چاہیے،لہذا ہم نے سیاق وسباق کلام اور قرینہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے سورہ النساء کی آیت نمبر 41 کا امۃ کا ترجمہ ہر زمانہ کا ایک گواہ لائینگے کیا ہے۔اور آگے بھی ہم سیاق وسباق کلام اور قرینہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی اس لفظ کا ترجمہ کرینگے۔

روز قیامت کے شہدا یعنی گواہوں کا تعارف

اب ہم اس عنوان کے تحت روز قیامت کے ان شہدا یا ان گواہوں کا تعارف کرائینگے جو قیامت کے دن لوگوں پر گواہ ہونگے اور رسول ان گواہوں کی گواہی دینگے۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود ان شہداء روز قیامت کو مخاطب کر کے،ان سے خطاب کیا ہے،جن کو خدا نے لوگوں پر گواہ بنایا ہے،اور رسول ان گواہوں پر گواہ ہونگے،اور ان گواہوں کی گواہی دینگے،چنانچہ سورہ البقرہ میں خود ان شہداء سے ہی مخاطب ہو کر خطاب کر رہا ہے،جیسا کہ ارشاد فرمایا:

"وکذالک جعلنا کم امة وسطاً لتکونو اشهداء علی الناس.ویکون الرسول علیکم شهیداً.وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علیٰ عقبیه وان کانت لکبیرة الا علی الذی هدی الله"۔البقرہ۔143

اس آیت کا ترجمہ مولانا فرمان علی نے اس طرح کیا ہے۔

"(اور جس طرح تمہارے قبلہ کے بارے میں ہدایت کی) اسی طرح تم کو عادل امت ٹھہرایا ،تا کہ اور لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنیں ،اور (اے رسول) جس قبلہ کی طرف تم پہلے (سجدہ کرتے) تھے ہم نے اس کو صرف اس وجہ سے قبلہ قرار دیا تھا، کہ جب قبلہ بدلہ جائے تو ہم ان لوگوں کو جو رسول کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں سے الگ دیکھ لیں، جو اُلٹے پاؤں پھرتے ہیں۔ اگر چہ یہ اُلٹ پھیر سوا ان لوگوں کے، جن کی خدا نے ہدایت کی ہے، سب پر شاق ضرور ہے"

اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

"اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل، تا کہ ہو تم گواہ لوگوں پر، اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا، اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ، کہ جس پر تو پہلے تھا، مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا، اور کون پھر جائیگا الٹے پاؤں، اور بے شک یہ بات بھاری ہوئی، مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے۔

اس آیت میں خود ان شہداء روز قیامت یعنی ان گواہوں سے ہی خطاب ہے، جو روز قیامت لوگوں پر گواہ ہونگے، اور رسول ان گواہوں کی گواہی دینگے، جس سے واضح طور پر ثابت ہے، کہ روز قیامت جو شہداء یعنی گواہ لوگوں کی گواہی کے لئے بلائے جائینگے اور رسول ان گواہوں کی گواہی دینگے۔ وہ نہ تو فرشتے ہونگے اور نہ ہی سابقہ انبیاء ہونگے بلکہ یہ شہداء روز قیامت جن کی پیغمبر گواہی دینگے وہ لوگ ہیں۔ جن کے کچھ افراد اس وقت موجود تھے اور باقی آئندہ آنے والے تھے۔

لیکن جو لوگ پیغمبر کے بعد پیغمبر کے مقرر کردہ ہادیان دین سے کسی طرح تمسک نہیں چاہتے، انہوں نے سورہ النساء کی آیت نمبر 41 جو سابق میں مذکور ہوئی ہے یعنی "فکیف اذا جئنا من کل امة بشهيدٍ وجئنا بک علی هٰؤلاء شهيدا"۔ (النساء۔ 41)

''یعنی اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب ہم ہر زمانہ کا ایک گواہ لائینگے اور اے رسول ان گواہوں کی گواہی کے لئے تمہیں گواہ بنا کر لائینگے''۔

میں ''من کل امة بشھید '' کا مطلب یہ لیا ہے، کہ گذشتہ انبیاء تو اپنی اپنی امتوں کے گواہ ہونگے ،اور پیغمبر اکرم ان انبیاء کے گواہ ہونگے۔

بیشک گذشتہ انبیاء اپنی اپنی امت پر خدا کی حجت ہونگے ،اور وہ اپنی اپنی امت کے اس لئے گواہ ہونگے ، کہ وہ خدا کی طرف سے انکی ہدایت کیلئے ان کے پاس پہنچے ،اور انہیں خدا کے احکام پہنچائے ،مگر پیغمبر اکرم کو انکا گواہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے، جب کہ قران یہ کہتا ہے کہ نہ وہ اس وقت موجود تھے جب کوہ طور پر خدا موسیٰ سے ہمکلام تھا ،نہ وہ اس وقت موجود تھے جب حضرت مریم کی کفالت کے لئے قرعے ڈالے جا رہے تھے ،لہذا انکو اس بارے میں کچھ خبر نہیں تھی خدا یہ کہتا ہے، کہ ان واقعات کو ہم نے اب تمہیں وحی کے ذریعہ بتلایا ہے۔اور وحی کے ذریعہ بھی آنحضرت کو چند مشہور و معروف انبیاء کا قصہ ہی بیان کیا اور باقی کے لئے صاف کہ دیا کہ اور انبیاء کا قصہ ہم نے تجھ سے بیان ہی نہیں کیا ،لہذا تمہیں ان کے واقعات کا کوئی علم نہیں ہے۔لہذا پیغمبران کے بارے میں کیا گواہی دینگے۔اور چونکہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 143 میں خطاب خود ان ہی شہداء روز قیامت سے ہے اور یہ کہا ہے کہ ''کذالک جعلنا کم امة وسطا ''یعنی اسی طرح ہم نے تم کو درمیان کی اُمت ، یا عادل امت بنایا ہے، تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو، اور پیغمبر تم پر گواہ ہو، لہذا یہاں سب مجبور ہو گئے کہ اس آیت میں بیان کردہ گواہ ، گذشتہ انبیاء نہیں ہو سکتے ،اور ان گواہوں کو گذشتہ انبیاء قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ یہ تو پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں وہ گواہ ہیں جن سے خود خدا خطاب کر رہا ہے۔''جعلنا کم'' تمہیں بنایا ہے۔''لتکونو اشھداء علی الناس '' تا کہ تم گواہ ہو لوگوں پر، ''ویکون الرسول علیکم شھیداً'' اور رسول گواہ ہو تم پر، یہ تو ان ہی

گواہوں سے خطاب ہو رہا ہے جو لوگوں پر گواہ ہونگے ،اور رسول ان گواہوں کے بارے میں گواہی دینگے۔

چونکہ ان لوگوں کو ہادیان دین اور پیغمبر اکرمؐ کے مقرر کردہ رہنماؤں سے تمسک منظور نہیں ہے،اور یہ لوگ انکا دامن تھامنا، انکی اطاعت کرنا،اور انکی پیروی کر کے صحیح ہدایت حاصل کرنا نہیں چاہتے ،لہذا اب یہاں انہوں نے یہ کہا، کہ اس سے مراد یہ ہے، کہ امت محمدی تمام دنیا کے انسانوں پر گواہ ہوگی ،اور رسول خدا اپنی امت پر گواہ ہونگے ۔لہذا ان کے اس موقف سے پیغمبر خداؐ کا گذشتہ انبیاء کے اوپر گواہ ہونے کا موقف تو ختم ہو گیا۔اب رہ گئی یہ بات کہ اس آیت سے مراد تمام امت محمدی ہو سکتی ہے یا نہیں تو اس آیت کا ایک لفظ بھی تمام امت محمدی پر صادق نہیں آتا۔

خداوند تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں روز قیامت کے ان شہدا یا گواہوں کو ''امۃ وسطا'' کہا ہے۔اگر امت کے وہ خاص معنی بھی مراد نہ لئے جائیں، جو سورہ نحل کی آیت نمبر 120 میں مراد لئے گئے ہیں یعنی رہنما و پیشوا۔ بلکہ امت کے عام معنی ہی مراد لئے جائیں، یعنی جماعت یا گروہ ۔اور وسط کے معنی ہیں۔ ''بیچ والا یا عادل'' اور یہ بات سب پر ظاہر ہے اور سب کو معلوم ہے، کہ امت محمدی بیچ والی امت نہیں ہے، کیونکہ نہ رسول خدا کے بعد کوئی اور نبی آئیگا ،اور نہ ہی آپ کی امت کے بعد کوئی دوسری امت ہے، آنحضرت نبی آخر الزمان ہیں اور آپ کی اُمت آخری امت ہے، لہذا امت محمدی کو بیچ والی امت کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ۔ ہو سکتا، البتہ وسط کے معنی عادل کے بھی ہیں تو ساری امت محمد کو عادل بھی نہیں کہ سکتے کیونکہ اس امت میں غاصب ،ظالم، خطار کار، قاتل، خونی ،اور دوسری طرح کے بدکار لوگ بھی شامل ہیں۔

علاوہ ازیں ہر نبی کو تو اپنے نبی ہونے کی خبر مل جاتی ہے،اور وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ نبی ہیں

اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کس قریہ، کس بستی، اور کن لوگوں کے لئے نبی ہیں، اور ان کو کیا کرنا ہے۔

لیکن معلوم نہیں یہ امت محمدی کی تقرری بطور گواہ کے کیسی ہے، کہ ان کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ حجت خدا ہیں اور وہ خدا کی طرف سے لوگوں پر گواہ ہیں۔ نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ ان کو کس بات کی گواہی دینی ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ دو گروہ روز قیامت ایسے ہونگے، جن کا کوئی حساب کتاب نہ ہوگا، ان میں سے ایک گروہ بلا حساب داخل جھنم ہوگا اور دوسرا گروہ بغیر حساب کتاب کے داخل جنت ہوگا۔ اور وہ بہشت میں بغیر کسی حساب کتاب کے داخل کیئے جائیں گے۔

وہ گروہ جو بلا حساب کتاب کے داخل جھنم ہوگا، یہ گروہ کفار و مشرکین و منافقین کا گروہ ہوگا، اور وہ گروہ جو بے حساب کتاب کے داخل جنت ہوگا وہ انبیاء ورسل اور ھادیان دین کا گروہ ہوگا جو بالکل معصوم ہوگا۔

باقی سب لوگ حساب کتاب دینگے۔ نامہ اعمال انکے ہاتھ میں ہوگا، وہ کسی کے کیا گواہ بنیں گے؟ انہیں تو اپنی پڑی ہوئی ہوگی، ان میں سے جس کا نامہ اعمال گناہوں سے وزنی ہوگا وہ جھنم رسید ہونگے، اور جن کا نامہ اعمال نیکیوں سے پر ہوگا، تو ان میں سے ہر ایک اپنی جزا و سزا کے انتظار میں منہ اٹھائے دیکھ رہے ہونگے۔

اور جب امت محمدی نہ بیچ والی امت ہے، نہ ساری امت عادل ہے، تو امت وسط سے مراد تمام امت محمدی ہو ہی نہیں سکتی۔

ہاں اس آیت کا ایک ایک لفظ آئمہ اثنا عشر پر صادق آتا ہے، کیونکہ اگر وسط کے معنی بیچ والا گروہ لیا جائے، تو آئمہ اثنا عشر ہی رسول خدا اور انکی امت کے بیچ میں ہیں، یعنی رسول خدا کے ماتحت اور عام امت سے بالاتر، لہذا انہیں امت وسط کہنا درست ہوگا۔ اور اگر وسط

کے معنی عادل لیا جائے ،تو ان بارہ اماموں کے عادل ہونے کے بارے میں نہ کسی نے شک کیا ہے ،نہ شبہ ،اور اگر سورہ النحل کی آیت نمبر 120 میں واقع لفظ امت کے معنی ۔یہاں مراد لئے جائیں ،یعنی پیشوا اور رہنما تو یہ ایک حقیقی معنی بن جاتے ہیں ،یعنی عادل پیشوا،یا عادل رہنما،یا عادل امام ،اور رسول انکی اس بات کے گواہ ہونگے کہ انہوں نے ان بارہ اماموں کے پیشوا ہونے ،انکے رہنما ہونے ،انکے امام ہونے ،انکے ہادی ہونے ،ان کے معصوم ہونے ،اور اپنا وصی وجانشین ہونے کا ،اپنی امت کے سامنے اعلان کردیا تھا اور وہ پیغمبرؐ کے بعد ،ہر زمانے میں ،لوگوں کی ہدایت کے لئے موجود رہے ،اور جنہوں نے انکی طرف رجوع کیا انہیں ہدایت کرتے رہے۔

غرض خدا ان شہداء ،روز قیامت کو اور ان گواہوں کو جو لوگوں پر گواہ ہونگے اور رسول خدا انکے گواہ ہونگے ''امت وسط'' فرما کر قران پاک میں ان کا منصب بیان فرماتا ہے اور اس آیت کو لفظ ''کذالک'' سے شروع کرتا ہے۔اور ''کذالک'' حرف تشبیہ ہے اور یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب ایک بات کو دوسری بات کے مشابہ کہنا مقصود ہو۔اور جہاں امت وسط کا ذکر ہے ،وہاں اس کے قبل اور اس کے بعد خداوند عالم خانہ کعبہ کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے بیت المقدس کو پہلے قبلہ اس لئے قرار دیا تھا ،کہ جب دوسرے قبلہ کی طرف مسلمانوں کو منہ کرنے کا حکم ہو ،تو سچے مومن کی پہچان ہو جائے ،اور وہ لوگ بھی پہچان لئے جائیں ،جو الٹے پیر پھر جانے والے ہیں ،جیسا کہ ارشاد ہوا۔

وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه۔البقرہ143

یعنی بیت القدس کو صرف اس لئے قبلہ بنایا گیا تھا کہ اس کے بدلنے کے وقت ہم پہچان لیں ،کہ کون رسول کی سچی پیروی کرتا ہے ،اور ان میں سے کون اپنے الٹے پاؤں پھر جانے

والا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جس طرح بیت المقدس کو بدل کر خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے سے اس بات کا پتہ چل گیا، کہ رسول کا اتباع اور پیروی کرنے والا کون ہے، اور اپنے الٹے پاؤں پھر جانے والا کون ہے۔

اسی طرح پیغمبر کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد، پیغمبر کے مقرر کردہ ھادیان دین، یعنی امتِ وسط کی اتباع و پیروی کے حکم سے، اس بات کا پتہ چل جائیگا کہ رسول کا سچا پیرو کون ہے، اور اپنے الٹے پاؤں پھر جانے والا کون ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ خدا جس کسی کو کسی منصب پر مقرر کرتا ہے، اسے یہ دعویٰ کرنا چاہیے کہ مجھے خدا نے فلاں منصب پر فائز کیا ہے۔ پس اس آیت کے مطابق خدا نے جنہیں امت وسط بنا کر روز قیامت کے شہداء یعنی لوگوں پر گواہ قرار دیا ہے، انہیں اس بات کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ کہ ہم وہ امت وسط ہیں جنہیں خدا نے روز قیامت کے شہداء یعنی لوگوں کے گواہ بنایا ہے، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت علی علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے، کہ وہ امت وسط ہم ہیں، چنانچہ سلیم بن قیس ہلالی سے مروی ہے کہ: حضرت علیؑ نے فرمایا کہ امت عادل اور لوگوں پر گواہ ہم ہیں، اور خاص ہم ہی اس سے مقصود ہیں۔ اور حضرت رسول ہم پر گواہ ہیں، اور ہم گواہان خدا ہیں، اسکی مخلوق پر، اور اسکی حجۃ ہیں، زمین پر، اور ہم ہی وہ ہیں جن کے بارے میں خدا نے ''**كذالك جعلنا كم امة وسطاً**'' فرمایا ہے یعنی اسی طرح ہم نے تم کو امت عادل بنایا ہے۔ (حاشیہ فرمان ترجمہ بحوالہ شواہد التنزیل ابو القاسم جسکانی)

اور حضرت علیؑ کے اس دعوے کی تصدیق خود رسول خدا نے انکو کعبہ سے مشابہ قرار دے کر اس طرح فرمائی ہے۔

عن ابی ذر قال قال رسول الله صلعم مثل علی فی هذه، الامة كمثل الكعبة النظر عليها عبادة والحج اليها فريضة''۔ (اخرج ابن المغازلی المناقب)

یعنی ابوذر غفاری کہتے ہیں، کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا، کہ علی مثل کعبہ کے ہیں، اسکی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے، اور اسکا حج کرنا فرض ہے، اسکو ابن المغازلی نے مناقب میں روایت کیا ہے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلعم بعلی انت بمنزلة الکعبة توتی ولا تاتی فان اتاک ھٰولاء القوم فسلموک ھذاالامر فاقبل منھم وان لم یاتوک فلا تاتھم حتی یاتوک". (اخرجه الدیلمی فی فردوس الاخبار، واخرجه ابن الاثیر عن علی فی اسد الغابه)

یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ رسالتماب صلعم نے علیؑ سے فرمایا، کہ تم بمنزلہ کعبہ کے ہو، لوگوں کے چاہیے کہ وہ تمہارے پاس آئیں، نہ کہ تم لوگوں کے پاس جاؤ پس اگر یہ قوم تمہارے پاس آکر اس امر کو تمہارے سپرد کردے، تو اس کو قبول کرنا، اور اگر نہ آئے، تو تم خود ان کے پاس نہ جانا، یہانتک کہ وہ خود تمہارے پاس آئیں۔ ارجح المطالب صفحہ 480

خلاصہ یہ ہے کہ خدا قرآن پاک میں امت وسط کو جو روز قیامت کل انسانوں پر گواہ ہونگے کعبہ کے مانند کہتا ہے، اور رسول خدا صلعم فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ مثل کعبہ کے ہیں۔ اور حضرت علیؑ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ امت وسط جو قیامت کے دن لوگوں پر گواہ ہونگے، اس سے مراد ہم ہیں، تو اسکا صریح اور صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت علیؑ اور ان ہی جیسی ذوات مقدسہ جو قیامت کے دن امت پر گواہ ہونگے، وہ سب مثل کعبہ کے ہیں، جن کی اطاعت وپیروی کا مطلب یہ ہے، کہ وہ رسول کی پیروی کرنے والا ہے اور اُن کی نافرمانی کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول کی نافرمانی کرنے والا ہے اور اپنے الٹے پیروں کی طرف پھر گیا ہے، یہ وہ اوصاف ہیں جن کا کسی نے سوائے آئمہ اثنا عشر کے دعویٰ نہیں کیا۔

چونکہ آیت زیر بحث میں خطاب ان ہی لوگوں سے ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے، کیونکہ خدا یہ فرماتا ہے، کہ تم کو، یعنی مخاطبین کو، اس نے امت وسط قرار دیا ہے، تا کہ تم امت کے لوگوں پر گواہ ہو، اور رسول تم لوگوں پر گواہ ہوں، لہذا کوئی شک نہیں ہے کہ جن شہدائے روز قیامت کا یعنی روز محشر اٹھائے جانے والے گواہوں کا قبل کی آیات میں ذکر ہے، وہ سب وہ امت وسط ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے، یا بعد میں آنے والے تھے، لہذا وہ تمام شہداء اور قیامت کے دن امت کے لوگوں پر گواہی دینے والے گواہ جن پر رسول گواہ ہونگے، ان سے انبیاء ماسبق صاف طور پر خارج ہو گئے، اور وہ ہرگز مراد نہیں ہو سکے، اور آیت کے الفاظ میں اچھی طرح سے غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ساری امت محمدیہ بھی اس سے مراد نہیں ہو سکتی۔

اب ہم ان شہدائے روز قیامت کی، یعنی قیامت کے دن امت کے لوگوں پر گواہی دینے والے ان گواہوں کی، جن کی گواہی رسول خدا صلعم دینگے، قرآن کریم سے نہایت ہی اہم اور واضح پہچان اگلے عنوان میں پیش کرتے ہیں۔

شہدائے روز قیامت کی نہایت ہی اہم اور واضح پہچان

سابقہ عنوان کے تحت ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ شہدائے روز قیامت، جن کے بارے میں رسول الثقلین صلعم گواہی دینگے، اور وہ ان گواہوں کے گواہ ہونگے، وہ شہدائے روز قیامت انبیاء ماسبق نہیں ہونگے، اور نہ ہی امت وسط سے مراد ساری امت محمدی ہے، اب ہم قرآن کریم سے وہ آیات پیش کر رہے، جن میں خدا نے ان شہدائے روز قیامت، اور امت محمدی کے لوگوں پر گواہی دینے والے ان گواہوں کی، جن کی رسول خدا صلعم گواہی دینگے، واضح طور پر تصویر پیش کر دی ہے۔ وہ آیات یہ ہیں

یا ایھا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم

تفلحون ،وجاهدوافی الله حق جهاده،هواجتباکم وماجعل علیکم فی الدین من حرج ،ملة ابیکم ابراهیم هوسماکم المسلمین من قبل وفی هذالیکون الرسول شهیدا علیکم وتکونو شهداء علی الناس. الحج۔ 78.77

ترجمہ۔ اے ایمان والوں رکوع کرواور سجدے کرواور اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔اور نیکی کروتا کہ تم کامیاب ہو۔اور خدا کی راہ میں ایسا جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے اس نے (تم کو برگزیدہ کیا ہے تمہارا اچھے کیا ہے) تم کو مجتبے بنایا ہے،اور امور دین میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں رہنے دی تمہارے باپ ابراھیم کے مذہب کو تمہارا مذہب بنادیا ہے اس نے ہی تمہارا نام پہلے ہی سے مسلمان (فرمانبردار بندے) رکھا تھا۔اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تا کہ رسول تو تم پر گواہ ہو،اور تم تمام انسانوں پر گواہ ہو"۔

خداوند تعالیٰ نے ان آیات میں ان شہدائے روز قیامت کا جو تمام انسانوں پر گواہ ہونگے ،اور رسول ان پر گواہ ہونگے انتہائی واضح الفاظ میں تعارف کرادیا ہے۔اور ان آیات نے ان لوگوں کے قیاسات واختراعات کو، جو آئمہ اطہارؑ اور پیغمبر اکرمؐ کے بعد آنے والے ہادیان دین اور آئمہ طاہرین سے کسی طرح تمسک اور وابستگی اختیار کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں قطعی طور پر رد کردیا ہے اور ان آیات کی موجودگی میں نہ تو کوئی گذشتہ انبیاء کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اکرمؐ اُن انبیاء کے گواہ ہونگے اور وہ انبیاء اپنی اپنی امت کے لوگوں کے گواہ ہونگے اور نہ ہی کوئی ساری امت محمد صلعم کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ ساری امت محمد یہ لوگوں پر گواہ ہوگی۔اور پیغمبر اکرمؐ اپنی ساری امت کے گواہ ہونگے۔

ان آیات میں اگر چہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کو کھول کر بیان کرنے اور انکی تشریح ووضاحت کی ضرورت ہے،لیکن ہم اس سے آگے ان آیات میں بیان کردہ صرف چار باتوں کی خاص طور پر وضاحت کرینگے۔چونکہ یہ چاروں باتیں،ان شہدائے روز قیامت کی

جولوگوں پر گواہ ہونگے اور رسول ان پر گواہ ہونگے ،امتیازی اور خصوصی پہچان کو بیان کرتی ہیں۔

ان شہدائے روز قیامت کی جن پر رسول گواہ ہونگے پہلی پہچان

ان آیات کا آغاز''یا ایھا الذین آمنو '' سے ہوتا ہے جنہیں خدا نے شہدائے روز قیامت کے عنوان سے خطاب کیا ہے لہذا شہدائے روز قیامت کی پہلی پہچان یہ ہے کہ یہ حضرات پیغمبر اکرمؐ پر ایمان لانے والوں میں سے ہیں اور یہ ہستیاں یا کم از کم ان کے کچھ افراد اس خطاب کے وقت پیغمبرؐ کے سامنے موجود تھے۔ لہذا اس سے یہ قیاس اور خیال یا نظریہ قطعی طور پر غلط ہوگیا، کہ ان آیات میں گواہوں سے مراد سابقہ انبیاء ہیں جو اپنی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دینگے، اور پیغمبر اکرمؐ ان انبیاء کے بارے میں گواہی دینگے۔

شہدائے روز قیامت کی دوسری پہچان ان کا اجتبےٰ ہے

ان شہدائے روز قیامت کی دوسری پہچان ،جنکی پیغمبر گواہی دیں گے یہ ہے کہ وہ ''یا ایھا الذین آمنو ''میں سے ہونگے اور اُنہیں خداوند تعالیٰ نے واضح الفاظ میں شہدائے علی الناس کہ کر یہ کہا ہے کہ''ھو اجتباکم ''اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے۔ تمہارا اجتبےٰ کیا ہے۔ تم کو مجتبےٰ بنایا ہے۔ اور جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کرینگے کہ اجتبےٰ ،انبیاء و رسل اور ہادیان دین کا وہ بلند ترین درجہ ہے، جو انہیں سب سے آخر میں حاصل ہوتا ہے، جو صرف انبیاء و رسل اور ہادیان دین کو پیدائشی اور خلقی طور پر مصطفےٰ بناتا ہے۔ یعنی وہ ایسی قابلیت و صلاحیت و استعداد کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، جنہیں مصطفےٰ کہا جاتا ہے، پھر جن کا اصطفےٰ ہوا ہوتا ہے، اور وہ پیدائشی طور پر مصطفےٰ ہوتے ہیں، خداوند تعالیٰ اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو نبوت و رسالت اور ھادی خلق ہونے کے منصب کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور مفردات

القران میں راغب اصفہانی کے قول کے مطابق یہ قسم یعنی اختیار کرنے کی قسم پہلی قسم، یا پہلے معنی، یعنی اصطفٰے کے بغیر نہیں پائی جاتی، یعنی خدا نبوت و رسالت و ھدایت خلق کے لئے اختیار صرف انہیں کو کرتا ہے جو پیدائشی طور پر پہلے سے مصطفٰے ہوتے ہیں۔ پھر خدا اپنے ان مصطفٰے بندوں کو اختیار کرنے کے بعد، انہیں مجتبٰے بناتا ہے۔ ان کا اجتبٰے کرتا ہے، یعنی ہر آن اپنے زیر نظر۔ زیر نگرانی و نگہداشت، زیر تعلیم، زیر تربیت اور زیر ہدایت رکھتا ہے۔ اور ایک آن کے لئے بھی خود ان کے نفس کے حوالے نہیں کرتا۔ لہذا اس کے مجتبٰے بندے قطعی طور پر معصوم ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ تو الگ رہا ترکِ اولیٰ بھی ان سے صادر نہیں ہوتا۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم لغت سے لفظ اجتبٰے کا معنی معلوم کریں اور پھر ان شھدائے روز قیامت کے علاوہ ان ہستیوں کا حال معلوم کریں جن کا خدا نے اجتبٰے کیا ہے۔ تاکہ شھدائے روز قیامت کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے، لہذا ہم اس سے آگے لغت سے اجتبٰے کے معنی کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

اجتبٰے کا لغت میں معنی

الاجتباء۔ کے معنی انتخاب کے طور پر کسی چیز کے جمع کرنے کے ہیں لہذا آیت کریمہ ''واذالم تاتھم آیة قالوا لولا اجتبیھا ''۔ (الاعراف۔ 203) اور جب تم ان کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے خود ہی) کیوں نہ بنالی۔ میں: ''لولا اجتبیتھا'' کے معنی یہ ہونگے کہ تم خود ہی ان کی تالیف کیوں نہیں کر لیتے، دراصل کفار یہ جملہ طنزیہ کہتے تھے کہ یہ آیات اللہ کی طرف سے نہیں ہیں۔ تم خود ہی اپنے طور پر بنالیتے ہو۔ (مفردات راغب اصفہانی صفحہ 171)

اس آیت اور لغت کے اس معنیٰ سے ثابت ہوا کہ اجتبیٰ کا معنیٰ، کسی کا کسی چیز کو بنانا ہے، اور انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے لئے یہ منزل آخری منزل ہے۔ یعنی پہلے وہ پیدائش اور خلقی طور پر مصطفٰے ہوتے ہیں۔ پھر خدا انہیں اپنے کام انجام دینے کے لئے دوسرے تمام لوگوں میں سے اختیار کرتا ہے۔ اور پھر ان اختیار کردہ لوگوں کو اپنے کام کا بنانے کے لئے انہیں خود تربیت کرتا ہے۔ انہیں خود تعلیم دیتا ہے اور انہیں ہر دم زیر نگرانی رکھ کر خصوصی طور پر ہدایت کرتا ہے۔

اس مطلب کو سمجھنے کے لئے ذیل میں ان ہستیوں کا حال بیان کیا جاتا ہے جن کا خدا نے اجتبےٰ کیا۔

سارے انبیاء و رسل اور ہادیان دین کا اجتبےٰ

خداوند تعالیٰ سورہ انعام میں مشہور و معروف انبیاء و رسل کو اپنی طرف سے ہدایت دینے، انکی نیکیوں اور فضیلتوں کا بیان کرنے کے بعد، ان کے اجتبےٰ کو اس طرح سے بیان کرتا ہے۔

"وکلاً فضلنا علی العالمین ومن آبائھم وذریتھم واخوانھم واجتبینٰھم وھدیناھم الیٰ صراط مستقیم ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء من عبادہ۔ (الانعام۔ 87 تا 89)

ترجمہ۔ اور ہم نے ان سب انبیاء و رسل کو سارے جہان والوں پر فضیلت دی۔ (اور جن کا ذکر اوپر آیا ہے صرف ان ہی کو نہیں بلکہ) ان کے باپ داداؤں کو، اور انکی اولاد اور انکے بھائی بندوں میں سے بھی (بہتیروں کو اسی طرح ہدایت کی اور انکو منتخب کیا انکو برگزیدہ کیا انکو مجتبےٰ بنایا) اور ان کا اجتبےٰ کیا اور انکو سیدھی راہ کی ہدایت کی۔ دیکھو یہ ہے خدا کی ہدایت اور خدا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے (وہ ان ہادیان دین کے ذریعہ سے) ہدایت کرتا ہے۔

ان آیات میں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر پیغمبر اکرمؐ کے بعد آنے والے تمام ہادیان دین انبیاء ورسل اور شھدائے روز قیامت سب کا ذکر آ گیا ہے۔

اس کے علاوہ سورہ مریم میں بھی حضرت اسحقؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ھارونؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت ادریس علیھم السلام وغیرہ انبیاء ورسل کو نبوت ورسالت عطا کرنے کا بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے۔

اولئک الذین انعم الله علیهم من النبین من ذریة آدم وممن حملنا مع نوح ومن ذریة ابراهیم واسرائیل ممن هدینا واجتبینا۔ (مریم.59)

ترجمہ۔ یہ انبیاء ورسل وہ ہستیاں ہیں جنہیں خدا نے اپنی نعمت خاص سے نوازا ہے، یہ سب کے سب آدمؑ کی اولاد سے ہیں اور انکی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے (طوفان کے وقت) نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کرایا تھا اور ابراھیم ویعقوب کی اولاد سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جنکی ہم نے (خصوصی طور پر براہ راست) ہدایت کی اور انہیں منتخب کیا، انکا اچھے کیا، انکو مجتبےٰ بنایا۔

خداوند تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں کچھ انبیاء کا نام بنام ذکر کیا ہے، یہ وہ انبیاء ورسل اور ہادیان دین ہیں جن کی نسل میں یکے بعد دیگرے انبیاء ورسل اور ہادیان دین ہوئے اور باقی تمام انبیاء ورسل اور ھادیان دین کا اجمالی طور پر ذکر کر کے ان کو مجتبےٰ بنانے اور ھدایت کرنے کو بیان کیا ہے۔

مذکورہ آیات سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ خدا اپنے مجتبےٰ بندوں کو ہر وقت اپنے زیر ہدایت رکھتا ہے۔ اور اپنے باقی بندوں کو اپنے مجتبےٰ بندوں کی اطاعت وپیروی کے ذریعہ ہدایت کرتا ہے۔ اور اس طریقہ سے اپنے تمام بندوں کو ہدایت کرنے کو اپنی طرف سے ہدایت کرنا کہتا ہے۔

راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں اجتبیٰ کا معنی بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:
اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کو چن لینا (یعنی اجتبیٰ کرنا) کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے فیض کے لئے برگزیدہ کرلیتا ہے۔ جسے گوناگوں نعمتیں جدوجہد کے بغیر حاصل ہوجاتی ہیں۔ یہ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور صدیقوں اور شہیدوں کے لئے جو ان کے قرب کا درجہ حاصل کرلیتے ہیں۔

اگرچہ مذکورہ آیات میں تمام انبیاء ورسل اور ہادیان دین علیہم السلام کیلئے مجموعی طور پر سب کے لئے اجتبیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لیکن ترجمہ میں ہر کسی نے معنی وہی برگزیدہ کرنا، یا چن لینا ہی کئے ہیں، جب کہ اصطفےٰ اور اختیار کے لئے بھی اردو میں ان ہی الفاظ کا استعمال ہوا ہے یعنی برگزیدہ کرنا یا چننا۔ اردو کے دامن میں اتنی وسعت ہی نہیں ہے کہ ان الفاظ کا یعنی اصطفےٰ کا اختیار کا اور اجتبیٰ کا علیحدہ علیحدہ معنی کرسکے، حالانکہ عربی زبان میں یہ علیحدہ علیحدہ الفاظ علیحدہ علیحدہ معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اب فرق ان میں یہ ہے کہ اصطفےٰ کا لفظ ان ہستیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، جنہیں خدا نے خلقی اور پیدائشی طور پر بطور ایجاد کے، ان عیوب اور ان اندرونی کثافتوں سے پاک وپاکیزہ پیدا کیا ہے، جو دوسرے لوگوں میں پائی جاتی ہیں، اور اس پاکیزگی کی بناء پر وہ یہ صلاحیت وقابلیت واستعداد رکھتے ہیں کہ خدا ان سے کلام کرے اور انہیں حسب موقع ومحل ہدایت دے، اور وہ خدا کی ہدایات کے مطابق عمل پیرا رہیں۔

اور اختیار کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان ہستیوں کو جنہیں اس نے پیدائشی طور پر مصطفےٰ بنایا ہے انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے منصب کے لئے، بہتر کے طور پر دوسروں میں سے چن لیتا ہے۔

اور اجتبیٰ کا معنی یہ ہے کہ وہ ان مصطفےٰ بندوں کو نبوت ورسالت وہدایت کے کام انجام

دینے کے لئے منتخب کرنے اور اختیار کرنے کے بعد، اُنہیں اپنا کام انجام دینے کے لئے اور دوسرے لوگوں کو ہدایت کرنے کے قابل بنانے کے لئے، خود انکی تربیت کرتا ہے۔ انکو خود تعلیم دیتا ہے، انکی نگرانی کرتا ہے، اور ہر دم اور ہر آن ان پر اپنی نعمتیں، برکتیں اور فیوض وبرکات نازل کرتا رہتا ہے، اور انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی بھی خود ان کے نفس کے حوالے نہیں کرتا، انہیں اپنا کام کا بنانے کے لئے، خود انکو سکھاتا ہے، اور انہیں ایک آن اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی طرف سے غافل نہیں رہنے دیتا، بلکہ ہر دم اپنی طرف کی ہدایت ورہنمائی کے ذریعہ انہیں زیر نظر رکھتا ہے، اور انہیں اپنے کام کا بنالیتا ہے اور خداوند تعالیٰ کی یہ ہدایت ورہنمائی ان پیغامات واحکامات کے سلسلہ کی وحی کے علاوہ ہوتی ہے، جوامت کو پہچانے کے لئے اس کی طرف سے کی جاتی ہے، اور یہی اجتبےٰ وہدایت وہ چیز ہے جوانبیاء ورسل اور ہادیان دین کو معصوم رکھتی ہے، اور اُنہیں محاسن اخلاق کا حامل بناتی ہے۔

مذکورہ آیات میں خداوند تعالیٰ نے تمام انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے اجتبےٰ کو یکجائی طور پر بیان کیا ہے لیکن ان کے حالات کے بیان میں علیحدہ علیحدہ بھی انکے اجتبےٰ کو بیان کیا ہے، ہم ان میں سے کچھ انبیاء ورسل کے اجتبےٰ کو اس سے آگے اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا اجتبےٰ

خداوند تعالیٰ سورہ النحل میں ارشاد فرماتا ہے

ان ابراھیم کان امة قانتا لله حنیفا ولم یک من المشرکین. شاکرا لا نعمة اجتبه وھداه الیٰ صراط مستقم۔ (النحل۔ 120-121)

اس میں شک نہیں کہ ابراھیم لوگوں کے پیشوا، خدا کے فرمانبردار بندے، اور باطل سے کترا کر چلنے والے تھے، ان کو خدا نے منتخب کرلیا تھا اور اپنی سیدھی راہ کی انہیں ہدایت کی

تھی۔ (فرمان ترجمہ)

اس آیت میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کو خدا نے جو امۃ کہا ہے تو اسکا ترجمہ مولانا فرمان علی نے پیشوا کہا ہے، اور مولانا فرمان علی کے علاوہ اہل سنت کے معروف عالم شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے بھی اس لفظ کا معنی پیشواہی کیا ہے، جس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ امت کا ایک معنی پیشوا بھی ہے۔ جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں چونکہ خدا نے نبوت ورسالت کے علاوہ حضرت ابراھیم کو امام بنانے کا بھی اعلان کیا تھا جس کے معنی پیشوا کے ہیں لہذا امت کا لفظ پیشوا یا امام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

دوسرے اس آیت میں بھی ''اجتبٰہ'' پہلے آیا ہے، اور ''ھداہ'' بعد میں آیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خدا اپنے انبیاء ورسل اور ھادیان دین کی تربیت وتعلیم وہدایت انکے، اجتبیٰ کے بعد شروع کرتا ہے، اور اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے، کہ خدا جن کا اجتبیٰ کرتا ہے، انہیں براہ راست خصوصی طور پر، اپنی ہدایت سے نوازتا ہے، اور انہیں ہادی بناتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اجتبیٰ

اگر چہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اجتبیٰ کا بیان بھی سارے انبیاء کے اجتبیٰ کے بیان میں آ گیا ہے، جسے ہم نے سورہ مریم اور سورہ الانعام کی آیات سے بیان کیا ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے کچھ انبیاء کے اجتبیٰ کا علیحدہ علیحدہ بیان بھی کیا ہے۔ اور ان کے اجتبیٰ کے بیان میں کچھ خاص نکات کا علم ہوتا ہے، لہذا انکے اجتبیٰ کو علیحدہ طور پر بھی بیان کیا جاتا ہے، اور وہ اس طرح ہے، کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار، حضرت یعقوب علیہ السلام سے، اپنے خواب کو بیان کیا، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں کچھ نصیحتیں کرنے کے بعد فرمایا:

وکذالک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل لاحادیث ویتم نعمة علیک وعلی آل یعقوب کما اتمها علیٰ ابویک من قبل ابراهیم واسحق،ان ربک علیم حکیم۔(یوسف۔6)

یعنی تمہارا پروردگار تمہارا بھی اسی طرح سے اجتبے کریگا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا ،اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمتیں پوری کریگا۔جس طرح سے کہ پہلے تمہارے پردادا ابراھیمؑ،اور دادا اسحقؑ پر کر چکا ہے۔یقیناً تمہارا پروردگار علیم بھی ہے،اور حکیم بھی ہے۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کے بیان کو حکایتاً نقل کیا ہے۔جو حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کا خواب سننے اور انہیں کچھ نصیحتیں کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

اس آیت میں حضرت یعقوب اپنے فرزند حضرت یوسفؑ سے فرماتے ہیں:''وکذالک یجتبیک ربک''اور اسی طرح تمہارا رب تمہارا اجتبے کریگا۔اس میں لفظ''کذالک''اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح تمہارے آباؤ اجداد کو جو انبیاء ورسل اور ہادیان دین تھے مجتبے بنایا تھا،اسی طرح وہ تمہیں مجتبے بنائے گا۔اور''یجتبیک''،فعل مضارع ہونے کی حیثیت سے، مستقبل پر دلالت کرتا ہے،یعنی آئندہ چل کر خدا تمہیں مجتبے بنائے گا،یعنی وہ اس وقت مجتبے نہیں تھے۔اور یجتبیک کے بعد''یعلمک''کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا جن کو مجتبے بناتا ہے انہیں خود تعلیم دیتا ہے،انکی تربیت کرتا ہے،اور انہیں اپنی ہدایات خاص سے نوازتا ہے،اور اس آیت میں لفظ''یجتبیک''اور''یعلمک''کے بعد''ویتم نعمة علیک وعلیٰ آل یعقوب''سے یہ ثابت ہوا کہ خدا جس کا اجتبے کرتا ہے اس پر تمام انبیاء ورسل اور ھادیان دین کی طرح اپنی نعمتوں کو تمام وکامل کرتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نبی تھے اور خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے یعنی وہ مصطفےٰ بھی تھے اور

مجتبےٰ بھی تھے۔لہذاانہیں معلوم تھا، کہ یہ خواب خدا کے برگزیدہ اور مصطفٰے بندوں کا خواب ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام جو خواب دیکھتے ہیں،وہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے،اور ایک طرح سے خدا کی طرف سے بطور الہام کے،بمنزلہ وحی کے ہوتا ہے،اور حکم یا خبر کی حیثیت رکھتا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابراھیمؑ نے خواب دیکھا تھا کہ میں اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہا ہوں۔یہ خدا کے ایک مصطفٰے بندے کا خواب تھا،اگر ایسے خواب پر کوئی عام آدمی عمل کرنے لگے،تو اسے ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔اور عام آدمی کے ایسے فعل کی ہرگز مدح نہیں کی جا سکتی،لیکن حضرت ابراھیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل سے اپنا خواب بیان کر کے یہ کہا کہ بتاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔تو انہوں نے عرض کی کہ بابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے،آپ اس کی تعمیل کیجئے،انشاءاللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔

حضرت اسمٰعیلؑ بھی نبی تھے،اور خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے،اور خدا کے مصطفٰے بندے تھے،انہیں معلوم تھا کہ خدا کے مصطفٰے بندوں کا خواب الہام ہوتا ہے،اور بمنزلہ وحی کے ہوتا ہے،یا وہ خدا کا حکم ہوتا ہے یا وہ اسکی طرف سے آئندہ کی خبر ہوتا ہے۔

پس اسی طرح حضرت یوسف کے خواب کو بیان کرنے پر حضرت یعقوبؑ سمجھ گئے کہ میرا یہ فرزند، جو خدا کا مصطفٰے بندہ ہے،اسے آئندہ عنقریب خدا مجتبےٰ بنانے والا ہے۔جیسا کہ حضرت ابراھیمؑ،حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوبؑ کو مجتبےٰ بنا کر انہیں اپنی نعمتوں سے نواز چکا ہے،لہذا حضرت یعقوب نے فرمایا کہ تمہارا رب تمہیں بھی اسی طرح سے مجتبیٰ بنائے گا،اور تمہیں تعلیم و تربیت کریگا۔تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا،اور جب انہیں مجتبیٰ بنائیگا تو ان پر اپنی تمام نعمتیں جو وہ انکے باپ یعقوبؑ،دادا اسحٰق،اور پردادا ابراھیمؑ، پر پوری کر چکا ہے انہیں بھی وہ نعمتوں سے نوازے گا۔

اس آیت میں ''یجتبیک'' پہلے ہے،اور''یعلمک'' بعد میں ہے۔لہذا یہ آیت

بتلاتی ہے کہ خدا اپنے مصطفےٰ بندوں کو اختیار کرنے کے بعد انہیں مجتبےٰ بناتا ہے۔ ان کا اجتبےٰ کرتا ہے، اور انہیں مجتبےٰ بنانے کے بعد، انکی تعلیم وتربیت اور انکے لئے خصوصی ہدایات کا سلسلہ شروع کرتا ہے۔

''یجتبیک'' کے بعد ''یعلمک'' کہنا اس کی واضح دلیل ہے، گویا خدا اپنے مصطفےٰ بندوں کو اختیار کرنے کے بعد ان کو مجتبےٰ بناتا ہے۔ اور پھر ان کے درخور حال اور ضرورت کے مطابق انکو خود تعلیم دیتا ہے، ان کی تربیت کرتا ہے، اور انہیں اپنے فیوض وبرکات اور علم غیب کی نعمتوں سے نوازتا ہے، جیسا کہ سورہ آل عمران میں بیان ہوا ہے:

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی رسلہ من یشاء۔ (آل عمران 179)

یعنی خدا کی یہ شان نہیں ہے، کہ وہ تم کو غیب کی باتوں سے آگاہ کرے، لیکن خدا اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے۔ اس بات کے لئے مجتبےٰ بناتا ہے، اور ان کا اجتبےٰ کرنے کے بعد انکو علم غیب عطا کرتا ہے۔

اجتبےٰ کا معنی سمجھنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے اجتبےٰ میں غور کرنا ضروری ہے، کیونکہ ان کے اجتبےٰ میں غور کرنے سے اس لفظ کے معنی اچھی طرح سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اجتبےٰ

حضرت آدمؑ یقیناً اللہ کے مصطفےٰ بندوں میں سے تھے۔ یعنی ان میں خلقی وپیدائشی طور پر وہ خوبیاں خداوند تعالٰی نے ایجاد کی تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ خدا کا کلام سننے اور اسے سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے، اور کار نبوت انجام دینے کے اہل تھے، اور آدمؑ کے اصطفےٰ پر آل عمران کی آیت نمبر 33۔ ان اللہ اصطفےٰ آدم ونوحاً۔ الخ گواہ ہے اور کوئی شخص مجتبےٰ نہیں بنایا

جاتا، جب تک کہ وہ پیدائشی طور سے مصطفٰی نہ ہو۔لیکن وہ جنت میں رہتے ہوئے مجتبٰے نہیں تھے۔انہیں ایک تجربہ کرانے کی غرض سے اس جنت ارضی میں ٹھہرا کر اور ساری صورت حال سمجھا کر آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔اور انہیں ایک ایسی بات سے نصیحت کے طور پر منع کیا گیا تھا، جو ان کے لئے نقصان دہ تھی، اور خود اپنے اوپر ظلم اور زیادتی کے مترادف تھی۔ اگرچہ وہ حکم تحریمی نہ تھا، لیکن مقربان بارگاہ الٰہی، اس قسم کے ترک اولیٰ کو بھی ظلم اور گناہ سمجھتے ہوئے خدا کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتے ہیں۔اور خدا کا انہیں درخت کے قریب جانے کی صورت میں ''فتکونا من الظالمین'' کہنا بھی مقربان بارگاہ الٰہی کے اسی ترک اولیٰ کے معنی میں تھا۔

چونکہ آدم علیہ السلام کا اس جنت ارضی میں رہتے ہوئے اجتبٰے نہ ہوا تھا اور وہ جنت میں رہتے ہوئے مجتبٰے نہ تھے یعنی انکی ہمہ وقت نگرانی ونگہداشت وہدایت ورہنمائی کا آغاز نہ ہوا تھا، لہذا ان سے ترک اولیٰ کی صورت میں وہ بات ہوگئی، جس کی بنا پر اس جنت ارضی سے آدمؑ کو باہر آنا پڑا، اور وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے بہت جلد مشقت اٹھانے پر مجبور ہوگئے، چنانچہ خداوند تعالیٰ آدم علیہ السلام کے اسی ترک اولیٰ کو بیان کرنے کے بعد فوراً کہتا ہے:

وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ ثم اجتبنہ ربہ فتاب علیہ وھدی

اور آدمؑ نے اپنے رب کی نصیحت پر عمل نہ کیا، اور مصیبت میں پھنس گئے۔اس کے بعد خدا نے ان کا اجتبٰے کیا۔ان کو مجتبٰے بنایا انکی توبہ قبول کی اور انکو ہدایت ورہنمائی کی۔

اس آیت کا ترجمہ راغب اصفہانی نے اس طرح کیا ہے:

پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا۔اپنی مہربانی سے توجہ فرمائی، اور سیدھی راہ بتائی۔

یعنی خدا نے آدمؑ کے جنت سے باہر آنے کے بعد آدمؑ کی تربیت کرنے، انہیں ہدایت

ورہنمائی کرنے ،اورانہیں اپنے زیرنظر رکھنے،اورانہیں ہرقسم کی لغزش سے بچانے کے کام کا آغاز کیا،اورآدمؑ اس جنت ارضی سے اس طرح باہر آئے جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔

اس بات کواچھی طرح سمجھنے اورذہن میں رکھنے کے لئے ہم پھردہراتے ہیں کہ آدم علیہ السلام خدا کے مصطفٰی بندے تھے۔اوروہ یہ صلاحیت وقابلیت واستعداد رکھتے تھے کہ وہ خدا کا کلام سنیں،اوراسے سمجھیں،اورمرتبہ نبوت پر فائز ہوں۔لیکن اس جنت ارضی میں جس میں وہ اس دنیا میں پیش آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تجربہ کی غرض سے ٹھہرائے گئے تھے اپنے نفس کے حوالہ کرکے آزاد چھوڑ دیئے گئے تھے لہذا ان سے وہ کام ہوگیا جس کا نہ کرنا ہی بہتر تھا لیکن ان کا اجتبےٰ دار تکلیف میں آنے کے بعد ہوا۔اورہدایت کا سلسلہ اس جنت ارضی سے باہر آنے کے بعد شروع ہوا۔یعنی اس جنت ارضی میں رہتے ہوئے وہ مجتبےٰ نہ تھے۔لہذا تمام مقربان بارگاہ الٰہی کی طرح انہوں نے بھی اس کام پر،جو ان سے سرزد ہوا،اپنے نفس پر ظلم سمجھتے ہوئے توبہ کی اوراپنی اولاد کو یہ سبق دیا کہ اگر شیطان کے کہنے میں آکر کوئی غلط کام کربیٹھو تو توبہ کرنا نہ بھولنا۔اسی میں تمہاری نجات ہے۔چونکہ وہ جنت ارضی نہ دار تکلیف تھی نہ دار جزا تھی نہ بہشت خلد تھی۔بلکہ آدم تھوڑا سا عرصہ آرام کرنے کے لئے اس جنت میں ٹھہرائے گئے تھے تاکہ آدمؑ کچھ دیر یہاں پر آرام بھی کرلیں اوراس پکے دشمن کی طرف سے انہیں بہکانے کا تجربہ بھی ہوجائے۔تاکہ وہ اپنی اولاد کو سمجھا سکیں کہ شیطان کس طرح سے دھوکا دیتا ہے؟اوراگر کوئی اس کے بہکائے میں آہی جائے تو اسکا کیا علاج ہے؟

پس خدا نے اسی طرح سے آدمؑ کواس درخت کے پاس جانے سے منع کیا تھا جس طرح کوئی معزز مہمان اپنے مہمان کونصیحت کے طور پر اسکی رہائش گاہ میں کسی نقصان دہ چیز سے

آگاہ کیا کرتا ہے۔لیکن آدمؑ نے خدا کی اس نصیحت پر عمل نہ کیا اور شیطان نے چونکہ اس عمل کو سجا کر پیش کیا تھا اور اس عمل کی انکی نظروں میں زینت دیدی تھی لہذا آدمؑ اس کے کہنے میں آگئے ،اور اس طرح وہ نقصان اٹھایا جو اس کا لازمی نتیجہ تھا۔مگر ان کا اجتبیٰ اور ہدایت کا سلسلہ جنت ارضی سے باہر دار تکلیف میں آنے کے بعد شروع ہوا اور پھر وہ ہمیشہ خدا کے زیر نظر اور زیر ہدایت اور معصوم رہے۔

اجتبیٰ کا معنی ومفہوم سمجھنے کے لئے حضرت یونس کے اجتبٰے کا بیان بھی خاص طور پر قابل غور ہے جسے ہم اس سے آگے بیان کرتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کا اجتبٰے

حضرت یونس علیہ السلام خدا کے مصطفٰے بندوں میں سے تھے۔وہ تمام انبیاء کی طرح خدا کے اختیار کردہ بھی تھے اور تمام انبیاء کی طرح خدا کے مجتبٰے بھی تھے اور ہر دم خدا کی زیر ہدایت رہتے تھے۔لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ خدا نے انکی قوم پر انکے غصہ کی وجہ سے ان کو خود اپنے نفس کے حوالے کر دیا تھا۔انکی قوم بت پرست تھی ،اور انکو اپنی قوم پر اس بات کا غصہ تھا ،کہ وہ عذاب الٰہی سے کیوں بچ گئی" لہذا وہ اپنے غصہ کی وجہ سے قوم سے منہ پھیر کر چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے۔جب ایک مچھلی نے کشتی کا راستہ روکا ،تو کشتی والوں نے قرعہ اندازی کے ذریعہ حضرت یونسؑ کو پانی میں پھینک دیا ،اور مچھلی انکو نگل گئی اور جب مچھلی کے پیٹ میں ''لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین'' کی تسبیح کے ذریعہ خدا کی طرف رجوع کیا تو مچھلی نے خدا کے حکم سے انہیں باہر ڈال دیا۔حضرت یونسؑ کی طرح پیغمبر اکرمؐ کی قوم بھی بت پرست تھی اور آنحضرتؐ کو اپنی قوم کی طرف سے طرح طرح کی اذیتوں کا سامنا تھا۔لہذا خدا آنحضرتؐ کو حضرت یونس کی مثال دیتے ہوئے اس طرح سے نصیحت کرتا ہے کہ:

واصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت اذنادیٰ ھو مکظوم.لو لا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ بالعراء وھو مذموم فاجتبہ ربہ وجعلہ من الصالحین۔(القلم۔48تا50)

یعنی اے میرے حبیب تم اپنے رب کے فیصلہ کے انتظار میں صبر کرو۔اور مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کے مانند نہ بنو۔جبکہ انہوں نے غم اور غصہ کی حالت میں پکارا تھا اگر آپ کے پروردگار کی مہربانی اس کی خبر گیری نہ کرتی،تو وہ برے حال میں چٹیل میدان میں پڑے ہوئے ہوتے۔مگران کے پروردگار نے انکو پھر سے مجتبےٰ بنایا اور انکو نیک بندوں میں سے قرار دیا۔حضرت یونس کا قصہ سورہ والصفت میں بھی آیا ہے جو اس طرح سے ہے:

"وان یونس لمن المرسلین اذابق الی الفلک المشحون فساھم فکان من المدحضین.فالتقمہ الحوت وھو ملیم فلولا ان کان من المسبحین لبث فی بطنہ الی یوم یبعثون۔(والصفت۔139تا144)

ترجمہ۔اور بیشک یونس ہمارے رسولوں میں سے تھے جب وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی میں چلے گئے۔پس کشتی والوں نے قرعہ ڈالا اور انہیں کشتی میں سے دھکیل دیا پس ایک مچھلی انکو نگل گئی اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

حضرت یونس کی قوم بت پرست تھی،حضرت یونس چاہتے تھے کہ انکی قوم پر عذاب نازل ہو، حضرت یونس اپنی قوم کے لئے عذاب کی بددعا کر کے اپنی قوم سے الگ ہو کر چلے گئے، حضرت یونس کی قوم نے جب یہ دیکھا کہ حضرت یونس کی بددعا کے نتیجہ میں خدا کی طرف سے عذاب کے آثار نمودار ہورہے ہیں تو وہ ساری قوم عورت مرد اور بچے روتے پیٹتے اور خدا کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتے ہوئے میدان میں نکل آئے۔خدا نے انکی توبہ کو قبول

کرلیا اور عذاب کو ان سے ٹال دیا جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے۔

فلو لا کانت قریۃ آمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس لما آمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیواۃ الدنیا ومتعناھم الیٰ حین۔ (یونس۔98)

ترجمہ۔ کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان قبول کرتی تو اسکو اسکا ایمان فائدہ مند ہوتا۔ ہاں یونس کی قوم جب (عذاب دیکھ کر) ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی چندروزہ زندگی میں ان سے رسوائی کا عذاب دفع کردیا۔ اور ہم نے انہیں ایک خاص وقت تک چین کرنے دیا۔

جب حضرت یونس اپنی قوم کا حال معلوم کرنے قوم کی طرف آئے تو دیکھا کہ لوگ حسب معمول اپنے کاموں میں مصروف ہیں اور ان پر عذاب نازل نہیں ہوا، تو وہ غصہ میں آکر اور قوم سے ناراض ہوکر، اپنی قوم کو چھوڑ کر چل دیئے اور ایک کشتی میں جا کر سوار ہوگئے جس میں وہ مچھلی کے نگلنے کا واقعہ پیش آیا۔

سورہ الصفت کی مذکورہ آیات میں یقین کے ساتھ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ حضرت یونس خدا کے بھیجے ہوئے رسول تھے جب ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور حتماً خدا کے بھیجے ہوئے رسول مصطفٰی بھی ہوتے ہیں ۔ خدا کے اختیار کردہ بھی ہوتے ہیں اور مجتبےٰ بھی ہوتے ہیں۔ اور اس آیت میں واقع لفظ ''ابقی'' کے معنی تفسیر برھان میں یہ لکھے ہیں کہ اسکی اصل ''ابـاق'' ہے۔ اور اس کے معنی ہیں غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا۔ چونکہ حضرت یونس خدا کے بندہ خاص تھے۔ اور انہیں صبر کے ساتھ اپنی قوم میں ٹھہرنا چاہیے تھا۔ لیکن حضرت یونس اپنی قوم سے ناراض ہوکر، وہاں سے چل دیئے، اگرچہ حضرت یونس کی اپنی قوم پر ناراضگی انکی بت پرستی کی وجہ سے تھی، اگر خدا انہیں یہ بتادیتا کہ اے یونس تمہاری قوم نے چونکہ توبہ کرلی ہے، اور ایمان لے آئی ہے، لہذا میں نے انہیں معاف کردیا ہے تم بھی انہیں معاف کردو، تو یہ ترک اولیٰ نہ ہوتا، لیکن جب حضرت یونس اپنی قوم سے ناراض ہوکر چل

دیئے تو خدا نے بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا کہ اچھا جاؤ جہاں جاتا ہے چلے جاؤ۔ اور اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو اجتبٰی کے معنی شائد اتنے واضح طور پر سمجھ میں نہ آتے۔ اور یہ بات ان لوگوں کے لئے جو عصمت کو انبیاء کی ذات کا جزء لاینفک سمجھتے ہیں درس عبرت ہے، اور یہ بات سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ عصمت انبیاء کی ذات کا جزء لاینفک یا عین ذات نہیں ہے، بلکہ خدا اجتبٰی کے ذریعہ انکو معصوم رکھتا ہے اور حتماً وہ خدا کے اس اجتبٰی کے طفیل معصوم رہتے ہیں اوران سے کوئی ترک اولیٰ بھی صادر نہیں ہوتا۔

آپ غور کریں یہ کیا ہوگیا کیونکہ یقیناً حضرت یونس خدا کے بھیجے ہوئے رسول بھی تھے۔ وہ خدا کے مصطفٰی بھی تھے وہ خدا کے اختیار کردہ بھی تھے اور خدا کے مجتبٰی بھی تھے، اس کے سمجھنے کے لئے ہم اصول کافی جلد 2 صفحہ 577 ترجمہ مولانا ظفر حسن صاحب قبلہ سے حدیث نمبر 15 کا ترجمہ یہاں پر نقل کرتے ہیں جو اس طرح ہے:

''ابن ابی یعفور نے کہا میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے فرما رہے تھے: اے میرے رب میرے نفس کو آن واحد کے لئے بھی میرے اوپر نہ چھوڑ۔ نہ کم مدت نہ زیادہ۔ اس کے ساتھ ہی حضرت کے آنسو ریش مبارک کے چاروں طرف بہنے لگے پھر مجھ سے متوجہ ہو کر فرمایا، اے ابی یعفور یونس کے نفس کو اللہ نے ان کے اوپر چھوڑ دیا تھا، آن واحد کے لئے، لہذا ان سے گناہ سرزد ہوگیا، میں نے کہا یہ بات تو کفر تک پہنچی۔ فرمایا نہیں، اگر فوراً توبہ نہ کرتے اور اسی حال میں مر جاتے تو ان کے لئے باعث ہلاکت ہوتا۔

بہر حال اگر چہ حضرت یونس خدا کے مصطفٰی بندے بھی تھے، مختار بھی تھے اور مجتبٰی بھی تھے۔ لیکن ایک لمحہ کے لئے خدا نے انکو انکے نفس کے حوالہ کر دیا تھا۔ لہذا وہ غصہ میں آ کر اور اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلدیئے اگر چہ ان کا غصہ انکی بت پرستی کی وجہ سے تھا لیکن ان کے

لئے بہتر یہی تھا کہ وہ اپنی قوم میں رہتے۔

مقربان بارگاہ الہی کے جہاں رتبے بڑے ہیں، وہاں امتحان بھی بڑے ہیں۔ یعنی وہ کام جسکا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہوا سے وہ گناہ اور ظلم گردانتے ہیں جیسا کہ حضرت یونس نے مچھلی کے پیٹ میں کیا۔ لا الہ ال انت سبحانک انی کنت من الظالمین، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تیری ذات پاک ہے میں نے ہی اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔

انبیاء ورسل اور ھادیان دین کے اجتبئے کو سمجھنے کے لئے سورہ اسریٰ کی حسب ذیل آیات میں بھی غور کرنا چاہئے، ان آیات میں خداوند تعالیٰ اپنے حبیب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے" وان کادو الیفتنوک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیرہ واذاً لاتخذوک خلیلا، ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً"۔ (اسریٰ۔ 73-74)

ترجمہ۔ اور اے رسول ہم نے جو قرآن وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اگر چہ لوگ تو تمہیں اس سے بہکانے ہی لگے تھے، تا کہ قرآن کے علاوہ ہم پر (دوسری) باتوں کا افترا باندھو اور جب تم یہ کر گزرتے اس وقت یہ لوگ تم کو اچھا سچا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے، تو ضرور تم بھی ذرا (ڈہور) جھکنے ہی لگے تھے۔ (فرمان ترجمہ)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے علیحدہ علیحدہ کئی واقعات بیان کئے ہیں لیکن نفس مطلب ان سب کا ایک ہی ہے۔ چنانچہ ترجمہ مولانا فرمان علی میں اس آیت کے حاشیہ میں اس طرح لکھا ہے کہ:

"فتح مکہ کے روز جب آپ نے خانہ کعبہ سے بتوں کو نکال پھینکا تو کفار قریش نے بہت لجاجت سے کہا کہ ایک بت جو کوہ مروہ پر ہے اسے چھوڑ دیجیئے۔ اور باقی توڑ ڈالئے آپ نے پہلے تو چھوڑ دینے کا قصد کیا مگر پھر توڑ دینے کا حکم دیدیا۔ (حاشیہ ترجمہ مولانا فرمان علی)

اور تفسیر التبیان میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس طرح سے لکھا ہے کہ:

"امتن اللہ تعالیٰ علی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ بانہ لولا انہ ثبتہ بلطفہ، و کثرۃ زواجرہ وتواتر نھیہ، لقد کاد یرکن ای یسکن، ویمیل الی المشرکین قلیلاً، علیٰ ما یریدون" (تفسیر التبیان جلد 6 صفحہ 506)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ احسان یاد دلایا ہے کہ اگر خدا اپنے لطف وعنایت سے اور کثرت زواجر اور اپنی متواتر نہی کے ذریعہ انہیں ثابت قدم نہ رکھتا، تو وہ مشرکین کے کہنے کے مطابق انکی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو جاتے"۔

یہی لطف وعنایت خداوندی اور یہی کثرت زواجر وتنبیہات اور یہی تواتر نہی اور یہی دلائل وبراھین کا ہر وقت انکے سامنے رہنا اجتبےٰ ہے۔ اور یہی باتیں انبیاء ورسل اور ھادیان دین کو معصوم رکھنے والی ہیں اور یہ انبیاء ورسل اور ھادیان دین کے مرتبہ کی اعلیٰ ترین اور آخری ڈگری ہے۔

تفسیر التبیان میں اس آیت کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"وقیل لما نزلت ھذہ الآیۃ قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ اللھم لا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عین"۔ (تفسیر التبیان جلد 6 صفحہ 507)

یعنی جب یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: بارالہا تو مجھے ایک چشم زدن اور ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کرنا۔

بس انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو ایک چشم زدن اور ایک لمحہ کے لئے بھی انکے نفس کے حوالہ نہ کرنا۔ خدا کی طرف سے انکا اجتبےٰ ہے، اور انہیں مجتبےٰ بناتا ہے۔ اور یہی اجتبےٰ انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو معصوم رکھتی ہے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہوا کہ خدا نے انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی عصمت کو

بیان کرنے کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ دو ہیں۔ ایک اصطفٰی ہے اور دوسرا اجتبیٰ ہے یعنی خدا جن کے اصطفٰی کی گواہی دے وہ پیدائشی طور پر اس قابلیت وصلاحیت واستعداد کے مالک ہوتے ہیں کہ خدا ان سے کلام کرے اور وہ خدا کے کلام کو سمجھیں، اور خدا انہیں انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے طور پر اختیار اور منتخب کرے۔ لیکن اجتبیٰ سے پہلے جب تک وہ اصطفٰی کی منزل میں ہیں ان سے ترک اولیٰ کا امکان ہے لیکن خدا جن کے اجتبیٰ کی گواہی دے اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت ہر لمحہ اور ہر آن خدا کے لطف وکرم، اور ہدایت سے فیض یاب ہورہے ہیں۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اپنے نفس کے حوالہ نہیں ہوتے، اور خدا سے انکا ایک چشم زدن اور ایک لحظہ کے لئے بھی رابطہ نہیں ٹوٹتا، اور وہ یقینی طور پر معصوم ہوتے ہیں، اور خدا کی طرف سے ہدایت خلق کے لئے مامور ہوتے ہیں۔

اب یاد رکھئے اور اچھی طرح سے یاد رکھئے اور سن لیجئے اور اچھی طرح سے سن لیجئے اور سمجھ لیجئے اور اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ یہ شہدائے روز قیامت جو لوگوں پر گواہ ہونگے اور رسول انکے اوپر گواہ ہونگے یہ وہ ہستیاں ہیں جن کا خدا نے اجتبیٰ کیا ہے آدمؑ کی طرح مجتبیٰ بنایا ہے ابراھیمؑ کی طرح مجتبیٰ بنایا ہے موسیٰؑ کی طرح مجتبیٰ بنایا ہے اور محمد مصطفٰی کی طرح مجتبیٰ بنایا ہے انکا اجتبیٰ کیا ہے "هو اجتباكم" اس نے اے شہدائے روز قیامت تمہارا اجتبیٰ کیا ہے۔

اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کہ خداوند تعالیٰ کسی کو مجتبیٰ بنانے کے لئے اختیار نہیں کرتا مگر صرف اسی کو جس کو پیدائشی طور پر اور خلقی طور پر بطور ایجاد کے ان عیوب سے پاک رکھتا ہے جو دوسرے لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں وہ صلاحیت وقابلیت واستعداد پیدائشی طور پر ہوتی ہے جس کی بنا پر خدا ان سے کلام کر سکے اور وہ خدا کے کلام کو سمجھ سکیں اور وہ خدا سے براہ راست ہدایت لے سکیں اور خدا وحی والہام کے ذریعہ انہیں ہدایت دے سکے۔ اور انہیں ہادی بنانے کے لئے انکی تربیت کر سکے۔ پس خدا کا ہر مجتبیٰ ہادی، مختار بھی ہوتا ہے،

اور مصطفٰے بھی ہوتا ہے، اور اسی بناء پر پیغمبر گرامی اسلام مصطفٰے بھی ہیں اور خدا کے اختیار کردہ یعنی مختار بھی ہیں اور مجتبٰے بھی ہیں۔

اب خدا قیامت کے دن کھڑے ہونے والے ان گواہوں کو، جو لوگوں پر گواہ ہونگے اور رسول ان پر گواہ ہونگے، یہ کہتا ہے کہ ''ھو اجتبا کم'' اس نے تم کو مجتبٰے بنایا ہے اور یہ وہ ہیں جنہیں اس نے ''یا ایھا الذین آمنو'' کے ساتھ خطاب کیا ہے پس حتماً و یقیناً خدا نے ان ہستیوں کو شہدائے روز قیامت بنانے کے لئے مجتبٰی بنانے سے پہلے پیدائشی طور پر مصطفٰے بھی ضرور بنایا ہے اور انکو اسی طرح سے مصطفٰے بنایا ہے جس طرح تمام انبیاء و رسل کو مصطفٰے بنایا ہے کیونکہ خدا کسی کو مجتبٰے نہیں بناتا جب تک کہ وہ مصطفٰے نہ ہو اور یہ بات قران سے ثابت ہے کہ یہ شہدائے روز قیامت مصطفٰے بھی ہیں۔

شہدائے روز قیامت مصطفٰے بھی ہیں

خداوند تعالٰی نے سورہ فاطر میں واضح طور پر یہ بیان کیا ہے کہ امت محمد میں کچھ ہستیاں ایسی ہیں جن کا خدا نے اصطفٰے کیا ہے، اور وہ خدا کے مصطفٰے بندے ہیں وہ آیات اس طرح سے ہیں۔

''والذی اوحینا الیک من الکتاب ھو الحق مصدقا لما بین یدیہ ان اللہ بعبادہ لخبیر بصیر ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ذالک ھو الفضل الکبیر''۔ فاطر۔ 31-32

ترجمہ:۔ اور ہم نے جو کتاب وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے وہ بالکل حق ہے۔ اور جو (کتابیں اس سے پہلے کی) اس کے سامنے موجود ہیں انکی تصدیق کرتی ہے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے اور دیکھ رہا ہے۔ پھر ہم نے اپنے

سے خصوصی طور پر انکو قرآن کا وارث بنایا۔ جنہیں ہم نے مصطفٰے بنایا تھا جن کا ہم نے اصطفٰے کیا تھا۔ اپنے بندوں میں سے۔ کیونکہ ہمارے بندوں میں سے تو کچھ (نافرمانی کر کے) اپنی جان پر ستم ڈھانے والے ہیں اور کچھ ہمارے بندوں میں سے ایسے ہیں جو نیکی اور بدی کے درمیان ہیں اور ہمارے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو خدا کے حکم سے نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں اور یہی تو خدا کا سب سے بڑا فضل ہے۔ سورہ فاطر کی ان آیات میں کئی باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ چونکہ یہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد وارثان قرآن کا تعارف کرایا جا رہا ہے لہذا اس سے سابقہ انبیاء مراد نہیں ہو سکتے لیکن بعض مفسرین نے اصطفٰے کے لفظ کا خیال کرتے ہوئے انبیاء رسل مراد لئے ہیں اور انہیں ہی ظالم لنفسہ اور مقتصد اور سابق فی الخیرات کہا یعنی کچھ انبیاء ظالم لنفسہ ہیں اور کچھ درمیان درمیان ہیں اور کچھ نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں اور یہ بات قطعی غلط ہے کیونکہ سابقہ انبیاء ورسل کو پیغمبر کے بعد کے وارثان قرآن نہیں کہا جا سکتا۔ بعض مفسرین نے ''اورثنا الکتاب'' یعنی وارث قران بنایا سے اتفاق کرتے ہوئے ساری امت کو وارثان قران قرار دیا اور گنہار، ظالم، میانہ رو، اور نیکیوں میں بڑھ جانے والے امت کے افراد کو قرار دیکر یہ کہا کہ ان سب کو گنا چنے بندوں میں یعنی جن کو مصطفٰے بنایا اور جن کا اصطفٰے کیا اُس میں امت کے گنہگار، ظالم، میانہ رو اور نیکیوں میں بڑھ جانے والے سبھی ہیں اور اُمید کہ آخر سب بہشتی ہیں۔

بہر حال یہ اصطفٰے انکا بیان ہوا ہے جنہیں خدا نے وارثان قران بنایا ہے۔ یعنی وارثان قران خدا کے مصطفٰے بندے ہیں۔ اور وارثان کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ انہیں جلد میں بندھی ہوئی کتاب حوالہ کردی گئی ہے۔ یا وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں یا وہ اس کے قاری ہیں۔ بلکہ وارثان قران سے مراد علوم قران کے وارث ہیں۔ یعنی جن کو خدا نے قران کریم کے مطالب

ومعانی ومفاہیم کا صحیح صحیح علم عطا فرمایا ہے اور وہ قران کے تمام علوم کے عالم ہیں اور خدا کا یہی سب سے بڑا فضل ہے کہ اس نے قرآن کریم کے علوم کا وارث انکو بنایا ہے، جن کا اس نے اصطفٰی کیا ہے اور جن کو اس نے مصطفٰی بنایا ہے ۔کیونکہ اس کے بندوں میں تو گنہار، میانہ رو اور نیکیوں میں بڑھ جاتے والے بھی ہیں۔

ان شہدائے روز قیامت سے روگردانی کرنے کے لئے جولوں پر گواہ ہونگے اور رسول ان پر گواہ ہونگے کبھی سابقہ انبیاء کو شہدائے روز قیامت قرار دیا جاتا ہے اور جب کسی طرح سابقہ انبیاء شہدائے روز قیامت کی میزان پر نہیں اترے دکھائی دیتے تو ساری امت کو گنہگار۔میانہ رو اور نیکیوں میں بڑھ جانے والے جان کر بھی انہیں چنے ہوئے قرار دیتے ہیں اور انہیں ہی مصطفٰی بنانے پر تیار ہو جاتے ہیں بہر حال یہ بات طے ہے کہ شہدائے روز قیامت مجتبٰے ہیں اور خدا جن کو مجتبٰے بناتا ہے وہ پہلے مصطفٰی ہوتے ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وارثان قران مصطفٰی ہیں پس شہدائے روز قیامت مجتبٰی بھی ہیں اور مصطفٰی بھی ہیں۔

تفسیر التبیان میں ان آیات کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ:

”معنی الآیة ان اللہ تعالیٰ اورث علم الکتاب الذی ھو القران الذین اصطفاھم واجتباھم واختارھم علی جمیع الخلق من الانبیاء المعصومین والآئمۃ المنتجبین الذین لایجوز علیھم الخطاء ، ولا فعل القبیح ،لاصغیراً ولا کبیراً ،ویکون قولہ(فمنھم ظالم لنفسہ) راجعاً الیٰ عبادہ و ،تقدیرہ،فمن عبادنا ظالم لنفسہ ومن عبادنا مقتصد ومن عبادنا سابق بالخیرات ،لان من اصطفاہ اللہ،لایکون ظالماً لنفسہ،فلایجوز ان ترجع الکنایۃ الی الذین اصطفیناہ،وقولہ،”بالخیرات“ بعینی یعلم من اقتصد،او ظلم نفسہ ،او سبق بالخیرات،ثم قال ذالک ھو الفضل الکبیر ،یعنی السبق

بالخیرات،ھو الفضل العظیم الذی لاشئی فوقہ۔

(تفسیر التبیان جلد:8 صفحہ 430)

ترجمہ۔آیت کے معنی یہ ہیں کہ یقیناً خدا نے کتاب یعنی قرآن کے علم کا وارث ان کو بنایا ہے ۔جن کا اس نے اصطفٰے کیا تھا جن کو اس نے مجتبیٰ بنایا تھا،اور ساری مخلوق میں سے ان کو چن کر اختیار کیا تھا،اور انبیاء معصومین اور آئمہ منتجبین تو وہ ہیں جن کے بارے میں خطاء اور کسی بھی چھوٹے بڑے گناہ اور فعل قبیح کی نسبت دینا جائز نہیں ہے،اور خدا کا قول''**فمنھم ظالم لنفسہ**'' کا مرجع''**الیٰ عبادہ**''یعنی اسکے بندے ہیں،اور اسکا صحیح معنی ومطلب یہ ہے کہ ہمارے بندوں میں سے تو کچھ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے (گنہگار) بھی ہیں اور ہمارے بندوں میں سے کچھ میانہ رو ہیں اور ہمارے بندوں میں سے کچھ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں اور سب سے آگے بڑھ جانے والے ہیں کیونکہ جسے خدا نے مصطفٰے بنایا ہے،وہ ظالم لنفسہ نہیں ہوسکتا پس اسکا مرجع **الذین اصطفینا** یعنی خدا کے مصطفٰے بندے نہیں ہوسکتے۔یعنی ظالم لنفسہ اور مقتصد کا کنایہ''**الی الذین اصطفینا**'' کی طرف نہیں ہوسکتا،اور اسکے قول:بالخیرات کا مطلب یہ ہے، کہ خدا کو معلوم ہے کہ میانہ رو کون ہے ،اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والا گنہگار کون ہے،اور نیکیوں میں بڑھ جانے والا کون ہے،اس کے بعد کہتا ہے:''**ذالک ھو الفضل الکبیر**''یعنی نیکیوں میں بڑھ جانا ہی وہ فضل عظیم ہے جس سے اوپر اور کئی شئے نہیں ہے،اور یہ نیکیوں میں بڑھ جانے والے اس کے وہی بندے ہیں جن کو اس نے مصطفٰے بنایا ہے۔

ہم نے اصطفٰے کا معنی از روئے لغت اس کتاب کے سابقہ اوراق میں بیان کردیا ہے،اور اصطفٰے کا معنی سمجھانے کے لئے ان دو ہستیوں کے اصطفٰے کا بیان بھی اس کتاب کے اوراق سابق میں کیا ہے جو نبی نہیں تھیں۔اب ہم اس سے آگے نمونہ کے طور پر وہ آیات پیش

کرتے ہیں جن میں ان انبیاء ورسل اور ھادیان دین کا ذکر ہے جن کا خدا نے اصطفےٰ کیا ہے ،تا کہ معلوم ہو کہ خدا کے مصطفےٰ بندے کیسے ہوتے ہیں اور کون کون ہیں۔

آدم علیہ السلام سے لیکر قائم آل محمد تک تمام ھادیان دین مصطفےٰ ہیں

خداوند تعالیٰ سورہ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے۔

''ان اللہ اصطفےٰ آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ذریة بعضھا من بعض۔ (آل عمران۔33)

ترجمہ۔ بیشک اللہ نے اصطفےٰ کیا ہے،اور مصطفےٰ بنایا ہے آدمؑ کو،نوحؑ کو،اور ابراھیمؑ کی آل اور خاندان کو،اور عمران کی آل اور خاندان کو،سارے دنیا جہان کے لوگوں میں سے،جو ایک دوسرے کی اولاد سے ہیں،اور اللہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے سارے انبیاء ورسل،اور ہادیان دین کے اصطفےٰ کو اجمال اور اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

یعنی خدا نے جن نبیوں کا اصطفےٰ کیا ہے،ان میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔حضرت آدمؑ کے بعد درمیان کے سارے نبی چھوڑ کر نوح علیہ السلام کے اصطفےٰ کو بیان کیا ہے۔ چونکہ حضرت آدم کے بعد جتنے نبی آئے وہ سب حضرت آدمؑ کی اولاد تھے ،دوسرے وہ سب کے سب نبی تھے،ان میں سے کوئی منصب رسالت پر فائز نہ ہوا تھا ،حضرت نوحؑ پہلے نبی ہیں جو منصب رسالت پر فائز ہوئے ،لہذا حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوحؑ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔اس کے علاوہ طوفان نوحؑ کے بعد کشتی نوحؑ میں جتنے افراد سوار ہوئے،ان میں سے صرف حضرت نوحؑ کی نسل ہی آگے چلی۔اسی لئے وہ آدم ثانی کہلاتے ہیں۔

چونکہ حضرت نوح کی اولاد میں سے آگے ان کے تین بیٹوں حام،سام،اور یافث کی اولاد

ساری دنیا میں پھیلی اور حضرت ابراھیمؑ سے پہلے ان تینوں کی اولاد میں سے نبی آتے رہے ،لیکن حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بعد خدا نے یہ فیصلہ کردیا کہ آئندہ نبوت وکتاب سام کی اولاد میں سے صرف حضرت ابراھیمؑ کی اولاد میں رہے گی ،اور حضرت ابراھیمؑ کے بعد نبوت وکتاب ،اولاد ابراھیمؑ یا ذریت ابراھیمؑ یا آل ابراھیمؑ کے سوا،اور کسی کو نہ دی جائیگی ،لہذا نوح علیہ السلام کے بعد خصوصیت کے ساتھ آل ابراھیمؑ کے اصطفٰی کو بیان کیا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک حضرت اسمٰعیل اوردوسرے حضرت اسحٰق، حضرت اسحٰق کی نسل میں بے شمار نبی آئے ان میں سے حضرت یعقوب پہلے نبی تھے اور حضرت عیسےٰ آخری، کیونکہ حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا،لہذا انکی نسل کے سارے نبی انبیاء بنی اسرائیل کہلاتے ہیں۔خداوندتعالی حضرت اسحٰق کی نسل میں ہونے والے انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

ومن ذریته دائود وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذالک نجزی المحسنین وذکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس کل من الصالحین۔(الانعام۔85-86)

اور ابراھیمؑ کی ذریت میں سے داؤد ہیں۔سلیمان ہیں ایوب ہیں یوسف ہیں موسیٰ ہیں اور ھارون ہیں اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی صلہ عطا فرماتے ہیں۔اور ابراھیم ہی کی ذریت میں ذکریا ہیں، یحیٰی ہیں،عیسٰی ہیں اور الیاس ہیں یہ سب کے سب نیک بندوں میں سے ہیں۔

یہ آیات حضرت ابراھیمؑ کی ذریت کے انبیاء میں سے مشہور انبیاء کا نام بنام ذکر کرتی ہیں چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو واضح طور پر ذریت ابراھیمؑ میں شمار کرتی ہیں، جو بنی اسرائیل میں آخری نبی تھے۔

حضرت اسمٰعیل کی نسل سے صرف پیغمبر گرامی اسلام محمد مصطفٰیؐ ہیں جن کے لئے حضرت ابراھیمؑ نے تعمیر کعبہ کے وقت خصوصی طور پر دعا کی تھی، اور خود آنحضرت صلعم فخر سے فرماتے تھے کہ میں ابراھیمؑ کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔

پس ذریت ابراھیمؑ میں حضرت اسحٰق کی نسل سے، حضرت عیسےؑ آخری نبی ہیں، اور ذریت ابراھیم میں حضرت اسمٰعیل کی نسل سے، پیغمبر گرامی اسلامؐ ذریت ابراھیمی میں ہونے والے آخری نبی ہیں، جن کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اس طرح سے حضرت ابراھیمؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق سے لیکر حضرت عیسیٰ تک اور حضرت ابراھیم کے پہلے بیٹے، حضرت اسمٰعیل کی نسل سے، حضرت محمد مصطفٰے تک آل ابراھیم کے اصطفٰے کا بیان آ گیا اب آل عمران کی آیت نمبر 33 آدمؑ کے اصطفٰے کو بیان کرنے، نوحؑ کے اصطفٰے کو بیان کرنے، اور ذریت ابراھیم میں آنے ولے، حضرت اسحٰق کی نسل سے حضرت عیسیٰ تک، اور حضرت اسمٰعیل کی نسل سے، حضرت محمد مصطفٰےؐ تک، تمام آل ابراھیم میں ہونے والے انبیاء کے اصطفاء کو بیان کرنے کے بعد، آگے بڑھتی ہے۔ اور یہ کہتی ہے کہ: وآل عمران علی العالمین ۔ ذریت ابراھیم میں ہونے والے انبیاء کے اصطفٰے کے بعد اللہ نے عمران کی آل، اور عمران کی ذریت کو، مصطفٰے بنایا ہے، اور آل عمران کا عالمین میں سے اصطفٰے کیا ہے، کیونکہ آل ابراھیمؑ اور ذریت ابراھیمؑ میں نبوت و کتاب قرار دیدی گئی تھی، لہذا کسی نبی کے لئے کسی اور کی آل میں سے ہونا بیان نہیں ہوسکتا تھا۔ ہاں آل ابراھیم کے سارے انبیاءؑ کے اصطفٰے کو بیان کرنے کے بعد، ان ہستیوں کے اصطفٰے کو علیحدہ سے بیان کیا جا سکتا تھا، جو نبی نہ تھے۔ اور خدا نے سورہ فاطر کی آیت نمبر 31-32 میں ان ہی ہستیوں کے اصطفٰے کو بیان کیا ہے، جو نبی نہیں تھے۔ اور پیغمبر اکرمؐ کے بعد ہوئے اور خدا نے انکو وارثان قرآن کی حیثیت سے متعارف کرایا، اور یہ کہا کہ: ثم اورثنا الکتاب الذین

اصطفینا من عبادنا۔ (فاطر۔32)

پھر پیغمبر کے بعد ہم نے اس کتاب (قرآن) کے علوم کا وارث ان ہستیوں کا بنایا، جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے مصطفٰے بنایا تھا، جن کا ہم نے اصطفٰے کیا تھا۔

پس یہ ہستیاں جنہیں خدا نے مصطفٰے بنایا ہے، وہ ہیں جو پیغمبر کے بعد ہوئیں۔ اور جو وارثان علوم قرآن ہیں اور خدا سارے انبیاء کے اصطفٰے کو بیان کرنے کے بعد، جو آل ابراھیمؑ میں سے تھے، آل عمران کے اصطفٰے کو بیان فرمارہا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ آل عمران ہی وہ مصطفٰے ہیں جو وارثان علوم قرآن ہیں۔

اب چونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد خدا نے وارثان علوم قرآن کو بھی مصطفٰے کہا ہے۔ لہذا آل ابراھیم کے اصطفٰے کو بیان کرنے کے بعد وارثان قرآن کے اصطفٰے کا ذکر ہر صورت میں ایک علیحدہ عنوان سے کیا جانا ضروری تھا۔ اور چونکہ حضرت علیؑ کے والد بزرگوار کا نام نامی اور اسم گرامی عمران تھا اور ابوطالب آپکی کنیت تھی اور سارے آئمہ ھدی آپ ہی کی اولاد سے ہوئے اور وہ سب کے سب مجتبٰے بھی تھے اور مصطفٰے بھی تھے لہذا آل ابراھیم کے اصطفٰے کے بعد آل عمران کے اصطفٰے کو بیان کیا گیا ہے۔

اور اگر آل عمران یعنی آئمہ اہل بیت کو مصطفٰے تسلیم نہ کیا جائے تو پھر پیغمبر اکرمؐ کے بعد خدا کے ایسے بندوں کا تلاش کرنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگا، جن کا خدا نے قرآن میں مصطفٰے بنانے کا حتمی اور یقینی طور پر اعلان کیا ہے۔

اس طرح خدا نے سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت نمبر 33 میں حضرت آدمؑ سے لیکر قائم آل محمدؑ تک اپنے تمام مصطفٰے بندوں کا اجمالی اور اختصار کے طور پر بیان کر دیا ہے، کہ میرے ان مصطفٰے بندوں میں سے پہلے حضرت آدمؑ ہیں، پھر حضرت نوح تک آدم کی اولاد کو مصطفٰے بنایا، پھر نوحؑ سے لیکر حضرت ابراھیمؑ تک نوح کی اولاد کو مصطفٰے بنایا۔ اور مرتبہ نبوت

ورسالت پر فائز کیا پھر حضرت ابراھیم کی اولاد میں حضرت اسحٰق کی نسل میں حضرت یعقوب سے لیکر حضرت عیسیٰ تک اور حضرت اسمٰعیل کی نسل میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ کو مصطفٰے بنایا، اور ذریت ابراھیم میں حضرت محمد مصطفٰےؐ کے بعد آل عمران میں حضرت علیؑ سے لیکر قائم آل محمدؑ تک بارہ اماموں کو مصطفٰے بنایا۔

یہاں تک کے بیان سے ان شھدائے روز قیامت کی دوسری پہچان کا بیان مکمل ہوگیا، جن پر پیغمبر اکرمؐ گواہ ہونگے اور وہ لوگوں پر گواہ ہونگے۔اور وہ پہچان یہ ہے کہ ''ھو اجتبـاکـم'' اے شھدائے روز قیامت، خدا نے تم کو مجتبےٰ بنایا ہے۔اور خدا کسی کو مجتبےٰ نہیں بناتا مگر اسی کو جو پہلے سے مصطفٰے ہو، اور وارثان علوم قرآن مصطفٰے ہیں، اور وہ آل عمران ہیں اور وہ حضرت علیؑ سے لیکر قائم آل محمدؑ تک آنے والے بارہ آئمہ علیھم السلام ہیں۔

شھدائے روز قیامت کی تیسری پہچان

شھدائے روز قیامت جو لوگوں کے اوپر گواہ ہونگے اور رسول انکے اوپر گواہ ہونگے، انکی تیسری پہچان سورہ الحج کی مذکورہ آیات 77-78 میں یہ بیان ہوئی ہے کہ:

''ملت ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین من قبل''

یعنی یہ تمہارے باپ ابراھیم کا دین ہے۔اسی نے تمہارا نام پہلے سے ہی مسلم (یعنی ہمہ تن مطیع وفرمانبردار خدا) رکھا ہے۔

اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ شھدائے روز قیامت، وہ ہیں، جن کا خدا نے اجتبےٰ کیا ہے، اور جن کو خدا نے مصطفٰے بنایا ہے، اور یہ سابقہ انبیاء نہیں ہیں، بلکہ ''یـا ایھـا الـذین آمنوا'' میں سے ہیں، اور یہ وارثان علوم قرآن ہیں، اور ان سے مراد ساری امت محمدی بھی نہیں ہے، جن میں سورج بنسی مسلمان، چندر بنسی مسلمان اور حضرت نوح کی نسل سے حام اور یافث کی اولاد سب ہی شامل ہیں بلکہ یہ وہ ہیں جن کا باپ ابراھیم

تھا اور یہ ابراھیم کی ذریت میں اسمٰعیل کی نسل سے ہیں ،جن کے لئے خود ابراھیم نے ''مسلمین'' نام رکھا تھا۔

اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، کہ حضرت ابراھیم پیغمبر اکرمؐ کی ساری امت کے باپ نہیں تھے اور پیغمبر اکرم کی ساری امت حضرت ابراھیم کی اولاد نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں میں حضرت نوح کے فرزندوں حام، سام، اور یافث تینوں کی نسل کے مسلمان شامل ہیں۔ اگر چہ دنیائے عرب حضرت سام کی اولاد سے ہیں لیکن وہ بھی سام کی نسل کے بے شمار علیحدہ علیحدہ شجرہ ھائے نسب سے تعلق رکھتے ہیں، اور حضرت ابراھیم ان سب کے باپ نہیں ہیں۔

پس یہ شھدائے روز قیامت وہ ہیں جو مصطفٰی بھی ہیں، مجتبےٰ بھی ہیں اور اولاد ابراھیم بھی ہیں، یعنی حضرت ابراھیم انکے باپ تھے ''ملت ابیکم ابراھیم '' یہ تمہارے باپ ابراھیم کا دین ہے۔

اور جب حضرت ابراھیم کی حقیقی نسل سے خدا کے مجتبےٰ اور مصطفٰی بندوں کا وجود ثابت ہے، تو اصل ھادیان دین سے انحراف اور اعراض کرنے کیلئے، اپنی گھڑی ہوئی تاویل کے ذریعہ، دنیا جہاں کے لوگوں کو شامل کرنا۔ اور ساری امت کو شھدائے روز قیامت قرار دینا خود اپنے ساتھ زیادتی کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ خدا نے تو ''ھو سماکم المسلمین من قبل'' کہہ کر اس بات کو اور بھی واضح کر دیا ہے، کیونکہ اس نے یہ فرمایا ہے کہ؛

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعٰیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک ''۔(البقرہ۔ 127-128)

یعنی جب ابراھیم اور اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، (تو اس وقت انہوں نے

یہ دعا کی کہ) اے ہمارے پروردگار ہم سے ہماری یہ خدمت قبول کرلے، بے شک تو دعاؤں کا سننے والا اور نیتوں کا جاننے والا ہے، اور اے ہمارے پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنائے رکھ اور ہم دونوں کی اولاد میں سے ایک گروہ (ایسا پیدکر) جو (ہمیشہ) تیرا مطیع وفرمانبردار رہے۔

اس آیت کی رو سے وہ امت مسلمہ یعنی ہمیشہ خدا کا مطیع وفرمانبردار رہنے والا گروہ، حضرت ابراھیم کی ذریت میں سے بھی صرف نسل اسمٰعیل میں سے ہوگا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ لفظ ''مسلمین'' سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، کیونکہ ''واجعلنا مسلمین لک'' میں اور ''من ذریتنا امة مسلمة لک'' میں ''مسلمین'' اور ''مسلمة'' سے مراد اصطلاحی اسلام یا صرف کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجانا مراد نہیں ہے لہذا ہم اس سے آگے اسلام اور مسلم اور ایمان اور مومن کے بارے میں فرق کو قرآن ہی سے ثابت کرتے ہیں۔

قرآن کی رو سے مسلم اور مومن کا فرق

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ایمان اور اسلام میں فرق قرار دیا ہے۔ ایک مقام پر قران نے اسلام کو ایمان سے پست، اور کمتر درجہ کا قرار دیا ہے، اور ایمان کو اسلام سے بلند مقام دیا ہے، اور دوسرے مقام پر ایمان کو اسلام سے پست اور کمتر درجہ دیا ہے، اور اسلام کو ایک انتہائی اعلیٰ درجہ کی چیز کہا ہے۔

قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولو اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم۔ (الحجرات۔14)

ترجمہ: عرب کے دیہاتی لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اے رسول تم ان سے) کہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے، بلکہ (یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے، حالانکہ ایمان کا تمہارے دلوں

میں گذرہی نہیں ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور چیز ہے اور اسلام اور چیز ہے۔

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:

''شرعاً اسلام کی دو قسمیں ہیں کوئی انسان محض زبان سے اسلام کا اقرار کرنے سے معتقد ہو یا نہ ہو۔اس سے انسان کا جان و مال اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے مگر اسکا درجہ ایمان سے کم ہے اور آیت ''قالت الاعراب آمنا قل لم تومنو ولکن قولو اسلمنا '' (49-14) دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ''اسلام لائے ہیں''۔میں ''اسلمنا'' سے یہی مراد ہیں۔(مفردات راغب اصفہانی صفحہ۔495)

اس آیت سے،اور مفردات راغب اصفہانی کی تشریح سے،ثابت ہوا کہ وہ اسلام جس میں انسان صرف زبانی اقرار کر کے اور کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہو جاتا ہے وہ اصطلاحی اسلام ہے جس سے صرف وہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔جو مملکت اسلامی میں،دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں اس سے انسان کا جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو جاتی ہے۔مگر اُسکا درجہ ایمان سے کم ہے۔

یہ اُن لوگوں کا حال ہے جو حالت کفر سے زبانی کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہوتے ہیں مگر جدی وپشتی اور نسلی اور پیدائشی مسلمانوں کا حال بھی یہی ہے،یعنی اکثریت صرف اس لئے مسلمان کہلاتی ہے کہ ان کے باپ دادا مسلمان تھے،اور وہ مسلمان کہلانے والوں کی اولاد ہیں، لہذا وہ مسلمان ہیں،لیکن ایمان،دل سے ایمان اور اعضاء سے عمل کا نام ہے۔

دوسرا اسلام وہ ہے جس کا درجہ ایمان سے بہت بلند اور ارفع و اعلیٰ ہے،جیسا کہ ارشاد ہوا۔

یا ایھا الذین آمنو اتقو اللہ حق تقاتہ ولاتموتن الا وانتم مسلمون۔(آل عمران۔102)

اے ایمان والوں خدا (کی نافرمانی) سے ڈرو جتنا کہ ڈرنے کا حق ہے، اور تم ہرگز نہ مرنا، مگر اس حالت میں کہ تم خدا کے ہمہ تن مطیع وفرمانبردار ہو، اور تمہارا سر تسلیم ہر حال میں خدا کے آگے خم ہو۔

اس آیت میں مومنین سے خطاب ہے، کہ تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جو تقویٰ کا حق ہے، اور خدا کا تقویٰ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ خدا جو حکم دے وہ بجالائے، اور جس بات سے روکے ،اس سے رک جائے ،اور اس کی نافرمانی سے اور اس کے احکام کو نہ بجالانے سے اور جن کاموں سے اس نے روکا ہے ان کا مرتکب ہونے سے ڈرتا ہے۔

پھر خدا اہل ایمان کو، ایسا تقویٰ اختیار کرنے کے بعد جو تقویٰ کا حق ہے کہتا ہے کہ: فلا تموتن الا وانتم مسلمون ''یعنی اے ایمان والوں۔ اور اے ایسا تقویٰ اختیار کرنے والوں جو تقویٰ کا حق ہے، تم ہرگز نہ مرنا، مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو، یعنی تم سراسر مطیع خدا ہو، اور ہر لحظہ اور ہر آن تم خدا کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہو، اور کسی لحظہ اور کسی لحہ اور ایک آن واحد کیلئے بھی تم خدا کی اطاعت وفرمانبرداری سے، اور اس کے آگے سر تسلیم خم کیے رہنے سے باہر نہ ہو۔ اس لفظ کے معنی اور کھل کر سامنے آتے ہیں جب ہم ان آیات میں غور کرتے ہیں، جو حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے واقعہ میں آئی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

فلما بلغ معه السعي قال يا بني اني اریٰ في المنام اني اذبحک فانظر ماذا تریٰ قال يا ابت افعل ما تومرو ستجدني ان شاء الله من الصابرين .فلما اسلما وتله للجبين وناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرويا انا كذالک نجزی المحسنين۔ (الصافات 102 تا 105)

جب اسماعیل اپنے باپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے لگا تو (ایک دفعہ) ابراھیم نے کہا بیٹا میں خواب میں (وحی کے ذریعہ) کیا دیکھتا ہوں، کہ میں خود تمہیں ذبح کر رہا ہوں، تو تم بھی

غور کرو تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔ اسماعیل نے کہا ابا جان، جو آپ کو حکم ہوا ہے اسکو بے تامل کیجئے، اگر خدا نے چاہا تو مجھے آپ صبر کرنے والوں میں سے پائیے گا، پھر جب دونوں نے یہ ٹھان لی، اور باپ نے بیٹے کو ذبح کے لئے ماتھے کے بل لٹا دیا، تو ہم نے (ابراھیم کو آمادہ دیکھ کر) آواز دی اے ابراھیم تم نے اپنے خواب کو خوب سچ کردکھایا ہے۔ (اب تم دونوں کو بڑے مرتبے ملیں گے) ہم نیکی کرنے والوں کو یونہی جزائے خیر دیتے ہیں۔

تفسیر التبیان میں ''فانظر ماذا تریٰ'' کی تفسیر میں اس طرح سے لکھا ہے:

احب ان یعلم حال اینه فی صبره علیٰ امر الله ،وعزیمته علیٰ طاعته، فلذالک قال له،ماذاتریٰ، والا فلایجوز ان یوآمرفی المضی فی امر الله ابنه لانه وجب علیٰ کل حال و لایمننع ایضاً ان یکون فعل ذالک بامر الله ایضاً فوجد عند ذالک صابراً مسلماً لامر الله. (وقال یا ابت افعل ماتومر) "ای ما امرت به"(ستجدنی انشاء الله من الصابرین)ممن یصبر علی الشدائد فی حب الله ویسلم امره الیه (فلما اسلما)یعنی ابراهیم وابنه استسلما لامر الله ورضیا به اخذه ابنه(وتله للجبین)

(تفسیر التبیان جلد 8 صفحہ 517)

یعنی حضرت ابراھیم نے اپنے فرزند سے اس لئے رائے لی، اوران کی مرضی معلوم کی، کیونکہ انہوں نے چاہا کہ وہ اللہ کے حکم پر صبر کرنے میں، اور خدا کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرنے کے لئے، اپنے بیٹے کے عزم واستقلال کا حال معلوم کریں، اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا، کہ اے میرے بیٹے، اس بارے میں تمہاری مرضی اور رائے کیا ہے، ورنہ خدا کے حکم کی تعمیل کرنے میں بیٹے کی مرضی معلوم کرنا جائز نہی ہے۔ کیونکہ اسکا بجالانا ہر حال میں واجب ہے۔

اوراس بات میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے، کہ حضرت ابراھیم نے اپنے بیٹے کی مرضی اور رائے بھی خدا کے حکم سے ہی معلوم کی ہو، پس خدا کے حکم سے انکی مرضی معلوم کرنے پر انہیں اللہ کے حکم پر صابر اور "مسلما لامر الله" یعنی اللہ کے حکم کے لئے ہمہ تن مطیع، اور سراسر فرمانبردار اور سر تسلیم خم کئے ہوئے پایا۔ کیونکہ انہوں نے یہ جواب دیا کہ اے بابا جان جو حکم آپ کو دیا گیا ہے، آپ اسکی تعمیل کیجئے، انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائینگے، یعنی ان لوگوں میں سے جو اللہ کی محبت میں شدائد پر صبر کرتے ہیں، اور اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کردیتے ہیں، اور "فلما اسلما" کے معنی یہ ہیں کہ دونوں باپ بیٹے ابرھیم و اسمٰعیل اپنے خدا کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے، اسکے حکم کی تعمیل میں مصروف ہوگئے، اور دونوں اس بات پر راضی ہوگئے، تو اُس وقت حضرت ابراھیم نے حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنے کے لئے ماتھے کے بل لٹادیا۔

اسلام کا یہ درجہ وہ ہے جو ایمان سے بہت بلند ہے، اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور حضرت ابراھیم نے اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے "واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک"۔ کہ کر جس اسلام کی دعا کی تھی، وہ یہی تھی جس میں انسان سراسر مطیع خدا رہے، اور ایک لحظہ کے لئے بھی خدا کی نافرمانی نہ کرے۔

راغب اصفہانی اس اسلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

دوسرا درجہ اسلام کا وہ ہے، جو ایمان سے بھی بڑھ کر ہے، اور وہ یہ ہے، کہ اعتراف کے ساتھ ساتھ دلی اعتقاد بھی ہو اور عملاً اس کے تقاضوں کو پورا کرے، مزید برآن ہر طرح سے قضا وقدر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کردے، جیسا کہ آیت: اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب اللعالمین (2-13)

جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں

رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں''۔ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے۔ (مفردات القرآن راغب اصفہانی صفحہ 495)

اور یہ اسی اسلام، یعنی سراسر مطیع خدا ہونے کا ہی تقاضا تھا، کہ ابراھیم خدا کے حکم سے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دینے پر آمادہ ہو گئے۔

پس شہدائے روز قیامت کی تیسری پہچان یہ ہے کہ انہیں حضرت ابراھیم نے اپنے اور اسمٰعیل جیسا مسلم یعنی مطیع حکم خدا رہنے کی دعا کی ''ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک''، یعنی ہم دونوں کی ذریت میں سے ایک گروہ ایسا پیدا کر جو ہر حال میں تیرا مطیع وفرمانبردار ہے، یعنی ''مسلمۃ لک'' کا مطلب روایتی یا جدی پشتی یا نسلی، یا زبانی اقرار کرنے والا، اور کلمہ پڑھ کر ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہونے والا نہیں ہے، بلکہ ایسے مطیع وفرمانبردار، اور ہر لحظہ خدا کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے مراد ہیں، جیسا کہ حضرت ابراھیم اور حضرت اسماعیل تھے جنہوں نے ایک لحظہ کے لئے بھی خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کی اور یہی مطلب ہے ''سماکم المسلمین'' کا یعنی اے شہدائے روز قیامت، ابراھیم نے تمہیں ایسا مطیع وفرمانبردار رہنے والے یعنی مسلمین کا نام دیا ہے، جیسا کہ وہ خود تھے۔

شہدائے روز جزا کی چوتھی پہچان

خداوند تعالیٰ نے شہدائے روز جزا یا شہدائے روز قیامت کی چوتھی پہچان یہ بتلائی ہے، کہ خدا ان سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ ابراھیم نے پہلے سے تمہارا نام ''مسلمین'' (یعنی خدا کے سراسر مطیع وفرمانبردار اور خود انکی طرح ایک لحظہ کے لئے بھی خدا کی نافرمانی نہ کرنے والا) اس لئے رکھا، تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو:

ھو سمٰکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیداً علیکم

وتکونو شھداء علی الناس۔

اس آیت کے لفظ ''لیکون'' میں ''ل'' تعلیل کے لئے ہے۔یعنی خدا اسکی علت اور سبب بیان کرر ہاہے، کہ ابراھیمؑ نے تمھیں ایسا مطیع وفرمانبردار، اور ایک لحظہ کے لئے بھی خدا کی نافرمانی نہ کرنے والا، یعنی بالکل معصوم رہنے کی دعا کیوں کی؟

اور وہ سبب یہ بتلایا، کہ ابراھیم نے یہ دعا اس لئے کی اور تمہارا یہ نام جو معصوم کا ہم معنی ہے، اس لئے رکھا، تاکہ رسول تم پر گواہ ہو، اور تم تمام لوگوں پر گواہ ہو،

اس آیت میں ان گواہوں کے لئے، جو لوگوں پر گواہ ہونگے، رسول کی گواہی کو پہلے بیان کیا ہے، یعنی رسول کی گواہی ان گواہوں کے لئے پہلے ہے، اور ان گواہوں کی لوگوں کے لئے گواہی بعد میں ہے۔

مختصر یہ ہے، کہ اب تک کے بیان سے جو بات واضح طور پر ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے، کہ یہ شھدائے روز جزا، یا گواہان روز قیامت، جو لوگوں پر گواہ ہونگے، اور رسول ان پر گواہ ہونگے، وہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد میں ہونگے۔لہذا پیغمبر کی یہ گواہی سابقہ انبیاء کے لئے نہیں ہوگی، اور اس قسم کے تمام نظریات واقوال قطعی طور پر غلط اور باطل ہیں۔

دوسری بات جو ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے، کہ یہ گواہان روز قیامت، جو لوگوں کی گواہی دینگے، اور رسول انکے گواہ ہونگے، یہ سب کے سب مجتبےٰ ہونگے، خدا کے اختیار کردہ ہونگے اور خدا کے مصطفےٰ بندے ہونگے، جیسا کہ تمام انبیاء ورسل اور ھادیان دین خدا کے مصطفےٰ تھے، خدا کے اختیار کردہ تھے اور خدا کے مجتبےٰ بندے تھے، اور اسی بنا پر یہ سارے انبیاء ورسل کی طرح سے مصطفےٰ ومختار ومجتبےٰ ہونیکی وجہ سے، معصوم ہونگے۔لہذا یہ گواہی دینے والے ساری اُمت کے لوگ نہ ہونگے، بلکہ یہ گواہ امت کے لوگوں کی ہی گواہی دینے والے ہونگے۔

تیسری بات جو ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ گواہان روز قیامت جو لوگوں کی گواہی دینگے، اور رسول انکے گواہ ہونگے، وہ ہیں جن کا باپ ابراھیم ہے، اور وہ ابراھیم کی اولاد، اور ذریت ہیں، اور یہ سب کے سب ذریت ابراھیم کے اس گروہ سے ہونگے، جنہوں نے ایک لحظہ کے لئے بھی خدا کی نافرمانی نہ کی ہوگی، اور وہ ہمہ تن وسراسر مطیع خدا رہے ہیں۔

چوتھی بات جو ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے، کہ ابراھیم علیہم السلام نے ان کا نام "مسلم"، یعنی خدا کا مطیع وفرمانبردار، اور ہمہ تن خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے، یعنی معصوم، رکھا ہی اس لئے ہے، تاکہ رسول ان پر گواہ ہوں اور وہ امت کے تمام لوگوں پر گواہ ہوں۔

رسول ان گواہوں کی کس بات کی گواہی دینگے؟

اب یہ بات تو طے ہے اور قطعی طور پر ثابت شدہ ہے کہ یہ شھدائے روز قیامت، جن کی رسول گواہی دینگے، اور وہ لوگوں پر گواہ ہونگے، یہ سابقہ انبیاء نہیں ہونگے، بلکہ یہ وہ ہونگے، جو پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد ہونگے اور یہ بات بھی طے ہوگئی، اور قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ کوئی نبی یا رسول نہ اپنے بعد کے زمانہ کے لوگوں پر گواہ ہوگا نہ اپنے سے پہلے کے زمانہ کے لوگوں کے لئے کسی کی گواہی دے سکے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پھر پیغمبر گرامی اسلام اپنے بعد میں آنے والے ان گواہوں کی گواہی کیسے دینگے؟ اور کس بات کی دینگے؟

بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ انبیاء اور شھداء جن کو قیامت کے دن سامنے لایا جائیگا، یہ اپنی اپنی امتوں کے اعمال کی گواہی دینگے۔ لیکن اعمال کے لئے یہ بات طے ہے، کہ اگرچہ آخرت میں جزا تو اعمال ہی کی ملے گی۔ مگر وہ صرف ان کو ملے گی جو توحید پر انبیاء ورسل پر، اور قیامت پر ایمان رکھتے ہونگے، کافروں کو خدا انکے اعمال کی جزا دنیا میں ہی دیدیتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال کی کوئی جزا نہیں ہوگی، بلکہ وہ اعمال جن کی خدا جزا دے گا، وہ انہوں نے کئے ہی نہ ہونگے، کیونکہ انہوں نے خدا کے حکم کے مطابق کوئی کام کیا ہی نہ ہوگا۔

لہذا بلاحساب داخل جھنم ہونگے۔

جہاں تک انبیاء ورسل پر ایمان لانے والوں کا تعلق ہے، تو ان کا اعمال نامہ ان کے سامنے رکھ دیا جائیگا، جسے دیکھ کروہ خود اقرار کرلینگے کہ اس کتاب میں تو انکے اعمال کی کوئی چھوٹی بڑی بات چھوڑی ہی نہیں گئی۔ علاوہ ازیں کراماً کاتبین جو ہر وقت انکے ساتھ رہتے ہیں ان کے اعمال کے گواہ ہونگے۔ لیکن اگر کوئی ڈھٹائی کے ساتھ انکار کرنے کی جرات کرے گا، تو خدا ان کے مونہوں پر مہر لگا دیگا اور خود اس کے ہاتھ اور پاؤں اس کے کئے ہوئے اعمال کی گواہی دینگے، اتنے ثبوت مل جانے کے بعد کیا اب بھی اس کے اعمال کے لئے کسی اور گواہ کی گواہی کی ضرورت رہ جائیگی؟

دوسرے خدا نے انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو انکے اعمال کا گواہ بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ انہیں لوگوں کے پاس خدا کے احکام پہچانے، اور انہیں اپنی حجت بنا کر بھیجا ہے، تا کہ کسی بھی انسان کو خدا پر کوئی اعتراض کرنے، یا عذر کرنے، یا الزام لگانے کا موقع ہاتھ نہ آئے، اور کوئی بھی یہ نہ کہہ سکے، کہ تو نے ہمیں کب کہا تھا کہ ہم فلاں کام کریں، اور فلاں کام نہ کریں، یا وہ یہ کہیں کہ تو نے ہمارے پاس کوئی ہادی بھیجا ہی نہ تھا، جس سے ہمیں تیرے احکام معلوم ہوتے لہذا خدا ان سارے انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو ان کے سامنے لاکر کھڑا کر دیگا۔ اور آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک آنے والے سارے انسان ان انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو دیکھ کر دم بخود ہو جائینگے۔ اور یہ کہہ ہی نہ سکیں گے کہ یہ ہمارے پاس دنیا میں نہ آئے تھے، یہ سارے انبیاء اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر خدا کے گواہ، اور اسکی حجت ہونگے اور پیغمبر خاتم اپنے زمانہ کے لوگوں پر خدا کے گواہ اور اسکی حجت ہونگے، اور ختم نبوت کے بعد ہر زمانہ کے لئے خدا کا مقرر کردہ گواہ بھی ہر زمانہ کے لوگوں کے سامنے ہوگا۔

اگر چہ ہم سابقہ اوراق میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ امت کا معنی صرف گروہ یا جماعت ہی

نہیں ہے، بلکہ امت کا لفظ، دین، مذہب، زمانہ، مدت، عرصہ اور امام و پیشوا وغیرہ کے معنیٰ میں بھی آتا ہے، لیکن خدا نے واضح الفاظ میں بھی قران میں یہ فرمایا ہے، کہ ختم نبوت کے بعد آنے والے یہ شھدائے روز قیامت، ہر زمانہ کیلئے علیحدہ علیحدہ ہونگے جیسا کہ فرمایا:

یوم نبعث فی کل امة شهیداً علیهم من انفسهم وجئنا بک علیٰ هئولاء شهیدا۔ (النحل۔ 89)

یعنی ہم اس دن ہر زمانے کے لوگوں میں سے، ان ہی میں کا ایک گواہ، یعنی وہ گواہ جو ان کا ہمعصر ہوگا، ان کے سامنے لا کھڑا کرینگے۔

اس آیت میں شهیداً علیهم من انفسهم خاص طور پر قابل غور ہے اور قابل توجہ ہے کیونکہ قران میں انفسھم کا لفظ ہمعصر اور ہم زمانہ کے معنیٰ میں ہی آیا ہے۔ جیسا کہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے۔

اذبعث فیهم رسولا من انفسهم۔ (آل عمران۔ 164)

یعنی جب خدا نے ان کے درمیان ان ہی میں سے، ان ہی کے زمانہ کا یک رسول بھیجا۔ یا وہ رسول بھیجا، جو خود ان ہی لوگوں میں سے تھا۔

اب پیغمبر گرامی اسلام کی درج ذیل مشہور و معروف حدیث میں غور کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے: من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة الجاهلیة

(مسند امام حنبل جلد 4 صفحہ 94)

یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

گویا پیغمبر اکرمؐ نے یہ فرمایا ہے کہ مرے بعد ہر زمانے میں ایک امام ضرور موجود رہیگا۔ لہذا اسکا پہچاننا ضروری ہے، کیونکہ اگر کوئی اسے نہ پہچانے گا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا، اور جاہلیت کی موت وہ اس لئے مرے گا، کیونکہ جب وہ اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانے گا، تو

لازمی طور پر اس سے ہدایت حاصل نہ کر سکے گا۔

اور یہی ہر زمانہ کے امام وہ شہدائے قیامت ہیں جن کو پیغمبر کے بعد آنے والے ہر زمانہ کے لوگوں کے سامنے لاکر کھڑا کیا جائیگا۔ یہ شہدائے روز قیامت، پیغمبر کے بعد، پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے، ہدایت خلق پر مامور کیئے گئے امام ہونگے، اور قیامت تک کے لئے ہر زمانے کے تمام انسانوں پر خدا کی حجت ہونگے۔ اور جس طرح خدا حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاء تک، تمام انبیاء کو اس لئے روز قیامت اپنی مخلوق کے سامنے لاکر کھڑا کریگا، تا کہ اس کی حجت تمام ہو، اور کوئی انسان یہ نہ کہ سکے، کہ خدا کے احکام پہنچانے والے یہ انبیاء ان کے پاس نہیں آئے تھے، اور انہوں نے خدا کے احکام نہیں پہنچائے تھے، لہذا خاتم الانبیاء تک آنے والے ہر زمانے کے تمام انسان، اچھی طرح سے جان لینگے، کہ یقیناً یہ انبیاء تو ان کے پاس آئے تھے، انہوں نے خدا کے پیغامبر ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا، انہوں نے خدا کے احکام پہنچائے تھے، یہ اپنے اپنے زمانہ میں لوگوں کو ہدایت بھی کرتے رہے، لیکن ہم نے ہی نہیں مانا۔ بلکہ ان پر ایمان لانے والوں کو حقیر جانا تھا۔

اسی طرح ختم نبوت کے بعد خاتم الانبیاء کی نیابت میں، انکے جانشین کی حیثیت سے، انکی طرف سے ہدایت کرنے والے، ان کے مقرر کردہ امام ہونگے، جو اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر خدا کی حجت ہونگے، اور روز قیامت پیغمبر کے بعد کے زمانے میں قیامت تک کے لئے ہر زمانہ کے لوگوں پر خدا کے گواہ ہونگے، خدا ہر زمانہ کے ایسے امام کو اور ہر زمانہ کے ایسے گواہ کو، ان لوگوں کے سامنے لائیگا، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد قیامت تک ہوئے، لہذا ہر زمانے کے انسانوں میں سے کوئی بھی یہ نہ کہ سکے گا، کہ یہ آئمہ نہیں آئے تھے اور ختم نبوت کے بعد آنے والے ہر زمانہ کے تمام انسان اچھی طرح سے جان لینگے، کہ یقیناً یہ آئمہ تو آئے تھے۔ انہوں نے امام ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا، یہ لوگوں کو ہدایت بھی کرتے

رہے لیکن جس طرح انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے لوگوں نے ان انبیاء کونہیں مانا، اسی طرح ختم نبوت کے بعد پیغمبر گرامی اسلام کی طرف سے خدا کے حکم سے مقرر کردہ ان ھادیان خلق اور آئمہ ھدیٰ کو ہم نے ہی نہیں مانا۔ جنہیں پیغمبر اکرم نے خدا کے حکم سے، اپنی نیابت میں، اپنے جانشین کی حیثیت سے، قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے، امام اور ھادی مقرر کیا تھا۔ بلکہ ان کو ماننے والوں کا مذاق اڑایا تھا، ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے، اور اقتدار کے زعم میں، ان پر قہر ڈھاتے رہے تھے اور یہ کہتے رہے، کہ پیغمبر نے اپنے بعد کسی کو ہدایت خلق کے لئے مقرر نہیں کیا، کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، اور وہ امت کو اپنے حال پر چھوڑ گئے، کہ جو تمہاری مرضی آئے وہ کرنا اور میرے اقوال کی جس طرح چاہے تاویلیں کرنا۔

کیونکہ امت نے یہ ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی نیابت میں، کار ہدایت انجام دینے کیلیے، کسی کو اپنا جانشین بنایا تھا، یا پیغمبر اکرمؐ نے کسی کی امامت کا اعلان کیا تھا، لہذا خدا پیغمبر گرامی اسلام کو ان گواہوں کی گواہی کے لئے بلائے گا اور یہ پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے حکم سے، اپنے بعد، اپنی طرف سے کار ہدایت انجام دینے کے لئے کسی کو اپنا نائب، اپنا جانشین لوگوں کا ہیرو رہنما، اور ھادی امام مقرر نہیں کیا تھا؟ اور انہیں ویسے ہی بے مہار چھوڑ دیا تھا؟ کیا تم نے اپنی امت کو اپنے بعد آنے والے ان اماموں کے بارے میں نہیں بتایا تھا؟

لہذا پیغمبرؐ ان گواہوں کے بارے میں یہ گواہی دینگے اور یہ کہینگے کہ بارالہا میں نے تو اپنے جانشینوں کے بارے میں اپنے بعد آنے والے ان اماموں اور ہادیوں کے بارے میں، اتنے طریقوں سے، اور اتنی مرتبہ بتلایا تھا، کہ کسی نبی نے اپنے بعد آنے والے کسی ہادی کے بارے میں، اتنے طریقوں سے، اور اتنی مرتبہ نہیں بتلایا۔ میں نے تو طرح طرح سے سمجھایا تھا کہ میرے بعد علی تمہارے ہادی، تمہارے رہنما، تمہارے پیشوا تمہارے امام

ہونگے، جو میری نیابت میں میرے جانشین کی حیثیت سے، تمہیں ہدایت کرینگے، اور انکے بعد ان کے گیارہ فرزند تمہارے ہادی، تمہارے رہنما تمہارے پیشوا، اور تمہارے امام ہونگے، اور پیغمبر گرامی اسلامؐ برملا طور پر یہ گواہی دینگے، کہ باالہامیں نے تو اپنی قوم کے سامنے دعوت ذوالعشیرہ میں، پہلے ہی دن، جب میں نے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کیا تھا، تو اسکے ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا تھا، کہ یہ علی میرا بھائی ہے، میرا وصی ہے، میرا جانشین اور خلیفہ ہے، لہذا تم اسکی بات سننا اور اسکی اطاعت کرنا۔ مگر اس وقت بھی میری قوم میرا مذاق اُڑا کر، اور ابو طالب سے یہ کہ کر کھڑی ہوگئی، کہ تو اب تم اپنے بیٹے کی اطاعت کرنا۔ اور بعد میں مجھ پر ایمان لانے والوں نے بھی، اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے، یہ کہ کر بھد اُڑائی، کہ اس وقت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو کوئی اقتدار ہی نہ ملا تھا، لہذا علیؑ کی یہ خلافت کا اعلان بنی ہاشم کے لئے ہوگا، یا اپنے کنبہ اور قبیلہ کے لئے ہوگا، مجھ پر ایمان لانے والوں نے مجھے معلم روحانی، نبی ورسول، رہنما وپیشوا اور امام سمجھا ہی نہیں، بلکہ انہوں نے مجھے ایسا سمجھا، جیسا کہ میں بھی دارا وسکندر اور اسی طرح کے حکمرانوں اور بادشاہوں کی طرح کا کوئی حکمران ہوں، حالانکہ میں ان کے پاس ایک معلم روحانی اور ایک ھادی ورہنما وپیشوا کی حیثیت سے گیا تھا، اور میں نے اپنے بعد کے لئے ایک معلم روحانی اور ایک ھادی ورہنما وپیشوا وامام کی حیثیت سے ہی اپنا جانشین وخلیفہ اور اپنی نیابت میں ہدایت کا کام انجام دینے والے کا اعلان کیا تھا۔ لہذا ہدایت کے حصول کے لئے، مجھ پر ایمان لانے والوں کو میری اطاعت کرنی چاہیے تھی، کیونکہ خدا نے میری اطاعت میں انکے لئے ہدایت کو قرار دیا تھا، اور میں نے اپنے بعد آنے والے جانشینوں کے بارے میں واضح طور پر بتلا دیا تھا کہ وہ بارہ ہونگے، انکا پہلا علیؑ ہے اور آخری مھدیؑ ہے میں نے اپنے ان جانشینوں کو اپنی نیابت میں ہدایت کرنے کے لئے، تیرے ہی حکم سے مقرر کیا تھا، اور حصول ہدایت کے لئے انکی

اطاعت واجب تھی، اور میں نے انکی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیدیا تھا، جس طرح میری اطاعت خدا کی اطاعت تھی، اور میں نے اُنکی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیدیا تھا جس طرح میری نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ مگر جس طرح ہر زمانے میں انبیاء ورسل پر بہت کم لوگ ایمان لائے، اور برسر اقتدار رہنے کے لئے انبیاء ورسل سے گریزاں رہے اسی طرح میرے مقرر کردہ ان ہادیان دین اور آئمہ طاہرین پر ایمان لانے والے بھی بہت کم نکلے، اور اکثریت برسر اقتدار رہنے کیلئے اور صاحبان اقتدار کا ساتھ دینے کے لئے ان ہادیان دین اور آئمہ طاہرین سے گریزاں ہی رہی۔

میں نے تو دعوت ذوالعشیرہ سے لیکر اعلان غدیر تک اور اعلان غدیر سے لیکر بستر مرگ تک ان کی امامت کے بارے میں، ان کے ہادی خلق ہونے کے بارے میں، طرح طرح سے سمجھایا، اور انہیں واضح الفاظ میں بتلایا، کہ اگر تم ان سے تمسک کروگے، انکی اطاعت و پیروی کروگے تو تم ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔

بارالٰہا میں نے تو اپنی امت کو سمجھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور انہیں بتلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور مسلمانوں کی حدیث وتاریخ وسیرت کی تمام معتبر ومستند کتابیں میرے ان اعلانات سے بھری پڑی ہیں، جو یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، کہ میں نے ان بارہ اماموں کا، ان شہدائے روز قیامت کا، ان گواہان روز جزا کا۔ اتنی مرتبہ، اور اتنے طریقوں سے اعلان کیا، کہ کسی نبی نے، کسی رسول نے، اپنے بعد آنے والے ھادی کے بارے میں اتنی مرتبہ اور اتنے طریقوں سے اعلان نہ کیا ہوگا۔

لہذا بارالٰہا میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی، کہ میں نے ان گواہان روز قیامت کی ان آئمہ طاہرین کی نسبت اپنی امت کو ہانکے پکارے بتلا دیا تھا، اور ان کے سامنے برملا اور واضح طور پر اعلان کردیا تھا، کہ یہ سارے کے سارے آئمہ، میرے مقرر کردہ ہیں، اور میں

نے انہیں تیرے ہی حکم سے مقرر کیا تھا، اور اپنی امت کو اس سے آگاہ کر دیا تھا۔

پیغمبر کے بعد آنے والے شہدائے روز قیامت کس بات کی گواہی دینگے؟

اب تک کے بیان میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء تک، سارے کے سارے نبی، اپنے اپنے زمانے کے لوگوں پر خدا کی حجت ہیں، اور خدا کی طرف سے لوگوں، پر اس بات کے گواہ ہیں کہ۔ خدا نے انہیں اپنے احکام دے کر، لوگوں کی طرف بھیجا تھا، اور انہوں نے لوگوں کے پاس جا کر اپنی نبوت و رسالت کے دعوے کے ساتھ خدائی احکام سے انہیں آگاہ کر دیا تھا۔

اور خدا کی حجت کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو بغیر ھادی کے نہیں چھوڑا تھا، کہ کسی بھی زمانہ کے لوگ یہ کہ سکیں کہ تو نے ہماری ہدایت کے لئے، اور اپنے احکام بیان کرنے کے لئے، کسی ہادی کو نہیں بھیجا تھا۔ لہذا وہ قیامت کے دن خدا کے خلاف اس طرح کا عذر و اعتراض نہ کر سکیں گے۔

لیکن انبیاء و رسل اور ہادیان دین پر ایمان لانے والوں میں سے، کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے، کہ انبیاء و رسل اور سارے ہادیان دین اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے اعمال کے گواہ ہونگے۔ اور چونکہ انسانوں کے اکثر اعمال ایسے ہوتے ہیں جو وہ کسی کے سامنے نہیں کرتے۔ بلکہ اکثر گناہ تو ہوتے ہی چھپ کر، اور پوشیدہ طور پر ہیں، لہذا وہ انبیاء و رسل اور ھادیان دین کے لئے ہر جگہ حاضر و ناظر رہنے کے قائل ہیں۔ اور شہید کے معنی پر اصرار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں، کہ شہید تو ہوتا ہی وہ ہے، جس نے کوئی بات بچشم خود دیکھی ہو۔ اور بچشم خود دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شراب پی رہا ہے، تو یہ اُسے بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ اگر کوئی چوری کر رہا ہے، تو یہ اسے بھی بچشم خود دیکھ رہے ہیں، اور اگر کوئی زنا کر رہا ہے، تو یہ اسے بھی بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔

بے شک یہ گناہان کبیرہ ہیں ۔مگر خدا ستار العیوب ہے لہذا وہ نہیں چاہتا کہ اس کا بندہ چاہے جیسا بھی ہے، اسکا عیب کسی دوسرے انسان پر ظاہر ہو۔ کیونکہ ہوسکتا ہے وہ آگے چل کر توبہ کرلے۔ تو کسی کے دیکھنے سے جو فضیحت اسکو حاصل ہوگئی ہے، وہ تو ختم نہ ہوگی۔ اور توبہ کرنے سے اسکی وہ شرمندگی دور نہ ہوسکے گی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے زمانہ میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ مجمع اصحاب میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے آکر یہ خبر دی کہ ایک جوڑا فلاں خرابے میں زنا میں مصروف ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو انہیں پکڑ کرلانے کے لئے بھیجا۔ حضرت علیؑ اس مقام پر پہنچے، اور آنکھیں بند کرکے، اس خرابے میں داخل ہو گئے۔

اس جوڑے نے جب حضرت علیؑ کو دیکھا، تو وہ بھا ۔ کھڑے ہوئے، حضرت علیؑ نے اندر جا کر جب آنکھیں کھولیں تو وہاں پر کوئی نہ تھا۔ آ ۔ نے واپس آکر، آنحضرت سے عرض کی، کہ یارسول اللہ میں آنکھیں بند کرکے اندر داخل ہوا۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو وہاں پر کسی کو بھی موجود نہ پایا۔

آنحضرت نے نعرہ تکبیر بلند کیا، اور فرمایا تم سے اسی بات کی توقع تھی۔ بہر حال مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا عقیدہ یہی ہے۔ ایسے لوگ اہل سنت والجماعت میں بھی ہیں، اور شیعہ کہلانے والے لوگوں میں بھی ہیں، جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ حضرات ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ لہذا اس طرح زنا کی شہادت کی جو شرعی حیثیت ہے، اسکو سوائے ان حضرات کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا، حتیٰ کہ زنا کے وہ چارہ گواہ بھی، اگر کوئی ہوں تو وہ زنا کی صحیح شرعی شہادت دینے کے قابل نہیں ہوتے۔ لہذا مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

کیونکہ خدا کو لوگوں کے نامہ اعمال کے لئے انبیاء، ورسل اور ہادیان دین میں سے کسی کو پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ تو انہیں صرف اپنی حجت کے طور پر، اور اپنے گواہ

کے طور پر پیش کریگا، کہ میں نے انہیں اپنے احکام دے کر تمہارے پاس بھیجا تھا، مگر تم ان پر ایمان نہیں لائے۔ لہذا انہوں نے میرے جو احکام تم سے بیان کیئے، تم نے انہیں بھی ماننے سے انکار کردیا۔

جہاں تک اعمال کا تعلق ہے، تو قیامت کے دن تین قسم کے گروہ ہونگے، ایک گروہ تو بے حساب داخل جھنم ہوگا، یعنی کفار و مشرکین و منافقین کا گروہ، انکے اعمال کی جزا دینا میں ہی دی جا چکی ہے، اور آخرت میں انکا کوئی حصہ نہیں ہے۔ لہذا اعمال کے تعلق سے ان پر گواہ بھگتانے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی، ان کے اوپر صرف اس بات کی گواہی ہوگی کہ خدا نے انبیاء و رسل اور ھادیان دین کو احکام دے کر ان کے پاس بھیجا تھا، مگر انہوں نے نہیں مانا، اور وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔ پس یہ کفار و مشرکین و منافقین، انکو دیکھتے ہی دم بخود ہو جائیں گے، اور یہ کہہ ہی نہ سکیں گے کہ یہ ہمارے پاس نہیں آئے تھے۔

دوسرا گروہ انبیاء و رسل اور ھادیان دین اور شھداء و صالحین کا گروہ ہوگا جو بالکل معصوم ہونگے۔ اور اعمال کے تعلق سے ان پر بھی کسی گواہ کو بھگتانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

تیسرا گروہ انبیاء و رسل پر ایمان لانے والوں کا ہوگا جو ایمان لاتے کے باوجود نیکیاں بھی کرتے رہے اور گناہ بھی کرتے رہے۔ انکو انکے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

لہذا خدا نے اپنے ان بندوں کے اعمال کے بارے میں بڑا ہی محکم نظام قائم کر رکھا ہے۔ جیسا کہ سورہ الانفطار میں ارشاد ہوا ہے۔

ان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ماتفعلون۔ (الانفطار۔ 10-12)

بیشک تمہارے اوپر نگہبان مقرر ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتے ہیں۔

اور سورہ ق میں اس طرح سے ارشاد ہوا۔

اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین و عن الشمال قعید. مایلفظ من قول الا لدیه

رقیب عتید۔(ق۔17-18)

(جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو) دو لکھنے والے (کراما کاتبین) جو اس کے داہنے بائیں بیٹھے ہیں، لکھ لیتے ہیں، کوئی بات اسکی زبان پر نہیں آتی، مگر ایک نگہبان اس کے پاس رہتا ہے۔

اور ہر شخص کا یہ اعمال نامہ جو کراماً کاتبین نے لکھا ہے، قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کر دیا جائیگا جیسا کہ سورہ الکہف میں ارشاد ہوا۔

ووضع الکتاب وتری المجرمین مشفقین یقولون یاویلتنا مالھذا الکتاب لایغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا، ووجدوا ماعملوا احاضراً ولا یظلم ربک احداً۔(الکہف۔48-49)

اور لوگوں کے اعمال کی کتاب سامنے رکھ دی جائیگی تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اسے دیکھ کر سہمے ہوئے ہیں، اور کہتے جاتے ہیں، ہائے ہماری شامت یہ کیسی کتاب ہے، کہ نہ کسی چھوٹے گناہ کو قلمبند کیے بغیر چھوڑتی ہے، نہ کسی بڑے گناہ کو ،اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب لکھا ہوا موجود پائینگے ،اور تیرا پروردگار کسی پر بھی (ذرہ برابر) ظلم نہ کریگا۔

اور بالفرض کوئی ایسا ہو بھی، جو اس بات کا انکار کر دے، اور یہ کہے کہ میں نے تو یہ اعمال اور یہ گناہ کیے ہی نہیں، تو خود اس کے ہاتھ اور پاؤں اس کے کیے ہوئے اعمال کی، اور اس کے کیے ہوئے گناہوں کی گواہی دینگے، جیساہ سورہ یسین میں ارشاد ہوا ہے۔

الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھدارجلھم بما کانوا یکسبون۔(یسین۔65)

اس دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دینگے، اور جو جو اعمال یہ لوگ دنیا میں کرتے رہے، اس کے کیئے ہوئے کاموں کو، اسکے ہاتھ خود ہم کو بتلا دینگے، اور انکے پاؤں انکے

خلاف گواہی دینگے۔

بہرحال انسانوں کے اعمال کے بارے میں خدا کا علیحدہ سے ایک محکم نظام ہے۔ چنانچہ انسانون کے اعمال کے بارے میں دو بزرگ فرشتے کراماً۔کاتبین گواہ ہونگے ،انکا لکھا ہوا اعمال نامہ ان کے ہاتھ میں دیدیا جائیگا، جسے دیکھ کر وہ خود اس بات کا اقرار کرینگے کہ اس میں تو ان کا ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا گناہ اور کام لکھا ہوا ہے۔

اور اگر بالفرض کوئی انسان اپنے ان کئے ہوئے اعمال سے انکار کرنے کی جرات اور جسارت کریگا ،تو خدا ان کے مونہون پر مہر لگادیگا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں خود اس کے اعمال کی گواہی دینگے ، کہ اس نے یہ یہ کام کئے تھے لہذا اعمال کے بارے میں تو کوئی یہ کہہ ہی نہ سکے گا کہ میں نے یہ اعمال نہیں کئے تھے، اور ان گواہوں کی موجودگی میں اور اپنی آنکھوں سے کتاب میں لکھے ہوئے دیکھنے کے بعد ،اعمال کے بارے میں ،اور کسی گواہ کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

پس پیغمبر کے بعد آنے والے ، ہر زمانہ کے یہ شہدائے روز قیامت جو ہر زمانے کے لوگوں پر گواہ ہونگے ،اور رسول ان شہدائے روز قیامت کی گواہی دینگے، ان سے کسی کے اعمال کی گواہی نہیں لی جائے گی۔ بلکہ جس طرح آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء تک سارے کے سارے انبیاء ورسل خدا کی حجت ہونگے۔اور لوگوں پر خدا کے اس بات کے گواہ ہونگے ، کہ خدا نے لوگوں کی ہدایت کے لئے ان انبیاء کو احکام دے کر ان کے پاس بھیجا تھا۔اور انہوں نے لوگوں کے پاس جا کر خدائی نمائندہ ہونے کا اعلان کر کے، خدا کے احکام ان تک پہنچائے تھے، لہذا ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے زمانہ کے انبیاء ورسل کو دیکھ کر دم بخود ہو جائینگے ،اور وہ یہ کہنے کی جرات نہ کر سکیں گے، کہ یہ انبیاء ورسل ہمارے پاس نہیں آئے تھے۔یا انہوں نے خدا کے احکام نہیں پہنچائے تھے۔

اسی طرح پیغمبر گرامی اسلام کے بعد ہر زمانہ کا امام اور ہر زمانہ کا شہید، جو روز قیامت لوگوں پر گواہ بنا کر کھڑا کیا جائیگا۔ وہ بھی انبیاء و رسل کی طرح خدا کی حجت ہونگے۔اور لوگوں کے اوپر خدا کی طرف سے اس بات کے گواہ ہونگے کہ خدا نے پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد بھی اُن کی ہدایت کے لئے ،امام اور ہادی ان کے درمیان بھیجے۔اور خدا نے اپنے حبیب کو حکم دے کر انکی امامت ،اور ہر زمانے میں انکے ہادی ہونے کا اعلان کرایا تھا،اور اسی بناء پر خدا پیغمبر گرامی اسلامؐ کو ان گواہوں کی گواہی کے لئے لائیگا،اور وہ اس بات کی گواہی دینگے کہ میں نے خدا کے حکم سے انکی امامت اور ھادی خلق ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

لہذا پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد کے زمانہ میں، ہر زمانہ میں ہونے والے امام،اور شھداء، لوگوں پر اس بات کے گواہ ہونگے ، کہ ہم نے ان کے سامنے اپنی امامت کا اعلان کیا،اور پیغمبر گرامی اسلام کی نیابت میں ان کے جانشین کی حیثیت سے لوگوں کو ہدایت کرتے رہے

پس پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد ہر زمانہ کے لوگ ان شھدائے روز قیامت کو،اور پیغمبر کے بعد آنیوالے ان اماموں کو دیکھ کر،اسی طرح دم بخود ہو جائینگے۔جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے کے لوگ انبیاء علیہم السلام کو دیکھ کر دم بخود ہونگے ،اور کوئی عذر نہ پیش کر سکیں گے اور نہ ہی یہ کہ سکیں گے کہ یہ آئمہ اور شھدائے روز قیامت ہمارے پاس نہیں آئے تھے ،یا انہوں نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا تھا،یا یہ حضرات کار ہدایت انجام نہیں دیتے رہے۔

پس خدا کی حجت تمام ہو جائیگی ۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے حکم سے انکے تقرر کا اعلان کرنے کی گواہی دینگے۔اور وہ ہر زمانے کے لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے انہیں ہدایت کرتے رہنے کی گواہی دینگے۔اور پیغمبر اکرمؐ کے بعد کسی زمانہ کا کوئی فرد،کوئی شخص، خدا کے سامنے یہ عذر پیش نہ کر سکے گا،کہ ہمارے زمانہ میں کوئی امام کوئی ہادی کوئی رہنما اور کوئی پیشوا ایسا نہ تھا جو خدا کی طرف سے کار ہدایت انجام دیتا ہو۔

یہ گواہی تو ان لوگوں کے خلاف ہوگی جنہوں نے انہیں وصی پیغمبر، جانشین رسول اور پیغمبر کے بعد ہادی خلق تسلیم نہیں کیا۔ اور انکی اطاعت و پیروی نہ کی؟

لیکن ایک گواہی ان لوگوں کے خلاف بھی ہوگی، جنہوں نے انکی امامت کو تو تسلیم کیا، لیکن انکی شان میں غلو کے قائل ہوگئے اور نکے لئے تفویض کے عقیدہ کو اختیار کرلیا، یعنی آئمہ کے ان ماننے والوں میں سے کسی نے تو انہیں خدا مانا، اور کسی نے انکے بارے میں یہ کہا کہ خدا نے انکو پیدا کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا ان کے پیدا ہونے کے بعد جو کچھ کیا وہ انہوں نے کیا یعنی آسمان کو خلق انہوں نے کیا، زمین کو خلق انہوں نے کیا، اور ہر چیز کے خالق وہ ہیں، جو کچھ خلق کرتے ہیں وہ کرتے ہیں، رزق وہ دیتے ہیں، مارتے وہ ہیں، زندہ وہ کرتے ہیں، غرض سارا انظام کائنات یہی آئمہ چلاتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ جس طرح روز قیامت حضرت عیسٰے سے پوچھے گا کہ اے عیسٰے کیا تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو، دونوں کو خدا مان لو؟ تو حضرت عیسٰے ان سے اعلان برات کرینگے اور یہ کہینگے کہ میں نے تو انہیں یہ نہیں کہا میں تو جب تک ان کے درمیان رہا یہی کہتا رہا کہ تم اسی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی رب ہے۔ یہی اعلان برات آئمہ برحق اور پیغمبر کے بعد آنیوالے ہادیان خلق کرینگے، اور یہ کہینگے، کہ بارالہا ہم نے انکو یہ باتیں نہیں کہی تھیں، ہم ان کے اس عقیدہ سے بری اور بے زار ہیں۔ لہذا تو ان کے اس فاسد عقیدہ کی بناء پر ہمارا مواخذہ نہ کرنا اور انکا اعلان برات سن کر سب دم بخود ہو جائینگے۔ اور مفوضہ کا عقیدہ تفویض، اور شیخ احمد احسائی کا فلسفہ اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کے فلسفیانہ اور صوفیانہ دلائل کچھ کام نہ آئینگے اور آئمہ اہل بیت کو خالق و رازق و محی و ممیت اور نظام کائنات چلانے والا ماننے والے، اس وقت کوئی عذر پیش نہ کرسکیں گے۔ اور نہ ہی میدان محشر میں، رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا موسیٰ اسکوئی، ان لوگوں کو، جو آئمہ اہل بیت کو

حقیقی جانشین پیغمبر، وصی رسول، منصوص من اللہ، معصوم عن الخطا، ھادی خلق اور امام برحق، واجب الاطاعت اور واجب الاتباع مانتے ہوئے انکی اطاعت و پیروی کرتے رہے، لیکن انہوں نے شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کے بہکائے میں آکر آئمہ اہل بیت کو خالق و رازق و محی و ممیت اور نظام کائنات کا چلانے والا نہ مانا تھا، انکی عقلوں میں فتور اور مقصر وغیرہ کا طعنہ دے سکیں گے۔ اور وہ خود آئمہ اہل بیت یعنی شہیدان روز قیامت اور گواہان روز محشر کا مذکورہ اعلان برات سن کر دم بخود ہو جائینگے۔

لیکن اگر مفوضہ اور شیخ احمد احسائی اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کا یہ دعویٰ صحیح ہوا، کہ خدا نے محمد و آل محمد یعنی آئمہ اہل بیت کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام کیا ہی نہیں، اور اس نے محمد و آل محمد کو خلق کرنے کے بعد اپنے سب کام انہیں سپرد کر دیئے تھے، لہذا زمین انہوں نے خلق کی، آسمان انہوں نے خلق کیا، اور ہر چیز کے خالق وہ ہیں، رزق وہ دیتے ہیں، موت و حیات کے مالک وہ ہیں، اور سارا نظام کائنات وہی چلاتے ہیں تو ضروری ہے، کہ خدا اُن لوگوں سے جنہوں نے مذہب شیخیہ اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کی مذکورہ باتوں کو نہیں مانا یہ پوچھے کہ تمہارا ان آئمہ اہل بیت کو حقیقی جانشین پیغمبر، وصی رسول، منصوص من اللہ معصوم عن الخطا، ھادی خلق، امام برحق، واجب الاطاعت اور واجب الاتباع مانتے ہوئے انکی اطاعت و پیروی کرتے رہنا آج کچھ کام نہیں آئیگا۔ تم نے شیخ احمد احسائی اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کے کہنے کے مطابق آئمہ اہل بیت کو خالق و رازق و محی و ممیت اور سارا نظام کائنات چلانے والا کیوں نہ مانا؟ میں نے تو ان کو خلق کرنیکے بعد کچھ کیا ہی نہیں؟ جو کچھ کیا وہ انہوں نے ہی کیا لہذا شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت نے جو تمہیں مقصر کہا، قشری کہا، اور وہابی وغیرہ کہا ہے، وہ صحیح کہا ہے۔ لہذا آج تمہارا آئمہ اہل بیت کو حقیقی جانشین پیغمبر، وصی رسول، منصوص من اللہ، معصوم عن الخطا۔ ھادی خلق اور امام برحق، واجب الاطاعت اور

واجب الاتباع مان کرانکی پیروی کرتے رہنا کچھ کام نہیں آئیگا۔تو اس وقت شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کے بہکائے میں نہ آنے والوں کا جواب یہ ہوگا اور وہ اس وقت روز محشر بارگاہ خداوندی میں بڑے زوردار طریقے سے یہ عذر پیش کرینگے، کہ بارالہا یہ سبق تو ہمیں ابلیس کے آدم کو بہکانے کے واقعہ سے مل چکا ہے، کہ تو نے آدم علیہ السلام کو اس بات سے منع کیا تھا کہ اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم خود اپنے اوپر ظلم کروگے۔لیکن ابلیس نے ان سے یہ کہا کہ خدا نے تمہیں اس درخت کے پاس جانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ، اور ہمیشہ ہمیشہ اسی جنت میں رہنے لگو، بارالہا ہمارے لئے تو یہی سبق کافی ہے، کیونکہ تو نے اپنی کتاب مقدس میں یہ فرمایا ہے، کہ ہر چیز کا خالق میں ہوں۔ ہر ایک کو رزق دینے والا بھی میں ہوں۔ موت وحیات کا مالک بھی میں ہوں، ساری کائنات کا نظام چلانے والا بھی میں ہوں۔اور وہ ٹھوک بجا کر بارگاہ خداوندی میں یہ عذر بھی پیش کرینگے کہ بارالہا تو نے خود ہی تو اپنی کتاب مقدس میں اپنے بندوں کو یہ تنبیہ کی تھی۔ کہ جو میرے سوا کسی کو خالق مانے وہ مشرک ہے جو میرے سوا کسی اور کو رازق مانے وہ مشرک ہے جو میرے سوا کسی اور کو موت وحیات کا مالک مانے وہ مشرک ہے جو میرے سوا کسی اور کو نظام کائنات کا چلانے والا مانے وہ مشرک ہے اور تو نے اپنی کتاب مقدس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ تو ہر گناہ کو بخش دے گا لیکن مشرک کو نہیں بخشے گا۔تو اب تو ہی بتا کہ تیری ان تنبیہات کی موجودگی میں ہم آئمہ اہل بیت کو خالق ورازق ومحی ممیت اور ساری کائنات کے نظام کا چلانے والا کیسے مان سکتے ہیں، تو نے انکے بارے میں جو کچھ ماننے کا حکم ہمیں دیا، وہ ہم نے مانا۔اور تو نے جس بات سے ہمیں روکا ہم اس سے رکے۔اور تو نے اور تیرے حبیب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ نے ہمیں صرف تیری کتاب اور اپنے اہل بیت سے تمسک کرنے کا ہی حکم دیا تھا۔شیخ احمد احسائی اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کے من گھڑت فلسفہ کی پیروی کرنے، اور انکے

باطل فلسفہ کے ذریعہ خود ساختہ افکار و نظریات وعقائد پر ایمان لانے کے لئے نہیں کہا تھا، اور تو نے جو کچھ اپنی کتاب مقدس میں حکم دیا تھا وہ تجھے بھی معلوم ہے۔ اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام تو ان لوگوں پر لعنت کرتے رہے، اور ان لوگوں سے اعلان برات کرتے رہے، جنہوں نے انہیں خالق و رازق ومحی وممیت اور نظام کائنات چلانے والا مانا، اور خود رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا موسیٰ اسکوئی نے اپنی کتاب احقاق الحق کے صفحہ 394 سطر 5 تا 11 پر یاسر خادم امام رضا علیہ السلام سے مروی ایک حدیث بحاالانوار اور عیون اخبار الرضا کے حوالے سے نقل کی ہے۔ جس میں امام علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے دین کے امور سپرد فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو کچھ رسول تمہیں حکم دیں اسے لے لو۔ اور جس بات سے منع کرے اس سے رک جاؤ، رہا خلق ورزق کا معاملہ تو یہ اس نے ہمیں سپرد نہیں کیا ہے۔ اسکے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ہی ہر چیز کا خالق ہے اور اللہ عزوجل نے اپنی کتاب محکم قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ ہی نے تم کو خلق کیا ہے اسی نے تم کو خلق کرنے کے بعد رزق عطا فرمایا ہے۔ وہی تمہیں اس زندگی کے بعد موت دیگا اور مرنے کے بعد وہی تم کو دوبارہ زندہ کریگا، کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ایسا ہے کہ جو ان امور میں سے کچھ بھی سرانجام دیتا ہوں، اللہ کی ذات ان کے اس شرک سے پاک ہے"

پالنے والے اس حدیث سے تو واضح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ تو نے آئمہ اہل بیت کو خلق ورزق اور احیاء وامات اور نظام کائنات کے چلانے کا کام غیر استقلالی طور پر بھی سپرد نہیں کیا تھا۔ تو پھر ہم شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کی بات کیسے مان سکتے تھے۔

بارالہا مولانا محمد بشیر انصاری نے اور دوسرے مبلغین شیخیہ نے شیخ احمد احسائی کی کتاب شرح زیارت سے اور موسیٰ اسکوئی کی کتاب احقاق الحق سے مذہب شیخیہ کے عقائد کو مجالس

میں فضائل کے عنوان سے تبلیغ کر کے پاکستان کے بہت سے شیعوں کو گمراہ کر دیا تھا۔ جو ہمیں انکی خرافات کو تسلیم نہ کرنیکی پاداش میں، مقصر، قشری، وھابی، حتٰی کہ دشمن فضائل آل محمد تک کہتے رہے۔ مگر ہم نے تیرے حکم اور آئمہ اہل بیت کے اعلان برات کو پڑھ کر انکی بات نہیں مانی، اور ان کے ہر طعن وطنز کو براداشت کر کے صبر کرتے رہے۔ اور تو سمیع وبصیر بھی ہے اور علیم وخبیر بھی ہے یہی ہمارا عذر ہے۔

پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد کسی امام یا ھادی کی کیا ضرورت ہے

یہ ایک سوال ہے جو ان لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے جو پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد ہدایت خلق کے لئے کسی ھادی یا امام کے قائل نہیں ہیں، اور وہ برملا طو پر یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر گرامی اسلام کے بعد کسی امام یا ھادی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مگر جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں کہ سورہ الزمر کی آیت نمبر 69 یہ کہتی ہے کہ خداوند تعالٰی اتمام حجت کیلئے اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تین چیزیں پیش کریگا۔

نمبر 1۔ ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے سامنے رکھ دیا جائیگا۔

نمبر 2۔ آدم علیہم السلام سے لیکر خاتم الانبیاء تک تمام انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا جائیگا اور سورہ الانعام کی آیت 117 یہ کہتی ہے کہ ان سارے انبیاء میں سے کوئی بھی نبی اپنے بعد کے زمانہ کے لئے اپنی امت پر گواہ نہ ہوگا۔

نمبر 3۔ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے اس جہان سے رخصت ہو جانے کے بعد خداوند تعالٰی نے جتنے ہادی اور امام مقرر کئے انہیں قیامت تک آنیوالے لوگوں پر گواہ بنا کر لائیگا، اور سورہ النحل کی آیت نمبر 89 یہ کہتی ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد ہر زمانہ کے لوگوں

کیلئے علیحدہ علیحدہ گواہ ہونگے اور ہر زمانہ کے لوگوں کے ہمعصر ہونگے ،اور سورہ الحج کی آیت نمبر 77 یہ کہتی ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام کے بعد کے زمانے کے لوگوں پر قیامت کے دن گواہی دینے والے یہ گواہ انبیاء علیہم السلام کی طرح مجتبےٰ ہونگے ، برگزیدہ ہونگے اور خدا کے مصطفےٰ بندے ہونگے ، جو پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد زمانے کے لوگوں پر قیامت کے دن خدا کے گواہ ہونگے ،اور پیغمبران کے اوپر انکے تقرر کے گواہ ہونگے اور پیغمبر گرامی اسلامؐ نے یہ فرمایا ہے کہ: ''جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت اور کفر کی موت مرا''۔

لہذا یہ بات تو خود خدا کہتا ہے ،قرآن کہتا ہے اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کہتے ہیں ،کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد ہر زمانہ کا علیحدہ سے ایک گواہ ہوگا ،ہر زمانہ کا ایک علیحدہ سے امام ہوگا ، جو روز قیامت اپنے زمانہ کے لوگوں پر خدا کی حجت ،اور ھدایت خلق کا کام انجام دینے کیلئے خدا کی طرف سے اس بات کا گواہ ہوگا ، کہ خدا نے انبیاء کے آنے کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اپنی مخلوق کو بغیر ہادی وامام کے نہیں چھوڑا۔

پس اگر چہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد ، کسی ہادی اور امام کی ضرورت کو ثابت کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے ،لیکن عقل بھی یہی کہتی ، کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد مسلمانوں میں بے شمار فرقوں کی تقسیم اور ہر فرقے کا دوسرے فرقے کو باطل سمجھنا اس ضرورت کو اچھی طرح سے واضح کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد کوئی ایسا ھادی و رہنما ہونا چاہیے ، جو پیغمبر گرامی اسلام کی نیابت میں ،ان کے جانشین کی حیثیت سے ،کار ہدایت انجام دے۔اور اسکی بات پیغمبر کی بات ،اور اسکی ھدایت پیغمبر کی طرف سے ہدایت محسوب ہو ،اور اسی لئے اس کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت اور اسکی پیروی پیغمبر کی پیروی اور اسکی نافرمانی پیغمبر کی نافرمانی شمار ہو اور یہ اسی طرح ممکن ہے ، کہ اسکی ہر بات پیغمبر کی کہی ہوئی بات کی طرح

ہو،اور اسکی کوئی بات پیغمبر کی کسی بھی بات کے خلاف نہ ہو،اور ان تمام باتوں کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے ہانکے پکارے،علی الاعلان واضح الفاظ میں خدا کے حکم سے لوگوں کو بتلا دیا تھا،کہ میری طرف سے ہر زمانہ کے لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر زمانہ میں ایک امام ہوگا۔ جو میری طرف سے میرے جانشین کی حیثیت سے کار ہدایت انجام دے گا،انکا پہلا علیؑ ہے،اور آخری مہدی ہے۔جس کی امامت کا زمانہ دامن قیامت تک ہوگا اور میرے یہ جانشین سب کے سب معصوم ہونگے،سب کے سب مصطفےٰ ہونگے،سب کے سب مجتبےٰ ہونگے، سب کے سب برگزیدِ خدا ہونگے۔ بیشک اب انبیاء کا آنا بند ہو چکا ہے،اب اور کوئی نبی نہیں آیئگا اور اب قیامت تک آپکی ہی رسالت کا دور ہے۔

لیکن اگر پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد پیغمبر کے جانشین کی حیثیت سے پیغمبر کی طرف سے ہدایت دینے والا کوئی ایسا رہنما،کوئی ایسا پیشوا کوئی ایسا امام نہ ہو۔ جسکی بات پیغمبر کی بات سمجھی جائے،جس کا حکم پیغمبر کا حکم سمجھا جائے،جسکی اطاعت پیغمبر کی اطاعت کی طرح واجب اور فرض ہو،اور جسکی نافرمانی پیغمبر کی نافرمانی کی طرح گناہ اور جرم ہو،تو پھر پیغمبر کے بعد کے زمانے کے لوگ خدا کے حضور میں یہ عذر کر سکتے ہیں کہ بارالٰہا ہمارے زمانے میں، مسلمانوں کے بے شمار فرقے بن چکے تھے جو کہنے میں تو تہتر (73) تھے مگر شمار کرنے میں سینکڑوں تھے اور ہر کوئی خود کو ہی حق پر سمجھتا تھا اور خود کو ہی جنت کا حقدار کہتا تھا۔ایسے جنگل میں کھڑا ہوا آدمی کیا کرے؟ آخر وہ کدھر جائے؟ اور کس راستے کو اختیار کرے؟ اور تیری طرف سے کوئی ایسا رہنما کوئی ایسا ہادی کوئی ایسا پیشوا موجود نہ تھا جس کی پیروی صحیح طور پر رسولؐ کی پیروی شمار ہو۔

اور اس عذر کے معقول ہونے میں کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا لہذا پیغمبر کی نیابت میں پیغمبر کے ایسے جانشینوں کا ہونا انتہائی ضروری ہے،اور یہی ھادی اور امام روز قیامت پیغمبر کے

بعد آنے والے لوگوں پر گواہ ہونگے ،اور پیغمبران کے لئے یہ گواہی دینگے کہ انہوں نے خدا کے حکم سے ان کے تقرر کا برملا طور پر اعلان کر دیا تھا۔

بارہ امام ہی کیوں کم یا زیادہ کیوں نہیں؟

ہم سابقہ صفحات میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ پیغمبر گرامی اسلام کے بعد بھی قیامت تک آنے والے لوگوں کی ہدایت کے لئے کسی ایسے امام یا کسی ایسے ھادی کی ضرورت ہے، جو پیغمبر کے جانشین کی حیثیت سے انکی نیابت میں انکی طرف سے کار ہدایت انجام دے، اور اسکی ہدایت پیغمبر کی طرف سے دی ہوئی ہدایت شمار ہو، لہذا اسکی اطاعت پیغمبر کی اطاعت، اسکی نافرمانی پیغمبر کی نافرمانی، اور اسکی پیروی پیغمبر کی پیروی محسوب ہو۔ لیکن یہ سوال کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد بارہ امام یا بارہ ھادی ہی کیوں ہوئے؟ کم یا زیادہ کیوں نہ ہوئے؟ تو یہ سوال دراصل خداوند تعالٰی کی حکمت و مصلحت کے بارے میں ہے، کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ جیسا کہ یہ سوال کہ اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہی کیوں بھیجے؟ اور پیغمبر گرامی اسلام محمد مصطفٰےؐ پر نبوت کا خاتمہ کیوں کر دیا؟ اور قیامت تک ہی پیغمبر اور رسول کیوں نہ بھیجتا رہا؟ اور خدا نے پیغمبر گرامی اسلام کے بعد پیغمبروں کے بھیجنے کا سلسلہ جاری کیوں نہ رکھا؟ تو ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کے لئے جو احکام بھیجنے تھے جب تک وہ تمام احکام اپنے بندوں تک انبیاء کے ذریعہ نہ پہنچا دیئے، اس وقت تک وہ پیغمبروں کو بھیجتا رہا۔ اور جب خدا نے وہ تمام احکام پہنچا دیئے جن پر وہ اپنے بندوں سے قیامت تک عمل کرانا چاہتا تھا اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد کے لئے ان احکام کی حفاظت و توضیح و تشریح کا پیغمبر کے بعد آنے والے جانشینوں اور اماموں کے ذریعہ انتظام بھی کر دیا، تو انبیاء کا بھیجنا موقوف کر دیا کیونکہ انبیاء کے ذریعہ جتنے احکام بھیجنے تھے وہ بھیج دیئے تھے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ قیامت تک کے لئے بارہ امام ہی کیوں؟ اور بارہویں امام کے بعد

قیامت تک ہی یہ سلسلہ جاری کیوں نہ رکھا؟ کہ پیغمبر کے ایسے جانشین، پیغمبر کی نیابت میں، پیغمبر کی طرف سے قیامت تک، ایسے ہدایت کرنیوالے امام اور ہادی خلق ظاہری طور پر آتے رہتے، اور خدا کے بندوں کو ہدایت دیتے رہتے۔

تو ظاہر میں اس کی سب سے بڑی وجہ یہ دکھائی دیتی ہے کہ خداوند تعالیٰ کو اس امت کی حالت کا علم تھا، کہ وہ پیغمبر گرامی اسلام کے بعد آنے والے ان ھادیان دین کے ساتھ کیا سلوک کریگی اور اس بات کو خود پیغمبر گرامی اسلام نے بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لتتبعن سنن من قبلکم شبراً شبراً وذراعاً بذراع حتی لو سلکوا حجر ضب لسلکتموہ ،قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ، قال فمن ''۔(صحیح بخاری مترجمہ قاری حافظ محمد عادل نقشبندی۔قمر سعید پبلشر لاہور باب۔3500 حدیث۔673)

ترجمہ :۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کی (ایسی زبردست) پیروی کرو گے (حتیٰ کہ) ایک ایک بالشت اور ایک ایک گز پر، یعنی ذرا سا بھی فرق نہ ہوگا۔حتیٰ کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے سوارخ میں داخل ہوئے ہونگے ،تو تم بھی داخل ہو گے۔ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: پھر اور کون؟

ہمیں اس مقام پر اس امت کے حالات کا، اپنے سے پہلے لوگوں کے تمام حالات سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن انبیاء اور ھادیان دین کے تعلق سے اس امت سے پہلے لوگوں یعنی یہود کے انبیاء اور ھادیان دین کیساتھ سلوک اور طرز عمل کو خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح سے بیان کیا ہے:

''ان الذین یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبین بغیر حق ویقتلون الذین

بامرون بالقسط من الناس فبشرهم بعذاب الیم. اولئک الذین حبطت اعمالهم فی الدنیا والآخرة ومالهم من ناصرین"۔آل عمران۔(21-22)

بے شک جولوگ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں جو انہیں انصاف کرنے کا حکم کرتے ہیں، تو اے رسول تم ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدو، یہی وہ بدنصیب لوگ ہیں، جن کا سارا کیا کرایا دنیا اور آخرت (دونوں جہان) میں اکارت گیا، اور کوئی بھی انکا مددگار نہ ہوگا۔

پس خداوند تعالیٰ کو یہ علم تھا، کہ جس طرح بنی اسرائیل اپنے انبیاء کو ان لوگوں کو قتل کرتے رہے جو انہیں انصاف کرنے کا حکم کرتے تھے، اسی طرح یہ امت بھی پیغمبر کے بعد پیغمبر کے حقیقی جانشینوں، انصاف کرنے کا حکم دینے والوں ۔ھادیان دین اور آئمہ برحق کو قتل کرتی رہیگی، یا زہر دغا سے شہید کرتی رہیگی، اور خدا کی طرف سے حجت تمام کرنے کے لئے، اور لوگوں کی ہدایت کے لئے، پیغمبر گرامی اسلام کے ان حقیقی جانشینوں، خلفاء ھادیان خلق اور آئمہ برحق کا تقرر بھی ضروری تھا۔ کیونکہ ایک تو پیغمبر کے بعد احکام الٰہی کی حفاظت اور انکی صحیح صحیح توضیح وتشریح کے لئے پیغمبرؐ کے ایسے جانشینوں کی ضرورت تھی جنکی بات پیغمبر کی بات اور جنکی طرف سے ہدایت پیغمبرؐ کی طرف سے ہدایت متصور ہو۔

دوسرے پیغمبر گرامی اسلام کے زمانہ میں شرک کی نمایاں صورت صرف بت پرستی تھی۔ لہذا آنحضرت صلعم نے بڑی شدت کیساتھ بت پرستی کے خلاف جہاد کیا، لیکن کفر وشرک والحاد و زندقہ وبے دینی کی وہ صورتیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد پیدا ہوئیں اور دین اسلام کے ماننے والوں میں داخل ہوئیں، ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی، امت کے افراد کو سمجھایا نہیں جاسکتا تھا، ان کیلئے پیغمبر کے کسی ایسے جانشین وخلیفہ وامام وھادی خلق کی ضرورت تھی، جسے پیغمبر گرامی اسلام نے اپنے نائب کی حیثیت سے تعلیم وتربیت کیا ہو؟ اور

وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرف سے کفر وشرک والحاد وزندقہ و بے دینی کی ان نئی پیدا شدہ صورتوں کا جواب دیتا رہے۔

اور چونکہ خدا تعالیٰ کی مشیت، مصلحت پر مبنی ہوتی ہے لہذا مشیت ایزدی کا تقاضا یہ ہوا کہ پیغمبر کے بعد اس وقت تک جب تک احکام خدا میں تغیرات ہوتے رہیں، اور کفر وشرک و زندقہ والحاد و بے دینی کی تمام صورتیں ظہور پذیر نہ ہو جائیں، اس وقت تک ان ھادیان دین پر چاہے جو ظلم وستم ہوتا رہے، ہر صورت میں پیغمبر اکرم صلعم کے ایسے جانشینوں، خلفاء، اماموں اور ھادیوں کا سلسلہ ظاہری طور پر بھی جاری رہے، تا کہ وہ اپنے اپنے زمانہ میں ہر حکم خدا کی بدلی ہوئی صورت کا۔ اور کفر وشرک والحاد وزندقہ و بے دینی کی ہر نئی پیدا ہونے والی صورت کا، جواب اپنے ماننے والوں، اپنی اطاعت کرنے والوں، اور اپنی پیروی کرنے والوں کو علی الخصوص، اور ساری امت کو علی العموم اچھی طرح سے سمجھاتے رہیں۔

پس اس بہترین اندازہ کرنے والے خدا نے اپنے اندازہ سے یہ قرار دیا، کہ بارہ اماموں کے زمانہ تک کفر وشرک والحاد وزندقہ و بے دینی کی جتنی صورتیں ہیں، وہ سب کی سب ظاہر ہو چکیں گی، اور میرے احکام میں جتنے تغیرات ہونا ہونگے وہ بھی بارہویں امام تک ہو چکیں گے اور انکے بعد کفر وشرک والحاد وزندقہ و بے دینی کی، اور میرے احکام میں تغیرات کی جتنی صورتیں ہونگی، وہ انہیں کے شعبے اور انہیں کی شاخیں ہونگی، اور یہ بارہ امام اپنے اپنے زمانہ میں پیدا ہونے والے تغیرات اور کفر وشرک والحاد وزندقہ و بے دینی کی ہر صورت کا جواب سمجھا دیں گے۔ اور پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے بیان کردہ احکام بھی صحیح صحیح لوگوں تک پہنچا دیں گے اور ان بارہ اماموں کے زمانہ کے بعد کے زمانہ میں، احکام کے تغیر اور کفر وشرک والحاد وزندقہ و بے دینی کی جتنی صورتیں ہونگی، ان سب کا سرچشمہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے لیکر بارہویں امام کے زمانہ تک ہونے والے احکام کے تغیرات اور کفر وشرک و

الحادوزندقہ وبے دینی ہی ہوگا۔

مثلاً مسلمانوں میں، فلسفہ یونان کو، ان ہی آئمہ طاہرین کے زمانہ میں، خلفائے بنی عباس نے اس لئے رواج دیا تا کہ آئمہ طاہرین سے علوم قرآن حاصل کرنے والوں کا رخ فلسفہ یونان کے حصول کی طرف موڑ دیں اور لوگ فلسفہ یونان کے گرویدہ ہوکر آئمہ اہل بیت کی طرف جانے سے رک جائیں، لیکن آئمہ طاہرین نے اپنے ماننے والوں اور پیروی کرنے والوں کو فلسفہ یونان کا باطل ہونا سمجھایا۔

حلول واتحاد ووحدت الوجود کا عقیدہ ایجاد کرنے والے صوفی آئمہ ہی کے دور میں پیدا ہوئے، اور یہ آئمہ اطہار کی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے کہ اصول دین میں مذکورہ صفات کو صفات سلبیہ میں شمار کیا جاتا ہے اور حلول واتحاد ووحدت الوجود کو کفر وشرک والحاد زندقہ وبے دینی شمار کیا جاتا ہے۔

تفویض کا عقیدہ بھی آئمہ طاہرین کے زمانہ میں ہی پیدا ہوا اور آئمہ طاہرین نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ الغلاۃ کفار والمفوضۃ مشرکون غالی تو کافر ہیں اور مفوضہ مشرک ہیں جو آئمہ طاہرین کو خالق ورازق ومحی وممیت اور سارے جہان کا نظام چلانے والا مانتے ہیں۔

یہ سب فاسد عقائد اور باطل مذاہب آئمہ طاہرین کے زمانے میں پیدا چکے تھے، لیکن مذہب شیخیہ جو 1226ھ میں پیدا ہوا اسکا سرچشمہ یہی تینوں مذاہب ہیں یعنی یہ مذہب فلسفہ یونان، صوفیوں کے افکار ونظریات اور غلات ومفوضہ کے کفر وشرک والحاد وزندقہ وبے دینی کا مجموعہ ہے۔ اس مثال سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اب کفر وشرک وزندقہ والحاد وبے دینی کی جتنی بھی صورتیں ہونگی انکا سرچشمہ آئمہ اطہار کے دور میں پیدا ہونے والی کفر وشرک کی صورت ہی ہوگی پس خداوند تعالیٰ نے یہ ارادہ کرلیا کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے

امت کے تمام تر ظلم وستم اور مصائب وآلام کے برداشت کرنے اور ہادیان دین کے مسلسل قتل کیے جانے اور زہر دغا سے شہید کیے جانے کے باوجود وہ سلسلہ امامت کو بارہویں امام تک لیجا کر رہے گا۔

لہذا خدا نے اپنے حبیب سے یہ اعلان کرایا کہ میرے بعد میرے بارہ وصی، بارہ جانشین، بارہ خلیفہ بارہ امام وپیشوا اور ہادیان خلق ہونگے۔ اور وہ وحی خدا اور ارشاد پیغمبر کے مطابق بارہ ہی ہوئے، اور کفر وشرک والحاد وزندقہ وبے دینی کی جتنی صورتیں تھیں وہ ان بارہ اماموں کے زمانہ تک پیدا ہوچکی تھیں، اور احکام خدا میں جتنے تغیرات ہونے تھے، وہ بھی ان آئمہ کے زمانہ میں ہوچکے تھے، اور پیغمبر کے ان حقیقی جانشینوں، یعنی آئمہ اطہار نے ان سب کے صحیح صحیح جواب لوگوں کو سمجھا دیئے تھے، یعنی بارہویں امام کے غیبت کبریٰ اختیار کرنے سے پہلے تک، احکام خدا میں جو تغیرات ہونے تھے وہ ہوچکے تھے، اور کفر وشرک و الحادوزندقہ وبے دینی کی ہر وہ صورت جو وہ اختیار کرسکتی تھی کرچکی تھی۔ اور اب آئمہ کے بعد قیامت تک کوئی ایسی صورت اور کوئی ایسی حالت پیدا نہ ہوگی، جو ان بارہ اماموں میں سے کسی امام کے زمانہ میں پیدا نہ ہوچکی ہو۔ اور اب دنیا پر کوئی ایسی صورت نہ آئیگی جس میں سے وہ پہلے نہ گذر چکی ہو۔ اور اُس میں سے ہر صورت اور ہر حالت کے لئے علیہم السلام کی تعلیم موجود ہے اسکی تلاش کرو اور اس پر عمل کرو۔

اور یہی حکمت تھی بارہویں امام تک پہچانے میں، ورنہ بارہ اماموں سے زیادہ بھی امام مقرر کیے جاسکتے تھے۔ اور قیامت تک بھی یہ سلسلہ جاری رکھا جاسکتا تھا۔ لیکن خدا نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ کام بارہ اماموں تک مکمل ہوجائیگا۔ جیسا کہ احکام کا پہچانا پیغمبر گرامی اسلام تک مکمل ہوگیا۔ پس خدا نے احکام کی حفاظت وتوضیح وتشریح کا کام بارہویں امام تک مکمل کرلیا، اور جب خدا نے بارہویں امام کی غیبت سے پہلے پہلے اپنا مطلوبہ کام انجام

دے دیا، اور امام حسن عسکری کے بعد حکومت وقت اس بات پر تل گئی کہ آپکا جانشین زندہ نہیں چھوڑنا۔ تو خدا نے خود اسکی حفاظت کی، اور انکو پہلے ایک قلیل عرصہ کے لئے غیبت صغریٰ کے عنوان سے، لوگوں کی نظروں سے غائب رکھا، اور انکی اس طرح سے حفاظت کی جس طرح حضرت عیسیٰ کی حفاظت کی تھی، جب کہ بادشاہ وقت، حضرت عیسیٰ کے قتل کے درپے ہو گیا تھا۔ اور غیبت صغریٰ کے عرصے میں نواب اربعہ کے توسط سے ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، اور غیبت کبریٰ واقع نہیں ہوئی، جب تک کہ امام زمانہ نے اپنے نواب اربعہ کے ذریعہ اس زمانے تک پیدا ہونے والے کفر وشرک والحاد وزندقہ و بے دینی کی تمام صورتوں کو جواب اور احکام شریعت میں تغیرات کی تمام جزئیات، لوگوں کو نہ سمجھا دیں اور انہیں آئندہ اپنے ظہور تک کا لائحہ عمل نہ بتا دیا۔

اور جب بارہویں امام نے اپنی غیبت صغریٰ کے زمانہ میں اپنی تمام ذمہ داریوں کو پورا کر دیا تو خدا نے بارہویں امام کو ایک وقت خاص تک کے لئے لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا جو اس وقت ہی ظہور فرمائینگے جب خدا کا حکم ہوگا۔

اور غائب رکھنے مین اور موجود نہ ہونے میں یہ فرق ہے کہ غائب رکھنے میں خدا کی حجت زمین پر قائم ہے۔ لیکن بالکل موجود نہ ہوتے میں، خدا کی حجت زمین پر قائم نہیں رہ سکتی تھی، جہاں تک غائب رکھنے کا تعلق ہے تو اس کے ذمہ دار خود لوگ ہیں۔

غائب امام کے وجود کا کیا فائدہ ہے؟

یہ سوال بلکہ یہ اعتراض وہ لوگ کرتے ہیں جو پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد کسی ایسے وصی، کسی ایسے جانشین، کسی ایسے ھادی، اور کسی ایسے امام کے قائل نہیں ہیں، جو پیغمبرؐ کے بعد، پیغمبرؐ جانشین کی حیثیت سے، پیغمبر کے نائب کے طور پر پیغمبر کی طرف سے، لوگوں کو ہدایت دے، اور جنکی بات پیغمبر کی بات سمجھی جائے، اور جنکی اطاعت پیغمبر کی اطاعت شمار ہو، اور جنکی

نافرمانی پیغمبر کی نافرمانی قرار پائے، اور جنکی پیروی پیغمبر کی پیروی مانی جائے، اور جو پیغمبر کے بعد قیامت تک کے لوگوں کے لئے ہدایت کا کام انجام دیں، اور پیغمبر کے بعد ہر زمانے کے لوگوں پر خدا کی حجت اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے گواہ ہوں۔ اور وہ تو ہر زمانے کے لوگوں پر خدا کے گواہ ہوں، اور پیغمبر ان گواہوں پر قیامت کے دن گواہ ہیں، جو انبیاء کی طرح مجتبےٰ ہوں، جو انبیاء کی طرح ہی مصطفےٰ ہوں، طاہر و مطہر اور برگزیدہ خدا ہوں منصوص من اللہ اور معصوم عن الخطا ہوں۔

جن لوگوں نے اِن بارہ اماموں کو مانا، ان کی اطاعت کی، ان کی پیروی کی تو انہوں نے تو ان کے پہلے گیارہ اماموں کی موجودگی، اور وجود کا پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور ان سے ہدایت حاصل کی لہذا اُنہوں نے بارہویں امام کی غیبت میں بھی صحیح صحیح ہدایت حاصل کی لیکن جنہوں نے ان میں کے گیارہ موجود اور حاضر رہنے والے اماموں کو مانا ہی نہیں تو انہوں نے ان سے بھی کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا اور جب وہ حاضر و موجود گیارہ اماموں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے تو وہ بارہویں امام کی غیبت کے زمانہ میں بارہویں امام سے کسی طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے بارہویں امام کو لوگوں کی نظروں سے اس وقت تک اوجھل نہیں کیا جب تک ہدایت کے لئے امام زمانہ کی طرف سے ایک مستقل لائحہ عمل نہ دیدیا گیا، اس لائحہ عمل سے صرف وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، جنہوں نے گیارہ حاضر و موجود اماموں سے ہدایت حاصل کرنے میں فائدہ اٹھایا، اور آج بھی وہی لوگ بارہویں امام کے نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود ان سے حصول ہدایت کے لئے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو پہلے پیغمبرؐ کے بعد کے پیغمبر کے ایسے جانشینوں ایسے اوصیاء ایسے خلفاء اور ایسے اماموں اور ہادیوں کا اقرار کریں، جو پیغمبر کی نیابت میں انکی طرف سے کار ہدایت انجام دینے والے تھے۔ اگر آج بھی کوئی شخص پیغمبر کے ان گیارہ جانشینوں پر ایمان لائے

گا، اور انکی ہدایت کو مشعل راہ بنائے گا، تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ بارہویں امام کی غیبت کے باوجود وہ ان سے اسی طرح فائدہ اٹھا رہا ہے، جیسے اویس قرنی اپنے وطن میں رہتے ہوئے اور پیغمبر کے آنکھوں سے اوجھل رہنے اور پیغمبر کو نہ دیکھنے کے باوجود انکی ہدایت سے فیض یاب ہو رہے تھے۔

والآخرة خیر وابقیٰ

خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

بل توثرون الحیاۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقیٰ۔ (الاعلیٰ۔ 16-17)

تم لوگ تو دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور دیرپا ہے بیشک یہی بات اچھی ہے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وما ھذہ الحیوۃ الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الاخرۃ ھی الحیوان لو کانوا یعلمون ''(العنکبوت۔ 14)

اور یہ دنیاوی زندگی تو کھیل تماشے کے سوا کچھ بھی نہیں اور اگر یہ لوگ سمجھیں تو اس میں بھی شک نہیں کہ ابدی زندگی کی جگہ تو بس آخرت کا گھر ہی ہے۔ (باقی لغو ہے)

پیغمبر گرامی اسلامؐ اسی آخرت کے گھر کو سنوارنے، اور ابدی زندگی راحت وچین سے گزارنے، اور آخرت کے نیک انجام کے لئے ہدایت دینے کے لئے ہی آئے تھے، اور انکی تعلیم کا مقصد یہی تھا کہ لوگوں کی عاقبت بخیر ہو۔

آنحضرت سکندر و دارا اور دنیا جہان کے فرمانرواؤں کی طرح کے حکمران اور کسی دنیاوی طرز کی حکومت کے سلطان اور بادشاہ نہ تھے۔ بلکہ آپ ایک معلم روحانی کی حیثیت سے تشریف لائے تھے، اور اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے، قیامت تک کے لئے اپنے بعد ایسے

ہی روحانی معلموں کا بندوبست کر کے گئے تھے، تا کہ لوگ آنحضرت کے بعد انکی اطاعت و پیروی کے ذریعہ ہدایت یافتہ ہوں اور انکی آخرت اور عاقبت بخیر ہو۔

مگر آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء تک اور خاتم الانبیاء کے بعد حضرت علیؑ سے لیکر قائم آل محمد تک آدمؑ کی اولاد کی اکثریت نے ان ہادیان دین کی طرف سے جوان کے معلم روحانی تھے، رجوع کرنے سے پہلوتہی ہی کی ہے۔ لیکن پیغمبر گرامی اسلام نے بھی دوسرے انبیاء و رسل کی طرح اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی، جب تک آپ زندہ رہے لوگوں کو ہدایت فرماتے رہے، اور اپنے بعد کے لئے اس ہستی کے بارے میں واضح الفاظ میں بتلا کر گئے، جس نے آنحضرت صلعم کے بعد ہدایت کا کام انجام دینا تھا، چنانچہ آنحضرت نے آیہ وانی ھدایہ:

"انما انت منذر ولکل قوم ھاد"

کے نزول کے وقت امت کو واضح الفاظ میں بتلادیا تھا کہ میں تو ڈرانے والا ہوں اور علی ھادی ہیں، اور پھر علیؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا، کہ اے علیؑ ہدایت پانے والے میرے بعد تیرے ہی ذریعہ سے ہدایت پائینگے۔

(اردو ترجمہ ینابیع المودۃ صفحہ 112 حدیث نمبر 4)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ حضرت علیؑ کے بعد آنے والے ہادیوں کا بھی تعارف کرا کر گئے، اور حدیث ثقلین کے ذریعہ یہ بیان کر کے گئے، کہ اگر تم قرآن اور میرے اہل بیت سے تمسک رکھو گے، اور ان کے دامن کو تھامے رہو گے، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ حدیث مسلمانوں کی ہر مستند کتاب میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ چنانچہ شیخ سلیمان قندوزی بلخی حنفی نے اپنی کتاب ینابیع المودت میں جس میں انہوں نے اپنی مستند کتابوں سے احادیث نقل کر کے جمع کی ہیں اس حدیث ثقلین کو اس طرح سے نقل کیا ہے۔

''ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا میں تم میں وہ چیز چھوڑنے والا ہوں اگر اس کا دامن پکڑو گے تو میرے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک چیز دوسری سے بڑی ہے۔ایک کتاب خدا ہے.جو آسمان سے لیکر زمین تک کھنچی ہوئی ہے۔دوسری میری عترت جو اہل بیت ہیں۔یہ اس وقت تک جدا نہ ہونگے۔حتیٰ کہ میرے پاس حوض پر وارد ہونگے۔دیکھو میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو''۔

(اردو ترجمہ ینابیع المودت صفحہ نمبر 60 حدیث نمبر 11)

اس حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے وضاحت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ اگر تم ان دونوں کا دامن تھامے رہو گے تو تم میرے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام نے اپنے بعد کے لئے جنہیں مقرر کیا تھا وہ امت کی ہدایت کے لئے،اور انہیں گمراہی سے بچانے کے لئے تھا۔

یہ حدیث سینکڑوں راویوں سے مختلف طریقوں سے مروی ہے چنانچہ شیخ سلیمان قندوزی بلخی نے اپنی کتاب ینابیع المودت میں بھی چند مشہور راویوں کا ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حدیث ثقلین کو امیر المومنین علیؑ،امام حسن ابن علی علیہ السلام جابر ابن عبداللہ انصاری،ابن عباس،زید ابن ارقم،ابو سعید خدری،ابوذر،زید ابن ثابت،حذیفہ بن یمان،حذیفہ بن اسید،جبیر ابن مطعم اور سلمان فارسی رضی اللہ عنھم نے بیان کیا ہے۔

(اردو ترجمہ ینابیع المودت صفحہ 68 حدیث نمبر 14)

اہل سنت کے مشہور و معروف عالم ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اس حدیث ثقلین میں وارد لفظ ثقلین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم القران وعترتہ الثقلین لان الثقل کلہ نفیس خطیر مصون وھذان کذالک اذ کل منھما معدن للعلوم

الدينيه والاسرار والحكم العليه ولاحكام الشريعه ولذاحث صلى الله عليه وآله وسلم على الاقتداء والتمسک بهم والتعلم منهم ثم احق من یتمسک به منهم امامهم عالمهم علی ابن ابی طالب کرم الله وجه لما قدمناه من مزید علمه ودقائق مستنبطه" صواعق محرقہ صفحہ۔ 90

ترجمہ۔ پیغمبر نے قرآن اور اپنی عترت کا نام ثقلین رکھا ہے کیونکہ ثقل ہر نفیس، عمدہ اور محفوظ چیز کو کہتے ہیں اور یہ دونوں ایسے ہی تھے۔ ان میں سے ہر ایک علم لدنی کا گنجینہ اور بلند پایہ اسرار وحکم اور احکام شریعہ کا مخزن ہے۔ اسی لئے پیغمبر نے ان کی اقتداء اور ان کے دامن سے وابستگی اوران سے تحصیل علوم کے لئے امت کو آمادہ کیا۔ اوران میں سے تمسک کئے جانے کے زیادہ حقدار امام وعالم آل محمدؐ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ہیں۔ آپ کی اس علمی فروانی، اور استنباط ہیں دقت پسندی کی بناء پر، کہ جس کا ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں۔
(نہج البلاغہ ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب۔ خطبہ 85 صفحہ 233 در تشریح لفظ ثقلین)

علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ صواعق محرقہ کے صفحہ 90 سے ابن حجر مکی کی مذکورہ تشریح و وضاحت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"پیغمبر اکرم نے چونکہ مقام تعبیر میں کتاب کی نسبت اللہ کی جانب دی ہے اور عترت کی نسبت اپنی طرف۔ اس لئے حفظ مراتب کا خیال کرتے ہوئے اسے اکبر اور اسے اصغر سے تعبیر فرمایا ہے ورنہ مقام تمسک میں اہمیت کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ اور تعمیر اخلاق میں افادیت کے لحاظ سے ناطق کا درجہ صامت پر مقدم ہونے میں گنجائش انکار نہیں۔

اور اہل سنت کے معروف عالم مفتی محمد عبدہ مفتی الدیار المصریہ نے نہج البلاغہ کے مذکورہ خطبہ میں ثقلین کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے:

"الثقل هنا: بمعنى النفيس من كل شئى وفى الحديث عن النبى

قال: "ترکت فیکم الثقلین : کتاب الله وعترتی ای: النفیسین، وامیر المومنین قد عمل بالثقل الاکبر، وهو القرآن، وترک الثقل الاصغر، وهو ولداه، وقال عترته. قدوة للناس "۔ (شرح نہج البلاغہ مفتی محمد عبدہ مفتی الدیار المصر یہ صفحہ نمبر 153)

ترجمہ۔ امیر المومنین کے خطبہ میں اس مقام پر لفظ "ثقل" کل چیزوں میں سے نفیس ترین چیز کے معنی میں ہے اور ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: میں تم میں دو نفیس چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت میرے اہل بیت یعنی دو نفیس ترین چیزیں۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے یقینی طور پر ثقل اکبر پر کامل طور سے عمل کیا ہے اور وہ ثقل اکبر قرآن ہے۔ اور اپنے پیچھے ثقل اصغر چھوڑ گئے اور وہ آپ کے فرزندان گرامی یعنی حسنؑ وحسینؑ ہیں اور یہ فرمایا ہے کہ آپکی عترت لوگوں کی امام وپیشوا اور رہنما وقائد ہے۔

اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

ان الآئمة قوام الله علی خلقه وعرفاءُ ه علی عباده لایدخل الجنة الا من عرفهم وعرفوه ولا یدخل النار الا من الکرهم ونکروه۔

(نہج البلاغہ مترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب خطبہ 150 صفحہ 376)

ترجمہ۔ بلاشبہ آئمہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حاکم ہیں اور اسکو بندوں سے پہچنوانے والے ہیں جنت میں وہی جائے گا جسے انکی معرفت ہو اور وہ بھی اسے پہچانیں اور دوزخ میں وہی ڈالا جائیگا۔ جو نہ انہیں پہچانے اور نہ وہ اسے پہچانیں۔

امیر المومنینؑ کے خطبہ کے یہ الفاظ حقیقتاً تشریح وتوضیح ہیں اس حدیث رسول کی جس میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ:

من مات ولم بعرف امام زمانه مات میتة الجاهلیه۔ (مسند امام احمد حنبل جلد 4 صفحہ 96)

''یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا''

اور زمانہ جاہلیت کی موت سے مراد کفر کی موت ہے اور جو کفر کی موت مرے ظاہر ہے، کہ نہ اسکی نجات ہو سکتی ہے نہ وہ جنت میں جا سکے گا، اور عدم معرفت امام کی وجہ سے داخل جھنم ہوگا۔

لہذا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی آخرت کی نجات کے لئے پیغمبر صلعم کے فرمودہ آپکے حقیقی جانشینوں، آپ کے اوصیاء اور آپکے بعد آنے والے ہادیوں اور اماموں کے دامن کو تھامے، اور انکی اطاعت و پیروی کو اپنا شعار بنائے، تاکہ جھنم سے نجات حاصل کرے، اور جنت میں داخل ہو کر سکھ چین، اور راحت و آرام کی ابدی زندگی کا لطف اُٹھائے۔

پیغمبر کے اوصیاء ہی ائمہ برحق اور گواہان روز قیامت ہیں
جو عصمت کبریٰ پر فائز ہیں

اس بات پر ساری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ انبیاء و رسل اور ہادیان دین معصوم ہوتے ہیں اور ان سے تمام زندگی میں کوئی گناہ کبیرہ یا صغیرہ نہ تو دانستہ صادر ہوتا ہے اور نہ ہی بھول چوک سے اور ہم نے اس کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ اور تفصیل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل اور ہادیان دین کی عصمت کو ایک لفظ اجتبےٰ کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ یعنی خدا جن کے اجتبے کی گواہی دے وہ معصوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ خدا جن کا اجتبےٰ کرتا ہے یا جنہیں مجتبےٰ بناتا ہے انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے نفس کے حوالے نہیں کرتا اور ہر آن اور ہر لمحہ اپنے لطف خاص سے انہیں اپنے زیر عنایت، اپنے زیر

نظر، اپنے زیر ہدایت، اپنے زیر نگرانی، اور زیر نگہداشت رکھتا ہے۔ انہیں خود تعلیم دیتا ہے اور خود ہی انکی تربیت کرتا ہے۔ یہ ہے اسکا اجتبٰے اور یہ ہے اسکا کسی کو مجتبٰے بنانا۔ اور خدا کسی کا اجتبٰے انہیں کرتا اور کسی کو مجتبٰے نہیں بناتا لیکن صرف اسی کو جس کا اس نے پیدائش سے ہی بطور ایجاد کے اصطفٰی کیا ہوا ہوتا ہے اور انکو مصطفٰی بنایا ہوا ہوتا ہے۔ خدا کے مصطفٰی بندے بھی معصوم ہوتے ہیں اور وہ پیدائشی طور پر یہ صلاحیت وقابلیت واستعداد رکھتے ہیں کہ خدا ان سے کلام کرے انہیں براہ راست ہدایت دے اور وہ خدا سے براہ راست کسب ھدایت کریں۔ لیکن جب تک وہ مجتبٰے نہ ہوں جب تک خدا انکا اجتبٰے نہ کرے اس وقت تک ان سے ترک اولٰی کا امکان ہے۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام سے ہوا۔ وہ جنت ارضی میں پیدائشی طور پر مصطفٰی تھے۔ خدا ان سے کلام کرتا تھا اور وہ یہ قابلیت وصلاحیت واستعداد رکھتے تھے کہ خدا سے براہ راست ہدایت حاصل کریں۔ لیکن وہ اس جنت ارضی میں رہتے ہوئے سکونت کے عرصے میں، مجتبٰے نہ تھے۔ لہذا اس جنت ارضی میں رہتے ہوئے ان سے ترک اولٰی ہوگیا۔ یا خدا کسی کو مجتبٰے بنانے کے بعد ایک لمحہ کے لئے خود ان کے نفس کے حوالے کردے، یعنی انہیں روکے، نہ ٹوکے، نہ تنبیہہ کرے، تو اس صورت میں بھی ترک اولٰی کا صدور ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت یونس کے واقعہ میں بیان ہوا ہے۔

یہ بات بھی اس کتاب میں ثابت کی جاچکی ہے کہ خداوند تعالٰی بروز قیامت عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تین کام کریگا۔

اول۔ ہر ایک کا اعمال نامہ ان کے سامنے پیش کردیا جائیگا جس کو دیکھ کر وہ خود یہ بات تسلیم کرینگے اور یہ اقبال کرینگے کہ اس میں تو ان کا ہر چھوٹا بڑا گناہ لکھا ہوا ہے اور اس میں اس کے عمل کی کوئی بات چھوڑی ہی نہیں گئی ہے۔

دوسرے۔ خداوند تعالٰی آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء تک سارے انبیاء ورسل کو

میدان محشر میں سارے جن وانس کے سامنے لاکر کھڑا کریگا۔ جو خدا کی طرف سے اس بات کے گواہ ہونگے۔ کہ انہوں نے خدا کے احکام ان تک پہچائے تھے مگر انہوں نے نہیں مانا۔

تیسرے۔ چونکہ پیغمبر گرامی اسلام پر شرعی احکام مکمل ہو گئے۔ اور اب قیامت تک اور کوئی بنی نہیں آئیگا اور اب قیامت تک آپ ہی کی رسالت جاری ہے اور آپ ہی کی شریعت نافذ اور لاگو ہے۔ لیکن اس شریعت کی حفاظت اور احکام خداوندی کی صحیح صحیح توضیع وتشریح کے لئے پیغمبر خود موجود نہ رہینگے۔ اور کوئی نبی اپنے بعد کے زمانے کا گواہ بھی نہ بن سکے گا۔ لہذا خدا پیغمبر کے بعد قیامت تک کے زمانے کے لئے ایسے گواہوں کو میدان محشر میں لائیگا جنہیں پیغمبر نے خدا کے حکم سے اپنی طرف سے ہدایت کرنے، اور احکام شریعت کی حفاظت کرنے، اور احکام خداوندی کی صحیح صحیح توضیح وتشریح کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ ایسے گواہ جن کی بات پیغمبر کی بات ہو، جن کا حکم پیغمبر کا حکم ہو، اور جنکی ہدایت پیغمبر کی طرف سے ہدایت سمجھی جائے، اور جو پیغمبر کی طرف سے پیغمبر کے نائب، پیغمبر کے جانشین، پیغمبر کے خلیفہ، پیغمبر کے وصی، کی حیثیت سے لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور کئے گئے تھے، اور وہ ہر زمانہ کے لئے پیغمبر کی طرف سے مقرر کردہ ہادی برحق، اور امام خلق تھے۔ یہ وہ گواہ ہونگے، جو پیغمبر کے بعد کے زمانہ کے لئے لوگوں پر خدا کی حجت اور خدا کی طرف سے اس بات کے گواہ ہونگے، کہ خدا نے پیغمبر کے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں کو، بغیر ہادی اور امام کے نہیں چھوڑا، اور وہ خدا کی طرف سے اس بات کے گواہ ہونگے، کہ اس زمانے میں، جب امت مسلمہ سینکڑوں فرقوں میں بٹ گئی تھی تو اس وقت ان کی بات پیغمبر کی بات تھی، اور انکی ہدایت پیغمبر کی ہدایت تھی، اور ان کا حکم پیغمبر کا حکم تھا، لہذا انکی اطاعت پیغمبر کی اطاعت تھی، اور انکی پیروی پیغمبر کی پیروی تھی، یعنی جنہوں نے انکی پیروی کی انہوں نے پیغمبر کی پیروی کی، جنہوں نے انکی اطاعت کی انہوں نے پیغمبر کی اطاعت کی، اور جنہوں نے انکی

نافرمانی کی انہوں نے پیغمبر کی نافرمانی کی۔

پس پیغمبر کے یہ نائب۔ پیغمبر کے یہ جانشین۔ پیغمبر کے یہ خلفاء پیغمبر کے یہ اوصیاء اور پیغمبر کے مقرر کردہ یہ ہادی اور امام پیغمبر کے بعد، قیامت تک آنے والے لوگوں پر، خدا کے گواہ ہونگے، اور پیغمبران گواہوں کے بارے میں اس بات کی گواہی دینگے کہ انہوں نے خدا کے حکم سے انکی خلافت، انکی وصایت، انکی امامت کا برملا اعلان کردیا تھا، اور مسلمانوں کی تمام معتبر و مستند کتابوں میں میرے یہ اعلانات لکھے ہوئے موجود ہیں۔ اور یہ گواہ خدا کی طرف سے لوگوں پر حجت ہونگے کہ اس نے اپنی مخلوق کو پیغمبر گرامی اسلام کی رحلت کے بعد بغیر ہادی اور امام کے نہیں چھوڑا تھا۔

بہر حال خداوند تعالی بروز قیامت اعمال نامہ پیش کرنے اور سارے انبیاء کو لا کھڑا کرنے کے علاوہ ایسے گواہوں کو بھی لائیگا جو نبی نہ ہونگے۔ اور خدا ان گواہوں کے بارے واضح طور پر کہتا ہے اور خود انہیں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ: ''ھو اجتبا کم'' اس نے تمہارا اجتبٰی کیا ہے اُس نے تم کو مجتبٰی بنایا ہے۔ اور یہ بات ثابت کیجا چکی ہے کہ خدا جن کو مجتبٰی بناتا ہے، وہ حتماً معصوم ہوتے ہیں پس ثابت ہوا کہ یہ شھدائے روز قیامت، یہ گواہان روز محشر، جو قیامت تک آنے والے لوگوں پر خدا کی حجت، اور خدا کے گواہ ہونگے، یقینی طور پر معصوم ہیں، اور چونکہ خدا کسی کو مجتبٰی نہیں بناتا ہے۔ جب تک کہ وہ پیدائشی طور پر، اور بطور ایجاد کے مصطفٰی نہ ہو۔ لہذا یہ شھدائے روز قیامت اور گواہان روز محشر مجتبٰی بھی ہیں، اور مصطفٰی بھی ہیں، اور یہ وہی ہیں جن کو خدا نے پیغمبر کے بعد علوم قرآن کا وارث بنایا ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے:

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا۔

پھر ہم نے پیغمبر کے بعد قرآن کے علوم کا وارث ان کو بنایا جنکا ہم نے اپنے بندوں میں سے

اصطفٰی کیا تھا۔ جنکو ہم نے اپنے بندوں میں سے مصطفٰی بنایا تھا۔ اور خدا نے یہ بات بھی وضاحت کے ساتھ بتادی کہ اس نے آدمؑ اور نوحؑ کے بعد نہ صرف آل ابراھیمؑ میں سے حضرت اسحٰق کی نسل سے حضرت عیسےٰؑ تک تمام انبیاء کو مصطفٰی بنایا تھا، اور حضرت اسمٰعیل کی نسل سے پیغمبر گرامی اسلام محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ پر نبوت کے خاتمہ کے بعد، آل عمران کو امامت کے لئے مصطفٰی بنایا، جیسا کہ فرماتا ہے:

"ان اللہ اصطفٰی آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین"

بے شک اللہ نے آدم کو مصطفٰی بنایا اور نوح کو مصطفٰی بنایا اور آل ابراھیم کے سارے انبیاء کے اصطفٰی کے بعد آل عمران کو مصطفٰی بنایا۔

اور یہ بات ایک حقیقت ہے کہ حضرت علیؑ کے والد گرامی کا نام نامی اور اسم گرامی عمران تھا اور انکی کنیت آپ کے فرزند طالب کی نسبت سے ابو طالب تھی۔ لہذا ان حقائق کی روشنی میں یہ مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ آل عمران سے مراد حضرت علی اور ان کے بعد آنے والے آئمہ علیہم السلام ہی ہیں جو شھدائے روز قیامت ہیں، جو گواہان روز محشر ہیں جو مجتبٰے بھی ہیں اور مصطفٰی بھی ہیں لہذا یہ شھدائے روز قیامت اور گواہان روز محشر جو پیغمبر کے بعد وارثان علوم قرآن ہیں، سارے انبیاء ورسل کی طرح سے حتماً معصوم ہیں، کیونکہ اصطفٰی اور اجتبٰے کے علاوہ خدا نے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے اظہار اور بیان کے لئے، اور کوئی لفظ استعمال نہیں کیا ہے یعنی سارے انبیاء ورسل کی عصمت پر قرآنی دلیل صرف ان کا مصطفٰی ہونا اور مجتبٰے ہونا ہی ہے۔

لیکن آئمہ اہل بیت جو اوصیاء پیغمبر ہیں، اور ہادیان برحق ہیں، اور شھدائے روز قیامت ہیں، اور گواہان روز محشر ہیں۔ خدا نے قرآن میں ان کے مصطفٰی ہونے کی گواہی بھی دی ہے اور ان کے مجتبٰے ہونے کی گواہی بھی دی ہے، اسکے علاوہ انبیاء ورسل کی عصمت کے لئے

استعمال ہونیوالے لفظ اصطفٰے اور اجتبٰے سے بڑھ کر ان کے لئے ''اذھاب رجس'' کی گواہی بھی ہے اور یطھر کم تطھیرا کی شہادت بھی ہے۔

خداوند تعالیٰ نے حضرت مریم کی عصمت کی گواہی لفظ ''طھرک'' (آل عمران۔42) کے ذریعہ سے دی تھی چونکہ وہ نبی ورسول وامام نہیں تھیں لہذا اُن کیلئے اجتبٰے کا لفظ استعمال نہیں کیا اور صرف لفظ ''طھرک'' کے ذریعے انکی عصمت کو بیان کیا۔

اسی طرح چونکہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا بھی نبی یا رسول یا امام نہیں تھیں لہذا ان کے لئے بھی لفظ اجتبٰے استعمال نہیں کیا مگر خداوند تعالیٰ نے انکی عصمت کبریٰ کی گواہی بڑے ہی پرزور الفاظ میں ''اذھاب رجس'' اور'' یطھر کم تطھیرا'' کے ذریعہ سے دی اور ان کے والد بزرگوار اور ان کے شوہر نامدار اور انکے فرزندان عالی وقار کو بھی ان کے ساتھ ''اذھاب رجس'' اور'' یطھر کم تطھیرا'' میں شامل کیا۔

چونکہ حضرت فاطمہ زہرا سلام علیھا اس آیت تطھیرا کی مرکزی شخصیت تھیں لہذا حدیث کساء میں ان کا تعارف اس طرح سے کرایا گیا کہ:

''ھم اھل بیت النبوۃ ومعدن الرسالۃ ھم فاطمہ وابوھا وبعلھا وبنوھا''۔(ماخوذ از حدیث کساء)

یعنی یہ اصحاب کساء جن سے رجس کو دور رکھا گیا ہے اور جن کو ایسا طاہر رکھا گیا ہے جیسا کہ طاہر رکھنے کا حق ہے وہ نبوت کے اہل بیت ہیں، اور رسالت کے معدن ہیں وہ فاطمہ ہیں اور انکے پدر بزرگوار ہیں اور انکے شوہر نامدار ہیں اور ان کے فرزندان عالی وقار ہیں۔

اور چونکہ آیہ تطھیر کے مقصود و مراد میں غلبہ تانیث کی نسبت تذکیر کا تھا لہذا خدا آیہ تطھیر میں اس غلبہ کے پیش نظر صیغے مذکر کے لایا اور اس طرح سے فرمایا:

''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم

تطهیرا"۔(الاحزاب۔33)

اے (پیغمبر کے) اہل بیت خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے ۔اور جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا تم کو پاک وپاکیزہ رکھے۔

اس آیت تطہیر کے ان خمسہ نجباء کی شان میں نازل ہونے کو بکثرت راویوں نے نقل کیا ہے جیسا کہ تفسیر التبیان میں آیا ہے کہ:

روی ابو سعید الخدری وانس بن مالک وعائشه وام سلمه وائله بن الاسقع ان الآیة نزلت فی النبی صلی الله علیه وآله وعلی وفاطمه والحسن والحسین علیهم السلام (تفسیر التبیان جلد 8 صفحہ 339)

یعنی اس روایت کو ابو سعید الخدری وانس بن مالک وام المومنین حضرت عائشہ وام المومنین حضرت ام سلمہ اور وائلہ بن الاسقع نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت یعنی:

"انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وعلیؑ اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اور حضرت ام المومنین ام سلمہ سے روایت ہے، کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے آگے بڑھ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے پوچھا۔

"فقالت ام سلمه قلت یا رسول الله هل انا من اهل بیتک ؟فقال لا ولکنک الیٰ الخیر"۔تفسیر التبیان جلد 8 صفحہ 339

یعنی ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے پوچھا یا رسول اللہ کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟ اسپر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا نہیں تم میرے اہل بیت میں سے نہیں ہو۔لیکن تم نیکی پر ہو۔

پس ان شھدائے روز قیامت کی، ان گواہان روز محشر کی، ان آئمہ ھدیٰ کی، ان اوصیائے پیغمبر کی، عصمت کبریٰ پر انبیاء و رسل کی طرح انکے مجتبےٰ ہونے کی گواہی بھی ہے، اور انکے مجتبےٰ ہونے اور مصطفےٰ ہونے کے علاوہ ان کے لئے خدا کی طرف سے اذھاب رجس اور **یطھر کم تطھیرا** کی گواہی بھی ہے، اور جن کے اذھاب رجس اور **یطھر کم تطھیرا** کی گواہی خدا دے ان سے بڑھ کر معصوم اور کون ہوسکتا ہے؟ پس یہ حضرات حتماً و یقیناً معصوم ہیں اور اسی لئے پیغمبر گرامی اسلام نے واضح الفاظ میں انکی عصمت کی گواہی دی ہے ۔ چنانچہ ان احادیث میں سے جو ان حضرات کی عصمت پر گواہ ہیں ایک وہ ہے، جسے شیخ سلمان قندوزی بلخی حنفی نے اپنی معتبر و مستند کتابوں سے نقل کر کے لکھا ھے جو اس طرح ہے کہ:

’’اصبغ بن نباتہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے ہوئے سنا: میں خود، علیؑ، حسنؑ، حسینؑ، اور حسینؑ کے نو فرزند پاک اور معصوم ہیں‘‘۔ (اردو ترجمہ ینابیع المودۃ صفحہ 416 حدیث 6)

اس حدیث شریف میں پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ نے خود کو شامل کر کے اپنے سمیت معصومین میں اُن تین اماموں کا نام لیکر بتلایا، جو اس وقت سب کے سامنے موجود تھے، اور نو امام جو حسینؑ کی نسل میں ہونیوالے تھے انکے پیدا ہونے سے پہلے بتلا کر گئے کہ وہ بھی اسی طرح معصوم ہونگے جیسے میں اور موجودہ تینوں ہستیاں معصوم ہیں۔ اور خدا نے پیغمبر اکرمؐ کے بعد ان پاک و طاہر اور معصوم ہستیوں کی اطاعت کو ہی مسلمانوں پر واجب کیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ:

’’یا ایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم‘‘

اور اس آیت میں خدا و رسول کی اطاعت کے علاوہ **’’اولی الامر‘‘** کی اطاعت کا بھی

مطلق طور پر بیان ہوا ہے۔اور خدا کسی کی مطلق طور پر اطاعت کا حکم نہیں دے سکتا مگر صرف اسی کی جو بالکل معصوم ہو۔پس ثابت ہوا کہ پیغمبر کے بعد پیغمبر کے مذکورہ بارہ اوصیاء ہی آئمہ برحق، ہادیان خلق، شھدائے روز قیامت اور وہ گواہان روز محشر ہیں جو عصمت کبریٰ پر فائز ہیں۔اور پیغمبر کے بعد حصول ہدایت کے لئے صرف انہیں کی اطاعت اور پیروی مسلمانوں پر واجب اور فرض قرار دی گئی ہے۔

وما علینا الا لبلاغ

مولف کی تالیفات ایک نظر میں

1	شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں	مطبوعہ
2	ترجمہ تنبیہ الانام بر مفاسد ارشاد العلوم	مطبوعہ
3	نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اور نوع نبی وامام	مطبوعہ
4	شیخیت کیا ہے اور شیخی کون	مطبوعہ
5	حکومت الٰہیہ اور دنیاوی حکومتیں	مطبوعہ
6	تبصرہ المہموم علی اصلاح الرسوم وایضاح الموہوم	مطبوعہ
7	خلافت قرآن کی نظر میں	مطبوعہ
8	العقائد الحقہ	مطبوعہ
9	شیعہ علماء سے چند سوال	مطبوعہ
10	صراط مستقیم	مطبوعہ
11	ولایت قرآن کی نظر میں	مطبوعہ
12	شیعہ جنت میں جائینگے مگر کون سے شیعہ؟	مطبوعہ
13	فلسفہ تخلیق کائنات در نظر قرآن	مطبوعہ
14	سراب آزادی یا غلامی کی پر فریب زنجیریں	مطبوعہ
15	ملت جعفریہ پاکستان کا سیاسی کردار	مطبوعہ
16	شیخیت کا شیعیت اور شیعہ علماء سے ٹکراؤ	مطبوعہ
17	الشیخیة الاحقاقیة۔ ہم المفوضة المعروف کون	غیر مطبوعہ
18	شیوہ حکومت اسلامی	غیر مطبوعہ
19	عظمت ناموس رسالت	غیر مطبوعہ
20	عظمت ناموس صحابہ	غیر مطبوعہ
21	شیعہ قرآن وحدیث وتاریخ کی نظر میں	غیر مطبوعہ
22	امامت قرآن کی نظر میں	غیر مطبوعہ

ادارہ انتشارات حقائق الاسلام۔ چنیوٹ